تیسیر الہدایۃ

قدیمی کتب خانہ
مقابل آرام باغ۔ کراچی

تیسیر الہدایۃ

اردو ترجمہ

کتاب البیوع

من الہدایۃ

مترجم

مولانا محمد اشرف قریشی

ناشر

قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

نام کتاب: کتاب البیوع من الھدایۃ

مترجم : مولانا محمد اشرف قریشی

کمپوزنگ: مولانا شمس الحق 0300-2426745

ناشر

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ۔ کراچی

فون: 021-32627608
021-32623782

﴿فہرست مضامین﴾

كتاب البيوع من الهداية

کتاب البیوع

خرید وفروخت کا بیان

علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ بیع[1] (خرید وفروخت) ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتی ہے جبکہ دونوں (یعنی ایجاب وقبول) ماضی کے لفظ کے ساتھ ہوں مثلاً ان میں سے ایک کہے کہ میں نے بیچا اور دوسرا کہے کہ میں نے خریدا۔ (عاقدین میں سے جو شخص پہلے کلام کرے اس کا کلام ایجاب اور دوسرے کا کلام قبول کہلاتا ہے۔ اور شرط یہ ہے کہ یہ دونوں ماضی کے صیغے کے ساتھ ہوں حالانکہ بیع کا وجود ماضی میں نہیں ہوا بلکہ مستقبل میں ہوگا یعنی مشتری[2] کے لیے تصرف کرنے کا اختیار پیدا ہوگا جسے انشاء کہتے ہیں اور یہ حال کے زمانہ میں ہوتا ہے، اس لیے مصنف لفظ ماضی کی قید کی وجہ

---

[1] فوائد:۔ بیع کی یہ تعریف ہے کہ ایک مال کا دوسرے مال کے بدلہ میں رضامندی کے ساتھ تجارت کے ذریعہ تبادلہ کرنا۔ اس کی مشروعیت اللہ پاک کے اس قول ''وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا'' (البقرۃ:۲۷۵) سے ہے یعنی اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کا رکن ایجاب اور قبول ہے اور اس کا حکم ملکیت کا ثابت ہونا ہے جو کہ بیع کے شروع ہونے کا مقصد ہے یعنی شرعی اعتبار سے چیز استعمال کرنے کی قدرت حاصل ہو جائے۔ اس کی شرائط میں سے منجملہ یہ ہے کہ عاقد عاقل، صاحب تمیز ہو، مبیع ایسی چیز ہو جس کی قیمت ہو اور وہ حوالہ کی جا سکے۔ بیع کی بہت سی اقسام ہیں، ان میں چار مشہور ہیں، ۱۔ بیع مقایضہ یعنی مال کی مال کے بدلہ میں فروخت۔ ۲۔ مال کی قیمت کے بدلہ میں فروخت۔ ۳۔ قیمت کی قیمت کے بدلہ میں فروخت، اسے بیع صرف کہتے ہیں۔ ۴۔ اور قرض کی عین (نقد) کے بدلہ میں فروخت۔ اسے بیع سَلَم کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے مصنفؒ نے بیوع یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

[2] تنبیہ:۔ بائع بیچنے والا، مشتری خریدنے والا، مبیع وہ چیز جسے بیچا جائے، عاقد یہ معاملہ کرنے والا، عاقدین اس کا تثنیہ ہے یعنی بائع اور مشتری، تصرّف استعمال کرنا۔

بیان کرتے ہیں) اس لیے کہ بیع کی اصل تصرف کا اختیار پیدا کرنا ہے، اور تمام تصرفات کا اختیار پیدا کرنا شریعت کے ذریعہ ہوتا ہے (یعنی شریعت جس تصرف کو جائز قرار دے وہ جائز ہے ورنہ نہیں، اور جب انشاء شرعی ہوا تو اس کے لفظ میں بھی شریعت کا اعتبار ہوگا) اور وہ الفاظ جو خبر دینے کے لیے یعنی ماضی کے لیے وضع کئے گئے ہیں وہ شرعاً ''انشاء'' میں استعمال کئے جاتے ہیں، اس لیے لفظ ماضی کے ساتھ بیع منعقد ہو جائے گی۔ ایسے دو لفظوں سے بیع منعقد نہیں ہوگی جن میں سے ایک مستقبل کا لفظ ہو، نکاح کی حیثیت اس سے مختلف ہے (کہ وہ ایک ماضی اور ایک مستقبل سے منعقد ہو جاتا ہے) اور وہاں یعنی نکاح کی بحث میں اس فرق (کا بیان) گزرا ہے۔[1]

عاقد کا یہ کہنا کہ میں اتنے دراہم کے بدلہ میں راضی ہو گیا یا میں نے اتنے دراہم کے بدلہ میں تجھے یہ چیز دی، یا اسے اتنے دراہم کے بدلہ میں لے لے، یہ سب الفاظ ''میں نے بیچا اور میں نے خریدا'' کے معنی میں ہیں اس لئے کہ یہ الفاظ بیع کا معنی ادا کرتے ہیں اور ان عقود میں معنی ہی معتبر ہوتے ہیں (الفاظ مقصود نہیں ہیں بلکہ جس عقد کی تعریف پر جو الفاظ صادق آجائیں وہ عقد معتبر ہو جاتا ہے خاص لفظ ضروری نہیں ہے) اسی وجہ سے (قولی ایجاب قبول کئے بغیر) مبیع لینے اور ثمن دینے سے اعلیٰ (زیادہ قیمت والی) اور ادنیٰ (کم قیمت والی چیز) میں بیع منعقد ہو جاتی ہے، اور یہی روایت صحیح ہے اس لئے کہ اس میں آپس کی رضامندی پائی جاتی ہے (امام کرخیؒ کے نزدیک اعلیٰ میں قول کے بغیر بیع منعقد نہیں ہوتی)۔

---

[1] مصنفؒ نے وہاں ذکر کیا کہ نکاح میں ایک ہی شخص ایجاب وقبول دونوں کی طرف سے کرسکتا ہے لیکن بیع میں نہیں کرسکتا، اس لئے کہ نکاح میں حقوق وکیل کی طرف راجع نہیں ہوتے بلکہ مؤکل کی طرف راجع ہوتے ہیں اور وکیل صرف سفیر ہوتا ہے جبکہ بیع میں حقوق اصل میں وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر عقد کرنے والوں میں سے کسی ایک نے بیع کا ایجاب کیا تو دوسرے کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو مجلس میں قبول کر لے اور اگر چاہے تو رد کر دے۔

مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ قبول کرنے کا اختیار ہے۔ اس (کا ثبوت اس) لئے کہ اگر دوسرے کے لئے اختیار ثابت نہیں ہوگا تو اس کی رضامندی کے بغیر عقد کا حکم اس پر لازم ہو جائے گا (حالانکہ اس میں رضامندی ضروری ہے) اور جب دوسرے شخص کے قبول کے بغیر پہلے کا ایجاب عقد کے حکم کے لئے مفید نہیں ہوا (یعنی بیع منعقد نہیں ہوئی) تو ایجاب کرنے والے کے لئے بھی رجوع کرنے کا اختیار ہے (کہ اگر چاہے تو دوسرے شخص کے قبول سے پہلے اپنے پہلے ایجاب سے رجوع کرلے، یہ اختیار بائع کے لئے ہوگا اور اس میں کسی کی حق تلفی نہیں ہے) کیونکہ اس کا رجوع کرنا غیر کے حق کو باطل کرنے سے خالی ہے (اس لئے قبول کے بغیر دوسرے کا حق اس چیز سے متعلق نہیں ہوا اور صرف ایجاب سے چیز اس کی ملکیت سے نکلی نہیں)۔ اور یہ اختیار اس مجلس کے آخر تک رہے گا، اس لئے کہ مجلس متفرق چیزوں کو حکماً ایک جگہ جمع کرنے والی ہے[1] تو اس کے متفرق لمحات کو (اگر چہ مجلس طویل ہو) ایک وقت تصور کیا جائے گا تا کہ (بائع اور مشتری دونوں سے) دشواری دور ہو اور دونوں کے لئے آسانی ثابت ہو (کیونکہ مجلس کے بعض حصہ تک محدود رکھنے میں مشتری پر دشواری ہے اور مجلس کے بعد تک اختیار باقی رکھنے میں بائع پر دشواری ہے، اور مجلس تک باقی رکھنے میں دونوں کے لئے آسانی ہے)۔

---

[1] جیسے کسی آیتِ سجدہ کو ایک ہی مجلس میں بار بار تلاوت کیا جائے تو ایک ہی سجدہ واجب ہوتا ہے حالانکہ ہر دفعہ تلاوت سے سجدہ کا وجوب ہوتا ہے لیکن مسلسل ایک مجلس ہونے کی وجہ سے اس کو ایک کے حکم میں کر دیا۔

مسئلہ:۔ تحریری طور پر لکھ کر بھیجنا بالمشافہ بات کرنے کے حکم میں ہے، اور آدمی بھیج کر خبر دینا بھی اسی کے حکم میں ہے (یعنی اگر بائع نے مشتری کی طرف لکھ کر بھیجا کہ تمہیں یہ چیز اتنے روپوں میں فروخت کر رہا ہوں یا کسی آدمی کو بھیجا اور اس نے آ کر کہا کہ فلاں نے تمہیں یہ چیز اتنے میں بیچی تو یہ ایسا ہے کہ جیسے بائع نے اس کے سامنے ایجاب کیا اور اسے قبول کرنے یا رد کرنے کا اختیار ہے۔ اگر قبول کیا تو بیع منعقد ہو جائے گی) یہاں تک کہ تحریر پہنچنے اور آدمی کے ذریعہ پیغام کی ادائیگی کی مجلس (قبول یا رد کرنے میں) معتبر ہوگی (اگر اس مجلس میں قبول نہیں کیا تو اس کے بعد قبول نہیں کر سکتا)۔

مسئلہ:۔ مشتری کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ مبیع کے بعض حصہ کو قبول کر لے (اور بعض کو نہ کرے جبکہ بائع نے اس پوری مبیع کا ایجاب کیا ہو اور اس پوری کی قیمت بیان کی ہو مثلاً بائع نے کہا کہ میں یہ چیز دس روپے میں فروخت کرتا ہوں، مشتری نے کہا کہ میں اس کے نصف کو قبول کرتا ہوں) اور نہ یہ اختیار ہے کہ جس چیز کو بیچا جا رہا ہے اسے بیان کی ہوئی قیمت میں سے کم قیمت کے ساتھ قبول کر لے (مثلاً بائع نے کہا کہ میں دس روپے میں بیچتا ہوں مشتری نے کہا کہ میں پانچ روپے میں قبول کرتا ہوں تو یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ بائع اس پوری چیز کو یا ادنیٰ کو اعلیٰ کے ساتھ ملا کر بیچنا چاہتا ہے اور) سودے کے متفرق اور الگ الگ ہونے پر راضی نہیں ہے (اگر مشتری کو قبول کرنے کا اختیار ہوگا تو وہ نصف مبیع کی قیمت دے گا یا اعلیٰ کو لے گا اور ادنیٰ کو چھوڑے گا، اور دونوں صورتوں میں بائع کا نقصان ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ مبیع ایک ساتھ رکھ کر اس مجموعہ کی ایک قیمت بیان کی جائے) لیکن اگر اس نے ہر ایک مبیع کی قیمت الگ الگ بیان کر دی تو مشتری کو (کچھ قبول کرنے اور کچھ رد کرنے

کا)اختیار ہے اس لئے کہ یہ معنوی طور پر کئی سودے ہیں (ہر ایک چیز اپنی قیمت کے اعتبار سے ایک سودا ہوگی۔ یہ مسئلہ بیع منعقد ہونے اور مشتری کے قبول کرنے سے پہلے ہے، اگر مشتری نے پہلے چیز قبول کرلی پھر بعد میں اس کے بعض حصہ کو رد کرنا چاہتا ہے تو یہ الگ مسئلہ ہے)۔

مسئلہ:۔ بائع اور مشتری میں سے جو بھی قبول سے پہلے مجلس سے کھڑا ہوگیا (اور چلا گیا) تو ایجاب باطل ہو جائے گا (اور اس کے بعد قبول نہیں کرسکتے) اس لئے کہ (کسی معاملہ اور صورت کے سامنے آنے کے بعد اسے پورا کیے بغیر) کھڑے ہو جانا اعراض (منہ پھیرنے) اور رجوع (واپس) کرنے کی نشانی ہے اور یہ رجوع جو ہم نے ذکر کیا (یعنی ایجاب کرنے والے کے لئے خیار رجوع اور قبول کرنے والے کے لئے خیار قبول) اس وجہ سے ہے جو ہم نے ذکر کی۔ (ایسا ہی ہر اس چیز کا حکم ہے جو اعراض کی نشانی ہے خواہ مجلس ہی میں ہو جیسے کسی اور کام میں مشغول ہو جانا وغیرہ)۔

مسئلہ:۔ اور جب ایجاب اور قبول حاصل ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے اور پھر بائع اور مشتری کو کوئی اختیار (رڈ کرنے کا) نہیں ہے، سوائے اس صورت کے، کہ مبیع میں عیب ہو یا اسے خریدار نے بوقت خرید نہ دیکھا ہو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو خیار مجلس حاصل ہے (یعنی مجلس کے باقی رہنے تک اختیار حاصل ہے خواہ ایجاب وقبول کرلیں) اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''خرید وفروخت کرنے والوں کو اختیار حاصل ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں''۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ (ایجاب وقبول کے بعد دوسرے کی رضا کے بغیر مبیع رد کرنا فسخ ہے اور) فسخ کرنے میں غیر کے حق کو باطل کرنا ہے (اس لئے کہ مبیع کے ساتھ مشتری کا اور ثمن کے ساتھ بائع کا حق متعلق ہوگیا) پس یہ جائز نہیں ہوگا (امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ) حدیث خیار قبول پر

محمول ہے (یعنی قبول کرنے سے پہلے مجلس کی بقاء تک خیار قبول حاصل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ) حدیث میں اس خیار قبول کی طرف اشارہ ہے (اس لئے کہ حدیث میں انہیں خرید وفروخت کرنے والا فرمایا ہے اور حقیقت میں وہ) خرید وفروخت کرتے وقت خرید وفروخت کرنے والے ہیں اس کے بعد (حقیقی اعتبار سے) نہیں ہیں (مجازی اعتبار سے ہیں اور حقیقی معنی مراد لینے کی صورت میں مجازی معنی مراد نہیں لے سکتے) یا حدیث میں خیار قبول کا بھی احتمال ہے (اور اگر اس پر دلیل ہو تو دلیل کی موجودگی میں) اس پر حمل کیا جائے گا (اور دلیل ابھی گزری) اور حدیث میں جدا ہونے سے اقوال کا جدا ہونا مراد ہے (یعنی جب تک ان کے اقوال جدا نہ ہوں انہیں اختیار حاصل ہے اور اقوال کے جدا ہونے کے بعد یعنی ایجاب وقبول کے بعد خواہ کتنی بھی مدت تک اسی مجلس میں بیٹھے دوسری باتیں کرتے رہیں اختیار باقی نہیں رہے گا)۔

علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ جن چیزوں کی طرف (ایجاب میں) اشارہ کیا گیا بیع کے جائز ہونے کے لئے ان کی مقدار کا جاننا ضروری نہیں ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں اس لئے کہ اشارہ کے ذریعہ تعریف کافی ہو جاتی ہے (اور چیز کا علم کسی درجہ میں حاصل ہو جاتا ہے) اور صفت جو اس میں مبہم ہے وہ عاقدین کے درمیان جھگڑے کا ذریعہ نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ بیع میں مطلق ثمن یعنی قیمت بیان کرنا صحیح نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ اس کی مقدار اور صفت معلوم ہو (کہ کتنی قیمت ہے اور کون سے ملک کا سکہ مراد ہے[1]) اس لئے کہ ایک چیز کو حوالہ کر کے اس کے بدلہ دوسری چیز پر قبضہ کرنا

---

[1] یعنی اگر شہر میں مختلف ملکوں کے سکے رائج ہوں جیسا کہ ڈالر، روپیہ، پونڈ وغیرہ تو سکہ کی تعیین ضروری ہے اور اگر ایک ہی سکہ رائج ہو تو ضروری نہیں ہے۔

عقد کی وجہ سے واجب ہوگیا اور (قیمت کی مقدار اور صفت معلوم نہ ہوتو) یہ ابہام جھگڑے کا ذریعہ بنتا ہے (مثلاً بائع اعلیٰ سکوں کا مطالبہ کرتا ہے اور مشتری ادنیٰ سکے دیتا ہے یا اس قسم کا اور اختلاف ہوجاتا ہے جس سے عاقدین کے درمیان جھگڑا ہوجاتا ہے) اور چیز حوالہ کرنا اور اس کے بدلہ میں دوسری چیز پر قبضہ کرنا ممنوع ہوجاتا ہے۔ اور ہر وہ ابہام جس کی یہ صفت ہو (یعنی جھگڑے کا ذریعہ ہو) وہ بیع کے جائز ہونے میں مانع اور رکاوٹ ہے یہ ایک اہم اصول ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ نقد اور ادھار قیمت دونوں کے بدلہ میں بیع جائز ہے بشرطیکہ ادھار کی مدت معلوم ہو۔ مصنفؒ نے فرمایا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول: ''اللہ نے بیع کو حلال کیا'' (البقرۃ:۲۷۵) مطلق ہے (اور اس میں نقد یا اُدھار کی کوئی قید نہیں ہے، اور نقد یا ادھار بیچنا دونوں بیع کی اقسام ہیں اس لئے یہ دونوں بھی آیت کے جواز میں داخل ہیں۔ اور ادھار بیچنے کے جائز ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ) نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک یہودی سے مقررہ مدت تک ادھار کچھ غلّہ خریدا تھا اور آپ نے اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھی تھی۔ اُدھار میں مدت کا معلوم ہونا ضروری ہے اس لئے کہ مدت میں لاعلمی وابہام ثمن کی ادائیگی سے مانع بن جاتا ہے جو کہ عقد کی وجہ سے واجب ہوئی ہے (اور مانع اس طرح ہوگا کہ) بائع اس سے مدت قریب کے بعد ثمن کا مطالبہ کرے گا اور مشتری بعید مدت میں اس کے حوالہ کرے گا (تو اس صورت میں آپس میں جھگڑا ہوگا اس لئے مدت اگر مبہم وغیر معلوم ہے تو بیع صحیح نہیں ہوگی)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ جس نے بیع میں ثمن کو مطلق بیان کیا تو اس سے مراد اس شہر کا (جس میں بیع ہوئی ہے) سب سے زیادہ مروّج سکہ مراد

ہوگا۔ مصنف فرماتے ہیں اس لئے کہ مطلق ذکر کرنے سے عرف میں سب سے زیادہ
ورائج سکہ ہی مراد ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ (ثمن کی صفت مبہم ہونے کی وجہ
سے بیع جائز نہیں ہونی چاہئے لیکن عاقل کے کلام کو بیکار ولغو سے بچانے کی کوشش کی
جائے گی اور) کوشش سے غالب استعمال ہی میں جواز کی راہ نکلتی ہے، تو مطلق سے
غالب استعمال ہی مراد ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر شہر میں مالیت کے اعتبار سے نقود (سکے) مختلف ہوں تو
بیع فاسد ہو جائے گی ہاں اگر اس نے کسی ایک سکہ کو بیان کر دیا (کہ یہ مراد ہے) تو
بیع صحیح ہوگی۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ تمام نقود رواج میں بھی برابر ہوں (اور
غلبہ رواج کے اعتبار سے کسی ایک کو ترجیح نہ دے سکیں) اس لئے کہ یہاں قیمت کی
صفت میں ابہام ولاعلمی جھگڑے کا سبب ہے (تو بیع صحیح نہیں ہوگی) مگر یہ کہ بیان یا
کسی ایک سکہ کے زیادہ رائج وغالب ہونے کی وجہ سے ابہام ختم ہو جائے تو اس
وقت جواز طلب کرنے کے لئے اسی کو مراد لیا جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ
سکے مالیت کے اعتبار سے مختلف ہوں۔ اگر مالیت کے اعتبار سے برابر ہوں جیسے ثنائی
(یعنی دو مل کر ایک درہم) اور ثلاثی (یعنی تین مل کر ایک درہم) اور نصرتی جو آج کل
سمرقند میں رائج ہیں (ان کے ناموں میں اختلاف ہے، اور جیسے) فرغانہ میں عدالی
درہم کے بارے میں اختلاف ہے (لیکن ان سب کی مالیت برابر ہے) تو صرف
درہم کا نام لینے سے بھی بیع جائز ہو جائے گی۔ متاخرین فقہاء اسی کے قائل ہیں، اور
(ایسے سکہ کی) قیمت جس نوع کے ساتھ مقرر کر لی جائے وہی مراد ہوگی اس لئے کہ
(ایسے سکوں کی) مالیت میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے آپس میں کوئی جھگڑا نہیں

ہے۔[1]

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ گندم، آٹے اور دوسرے غلّہ کی بیع پیانہ اور گمان (تخمینہ) کے ساتھ جائز ہے (کہ تول کے بجائے صرف اندازہ سے چیز دی جائے) مصنف نے فرمایا کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ غلّے دو مختلف جنس کے ہوں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب دو نوع مختلف ہوں تو تم جس طرح چاہو بیچو، بشرطیکہ یہ نقد صورت میں ہو (یعنی اگر گندم کے بدلہ چاول وغیرہ بیچے جائیں تو تول کر یا اندازہ سے دونوں طریقوں سے بیچ سکتے ہیں مگر یہ کہ یہ بیچنا نقد صورت میں ہو، ادھار اس میں جائز نہیں ہے۔ یہ حکم ان اشیاء کے بارے میں ہے جو تول کر دی جاتی ہیں) بخلاف اس صورت کے جبکہ غلّہ کو اسی جنس کے بدلہ میں اندازہ سے بیچا (کہ یہ جائز نہیں ہے) اس لئے کہ اس میں سود کا احتمال ہے۔ اور (جنس مختلف ہونے کی صورت میں اندازہ سے بیچنے میں اگر چہ چیز کی مقدار غیر معلوم ہے لیکن) یہ ابہام ولاعلمی حوالہ کرنے اور قبضہ کرنے یعنی لین دین سے مانع نہیں (اور نزاع کا سبب نہیں، اس لئے جائز) ہے اور یہ صورت بازار کی قیمت غیر معلوم ہونے کی صورت کے مشابہ ہوگئی (یعنی اگر دو آدمیوں نے کوئی چیز کسی دام میں آپس میں بیچی اور انہیں اس چیز کی بازاری قیمت معلوم نہیں تو یہ بیع جائز ہے اگر چہ اس میں بھی ابہام ہے لیکن آپس کی رضامندی کی وجہ سے یہ لاعلمی وابہام جھگڑے کا سبب نہیں بنے گا اگر اس میں جھگڑا ہوا تو بعد میں اقالہ ہوسکتا ہے لیکن ابتداءً بیع نافذ ہو جائے گی۔

---

[1] اس کی مثال آج کل اٹھنّی اور چونّی اور پیسوں کی ہے کہ دو اٹھنّی سے ایک روپیہ اور چار چونّی سے بھی ایک روپیہ بنتا ہے، ان کی مالیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تو اگر کسی نے کہا کہ ''اتنے روپے'' تو اتنی مالیت کی اٹھنیاں بھی دے سکتا ہے اور چونیاں بھی دے سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ ''ایسے معیّن برتن کے ذریعہ (ناپ کر) جس میں آنے والے غلہ کی مقدار معلوم نہیں اور ایسے معین پتھر کے ساتھ وزن کرکے جس کا (صحیح) وزن معلوم نہیں (یعنی ان کو بطور پیمانہ اور باٹ استعمال کرکے) بیچنا جائز ہے۔ مصنف نے فرمایا اس لئے کہ اس میں یہ لاعلمی وابہام جھگڑے کا سبب نہیں بنتا کیونکہ چیز اس صورت میں جلدی حوالہ کردی جاتی ہے، اور چیز حوالہ کرنے سے پہلے برتن یا پتھر کا ضائع ہونا بہت نادر ہوتا ہے (اور نادر معدوم کے درجہ میں ہوتا ہے) بخلاف بیع سَلم کے (یعنی جس میں قیمت پہلے دی جاتی ہے اور چیز ایک مدت کے بعد لی جاتی ہے، اس میں اس طرح کرنا جائز نہیں بلکہ مقدار معلوم ہونا ضروری ہے) اس لئے کہ اس میں چیز حوالہ کرنا مؤخر ہوتا ہے اور ایک مدت کے بعد چیز حوالہ کرنے سے پہلے اس برتن یا پتھر کا ضائع ہوجانا نادر نہیں ہے (بلکہ اکثر ضائع ہوجاتا ہے اور اس صورت میں برتن یا پتھر کی مقدار کے بارے میں اختلاف کی وجہ سے جھگڑا ہوگا اور احکام اکثر کے اعتبار سے لگائے جاتے ہیں اس لئے بیع سَلَم میں مقدار معلوم نہ ہونے کی صورت میں) جھگڑا ثابت ہوگیا۔

امام ابوحنیفہؒ سے (حسن بن زیادؒ کی) روایت ہے کہ عام بیع میں بھی اس طرح جائز نہیں ہے لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح اور زیادہ ظاہر ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اناج کا ایک ڈھیر فروخت کیا (اور قیمت یہ بیان کی) کہ ہر قفیز[1] ایک درہم کے بدلہ میں ''تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک قفیز اناج کی بیع جائز ہے مگر یہ کہ وہ تمام قفیز بیان کردے

[1] قفیز ایک پیمانہ ہے جو ہمارے من سے کچھ بڑا ہوتا ہے، آج کل کے حساب سے اس کی مثال یہ ہے کہ میں یہ غلّہ کا ڈھیر فروخت کرتا ہوں اس نرخ پر کہ ہر من کے چالیس روپے ہوں گے۔

(کہ یہ اتنے قفیز ہیں تو پورے ڈھیر کی فروخت صحیح ہے)۔لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں بیع جائز ہے (یعنی ڈھیر کی کل مقدار بیان کی ہو یا نہ کی ہو)۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مبیع (اناج کا ڈھیر) اورثمن کے مبہم ہونے کی وجہ سے اس ایجاب کو پورے ڈھیر کے لئے بنانا متعذر ومشکل ہے (کیونکہ اس ابہام سے نزاع پیدا ہوگا، بائع ثمن کا مطالبہ کرے گا اور مبیع مبہم ہونے کی وجہ سے ثمن بھی مبہم ہے اس لئے مشتری ثمن حوالہ نہیں کرے گا۔مگر اس کے کلام کو لغو ہونے سے بچانے کے لئے)اس ایجاب کو سب سے کم مقدار کے لئے قابل عمل بنایا جائے گا اور وہ مقدار معلوم ہے، مگر یہ کہ مجلس میں تمام قفیز بیان کرنے یا ناپنے سے ابہام زائل ہوجائے (تو پورے ڈھیر کی بیع صحیح ہوگی۔اس لئے کہ ممانعت کی وجہ ختم ہوگئی)اور یہ صورت اس مسئلہ کی طرح ہوگئی کہ جیسے کسی نے اقرار کیا اور کہا کہ میرے ذمہ فلاں کا ہر درہم ہے تو بالاتفاق اس کے ذمہ ایک درہم واجب ہوگا (اس مسئلہ میں اگر چہ درہم کی مقدار معلوم نہیں ہے لیکن جب لفظ ’’کل‘‘ کی اضافت غیر معلوم مقدار کی طرف ہو تو کم از کم مقدار ثابت ہوجاتی ہے اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی کم از کم مقدار ثابت ہوجائے گی جو کہ ایک قفیز ہے)۔صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہاں اس ابہام کو زائل کرنا (بائع اور مشتری) دونوں کے اختیار میں ہے اور اس جیسا ابہام (جسے دونوں ختم کرسکیں)خرید وفروخت کے جائز ہونے میں مانع نہیں ہوتا جیسا کہ دو غلاموں میں سے ایک غلام اس شرط پر بیچا کہ مشتری کو کسی ایک کے خریدنے کا اختیار حاصل ہے اس میں بھی ابہام ہے کہ کونسا غلام مبیع ہے لیکن مشتری کے اختیار کرنے کے بعد وہ ابہام دور ہوجاتا ہے اور اس جیسا ابہام بیع کے جائز ہونے میں مانع نہیں، اسی طرح مذکورہ مسئلہ ہے)پھر جب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک قفیز کی بیع جائز ہے (اور

بقیہ کی جائز نہیں اور مشتری نے ایک قفیز قبول کرلیا) تو مشتری کو بقیہ قفیز خریدنے میں اختیار حاصل ہوگا (کہ خریدے یا نہ خریدے، اور ایک قفیز کو قبول کرنا تمام قفیز کے قبول کے قائم مقام نہیں ہوگا) اس لئے کہ اس پر سودا متفرق ہوگیا (اور ہر قفیز کے لئے الگ سودا وایجاب ہوگا) اور اسی طرح اگر مجلس میں پورے ڈھیر کو تول لیا گیا یا بائع نے تمام قفیز کی مقدار بیان کردی (تب بھی مشتری کو بقیہ قفیز خریدنے میں اختیار حاصل ہوگا) اس لئے کہ اسے جملہ قفیز کا فی الحال علم حاصل ہوا ہے تو اس کے لئے اختیار ثابت ہوگا جیسا کہ اگر مشتری نے (بعد میں) چیز کو دیکھا اور بیع کے وقت نہیں دیکھا تھا (تو اسے اختیار حاصل ہوگا کیونکہ علم فی الحال ہوا ہے)۔

مسئلہ:۔ کسی شخص نے بکریوں کا گلّہ اس شرط پر بیچا کہ ہر بکری ایک درہم کی ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تمام بکریوں میں بیع فاسد ہوجائے گی، اسی طرح اگر کچھ کپڑا گز کے اعتبار سے اس طرح بیچا کہ ہر گز ایک درہم کا ہے اور تمام گزوں کی مقدار بیان نہیں کی، اور اسی طرح ہر شمار کی جانے والی چیز جو متفاوت ہے (جیسے پھل، لکڑی اور جانور وغیرہ کہ ہر ایک کی قیمت الگ ہوتی ہے۔ ان سب کا حکم یہی ہے کہ تمام میں بیع فاسد ہوجائے گی۔ لیکن صاحبین کے نزدیک تمام میں بیع جائز ہے اس دلیل سے جو ہم نے بیان کی (کہ اس ابہام کو دور کرنا اُن کے اختیار میں ہے) امام صاحبؒ کے نزدیک صرف ایک عدد میں بیع جائز ہونی چاہئے اُس اصول کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا (کہ اقل کی مقدار معلوم ہے) مگر ریوڑ میں سے ایک بکری اور تھان میں سے ایک گز کپڑا متفاوت ہونے کی وجہ سے جائز نہیں (بکریوں کا متفاوت ہونا ظاہر ہے اور اسی وجہ سے ہر ایک کی قیمت بھی الگ ہوتی ہے تو بکری میں ابہام کی وجہ سے آپس میں نزاع پیدا ہوسکتا ہے، یہ بیع کے جائز ہونے میں مانع ہے،

کپڑے میں تفاوت کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ایک گز کے مختلف قسم کے کٹ پیس ہوں کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ، تو اس میں ابہام سے جھگڑا ہوسکتا ہے کہ بائع ادنیٰ کپڑا دے گا اور مشتری اعلیٰ کپڑا لے گا، اس لئے ایک عدد میں بھی بیع جائز نہیں) اور اناج کے ڈھیر میں سے ایک قفیز کی بیع جائز ہے اس لئے کہ اس میں تفاوت نہیں ہوتا تو اس میں ابہام جھگڑے کا سبب نہیں ہوگا لیکن پہلی صورت میں جھگڑے کا سبب ہے، تو آپس کا فرق واضح ہوگیا۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اناج کا ایک ڈھیر اس شرط پر بیچا کہ یہ سو قفیز ہے سو درہم کے بدلہ میں، مشتری نے اسے سو قفیز سے کم پایا تو مشتری کو یہ اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو موجود اناج کو اس کی قیمت کے بقدر لے لے اور اگر چاہے تو بیع فسخ کردے۔ مصنفؒ نے فرمایا ''اس لئے کہ بیع پوری ہونے سے پہلے مشتری پر سودا متفرق ہوگیا (کہ ایجاب سو قفیز کا ہوا تھا اور موجود اناج سو قفیز نہیں ہے) تو موجود اناج کے ساتھ اس کی رضامندی پوری نہیں ہوئی۔ اور اگر مشتری نے اسے سو قفیز سے زیادہ پایا تو زیادہ مقدار بائع کے لئے ہوگی، اس لئے کہ بیع ایک معیّن مقدار کے لئے ہوئی تھی (تو اس مقدار پر بیع نافذ ہوجائے گی، اور زائد مقدار بیع سے خارج ہوگی اور سابقہ کے تابع اس لئے نہیں ہوگی کہ) مقدار وصف نہیں ہے [1] (اور جو چیز وصف نہ ہو وہ کسی کے تابع نہیں ہوتی بلکہ اس کی الگ حیثیت ہوتی ہے، اس لئے زائد مقدار کے لئے الگ قیمت ہوگی)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص نے کپڑا اس شرط پر بیچا کہ یہ دس گز دس روپے کا

---

[1] مقدار اور وصف میں یہ فرق ہے کہ چیز میں اگر کسی زیادتی یا کمی سے عیب یا کمال پیدا ہوجائے تو وہ وصف ہے اور اگر اس کی کمی یا زیادتی سے اصل چیز میں کوئی فرق نہ آئے تو وہ مقدار ہے جیسے تولنے اور وزن کی جانے والی چیزوں میں پیمانہ مقدار ہے۔

ہے یا زمین اس شرط پر بیچی کہ سو گز سو روپے کی ہے اور مشتری نے اسے کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس (کم زمین یا کپڑے) کو پوری (بتائی ہوئی) قیمت کے بدلہ میں لے لے اور یا چاہے تو بیع چھوڑ دے (اور وہ زمین و کپڑا اس ایجاب کے ساتھ نہ خریدے) اس لئے کہ گز کپڑے میں وصف ہے، کیا آپ کو نہیں معلوم کہ "گز" لمبائی اور چوڑائی سے عبارت ہے (اور یہ وصف کی نشانی ہے) اور وصف کے مقابلہ میں قیمت نہیں آتی (بلکہ قیمت چیز کے اجزاء کے مقابلہ میں آتی ہے) جیسا کہ حیوان کے اعضاء (یعنی اگر کوئی جانور خریدا اور قبضہ کرنے سے پہلے اس کی آنکھ ضائع ہوگئی تو قیمت میں سے آنکھ کی قیمت کم نہیں ہوگی بلکہ خریدنے والے کو اختیار ہوگا کہ سابقہ قیمت پر اس جانور کو لے یا واپس کر دے اور آنکھ کا صحیح اور خراب ہونا جانور میں وصف ہے) تو اس وجہ سے وہ اس چیز (زمین یا کپڑے) کو پوری قیمت پر لے گا۔ پہلے مسئلہ (یعنی غلہ میں قفیز کے کم یا زیادہ ہونے) کی حیثیت اس سے مختلف ہے اس لئے کہ (قفیز مقدار ہے اور) مقدار کے مقابلہ میں قیمت آتی ہے، اسی وجہ سے وہ اس غلہ کو اس کی مقدار کے حصہ کی قیمت کے بدلہ میں لے گا (یعنی اگر غلہ بتائی ہوئی مقدار سے کم ہے تو بتائی ہوئی قیمت اس کمی کے بقدر کم ہو جائے گی) مذکورہ مسئلہ[1] میں اگرچہ وصف کے مقابلہ میں قیمت نہیں آتی لیکن مذکورہ وصف (سو گز) فوت ہونے کی وجہ سے خریدنے والے کو اختیار ہوگا (کہ خریدے یا واپس کر دے) اس لئے کہ جس چیز پر عقد ہوا تھا وہ بدل گئی اور رضامندی میں خلل واقع ہوگیا۔

اور اگر اس کپڑے یا زمین کو بیان کی ہوئی مقدار یعنی سو گز سے زیادہ پایا تو

---

1 مذکورہ مسئلہ میں گز وصف اس اعتبار سے ہے کہ بائع نے جملہ گز کے مقابلہ میں قیمت بنائی ہے، ہر گز کے مقابلہ میں قیمت بیان نہیں کی، اگر ہر گز کی قیمت بیان کی تو اس کا حکم مختلف ہے۔

وہ زائد مقدار خریدنے والے کی ہوگی اور بائع کو کوئی اختیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ گز صفت ہے (اور صفت کے مقابلہ میں ثمن نہیں آتی) اور اس اضافہ کی حیثیت ایسی ہوگئی کہ کسی نے کوئی عیب دار چیز (عیب بیان کرکے) بیچی لیکن وہ صحیح سالم نکلی (تو وہ مشتری کی ہوگی اور بائع کو واپس لینے کا اختیار نہیں ہوگا)۔

مسئلہ:۔ اور اگر کہا کہ میں اس (کپڑے یا زمین) کو بیچتا ہوں اس شرط پر کہ سو گز سو درہم کے، ہر گز ایک درہم کا۔ مشتری نے اسے ناقص (کم) پایا تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو اس ناقص کو اس کے حصہ کی قیمت میں لے لے یا چاہے تو چھوڑ دے (اور نہ خریدے)۔ اس لئے کہ گز جو وصف ہے اگرچہ تابع ہے (اور اس کے مقابلہ میں قیمت نہیں آنی چاہئے) لیکن قیمت کے ساتھ اسے الگ ذکر کرنے کی وجہ سے وہ اصل ہوگیا لہٰذا اب ہر گز کو کپڑے کا درجہ دیں گے (اور کپڑا اصل ہوتا ہے جس کے مقابلے میں قیمت آتی ہے، اسی طرح یہاں گز کے مقابلہ میں بھی قیمت آئے گی)۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ اگر اس نے ناقص کپڑے کو پوری (بیان کی ہوئی) قیمت میں لے لیا تو اس صورت میں وہ ایک درہم کے بدلہ میں ایک گز لینے والا نہیں ہوگا (بلکہ اسے ایک درہم میں ایک گز سے کم کپڑا ملا کیونکہ کپڑا سو گز سے کم ہے اور قیمت سو درہم (ادا کی) ہے حالانکہ بائع نے اسے بطور شرط بیان کیا تھا کہ ایک گز ایک درہم کا، جب شرط نہیں پائی گئی تو بیع صحیح نہیں ہوگی اس لئے وہ ناقص کپڑا (کل قیمت میں نہیں لے سکتا)۔

اور اگر مذکورہ صورت میں کپڑے یا زمین کو (بیان کی ہوئی مقدار سے) زیادہ پایا تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو تمام کپڑے یا زمین کو فی گز ایک درہم کے نرخ سے لے لے یا چاہے تو بیع فسخ کردے۔ اس لئے کہ اگر مشتری کو گزوں میں

اضافہ حاصل ہوگا تو (اس کے بقدر) قیمت میں اضافہ بھی اس پر لازم ہوگا اور یہ نفع نقصان وضرر کی ملاوٹ کے ساتھ ہوگا (یعنی مشتری کے پاس اضافی قیمت ادا کرنے کے لئے پیسے نہ ہوں اور وہ اس اضافہ کو نہ لے سکے تو اگر زائد مقدار کے ساتھ اس پوری چیز کی بیع اس پر لازم کریں گے تو مشتری کو ضرر پہنچے گا) اس لئے اسے اختیار دیا جائے گا۔ اور زیادہ قیمت لازم ہونے کی وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ گز اصل ہوگئے (جس کے مقابلہ میں قیمت بیان کی جاتی ہے)، اور اگر مشتری پورے (کپڑے یا زمین) کو کم قیمت میں لے گا (یعنی سو گز سے زیادہ کپڑے یا زمین کو سو درہم میں لے) تو اس صورت میں وہ شرط کے مطابق لینے والا نہیں ہوگا (کیونکہ بائع نے یہ شرط بیان کی تھی کہ ہر گز ایک درہم کا، اور صحیح شرائط کا اعتبار نہ کرنے سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، اس لئے وہ کم قیمت میں بھی نہیں لے سکتا، تو مشتری اور بائع دونوں کی رعایت کرتے ہوئے مشتری کو اختیار دے دیا جائے گا)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے گھر یا حمام کے سو گزوں میں سے دس گز بیچے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بیع فاسد ہے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع جائز ہے۔ اور اگر اس کے سو حصوں میں سے دس حصے بیچے تو سب کے قول کے مطابق بالاتفاق جائز ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ سو گزوں میں سے دس گز گھر کا دسواں حصہ ہے تو (دس گز) دس حصوں کے مشابہ ہوگئے (اور دس حصوں کی بیع امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے تو دس گز کی بیع بھی جائز ہونی چاہئے) امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز سے پیمائش کی جاتی ہے اس کا نام گز ہے اور (وہ یہاں مراد نہیں ہے بلکہ یہاں آلہ) گز سے جو چیز ناپی جارہی ہے (گز بول کر) بطور استعارہ وہ چیز مراد لی جارہی ہے (جو کہ گھر کی زمین ہے) اور پیمائش کے قابل چیز معیّن ہوتی ہے غیر معیّن نہیں ہوتی (کیونکہ پیمائش

ایک حسی فعل ہے جس کے ذریعہ ایک محسوس و معین مقدار ہی معلوم کی جاسکتی ہے، جبکہ غیر معین حصہ کو محسوس نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا تعلق چیز کے ہر جزء کے ساتھ ہوتا ہے اور مذکورہ مسئلہ میں دس گز سے معین حصہ مراد ہے) اور وہ معلوم نہیں ہے (کہ وہ گھر کی کونسی جانب ہے، اس ابہام کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی) حصہ کی حیثیت اس سے مختلف ہے (کیونکہ گھر کا دسواں حصہ بیچنے سے مشتری کے لئے گھر کے ہر جزء میں دسویں حصہ کا حق ثابت ہو جائے گا اور یہ بیع جائز ہونے میں مانع نہیں ہے) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مذکورہ مسئلہ میں گھر کے تمام گز کا علم ہو یا نہ ہو، حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے یہی صحیح ہے خصافؒ نے جو کہا (کہ اگر تمام گزوں کی مقدار معلوم ہو جائے تو بیع صحیح ہو جائے گی جیسا کہ بکریوں کے گلّہ کا مسئلہ تھا) اس کے خلاف ہے کیونکہ (تمام گز معلوم ہونے کے بعد بھی مبیع میں) ابہام باقی ہے (دس گز سے مراد گھر کا اگلا حصہ ہے یا پچھلا حصہ۔ جبکہ دونوں حصوں کی قیمتوں میں فرق ہے جس سے مشتری اور بائع کے درمیان جھگڑا ہوسکتا ہے اس لئے یہ بیع صحیح نہیں ہے) اور اگر کپڑے کی ایک گٹھڑی خریدی اس شرط پر کہ یہ دس کپڑے ہیں لیکن نو یا گیارہ کپڑے نکلے تو بیع فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ (گیارہ ہونے کی صورت میں) مبیع یا (نو ہونے کی صورت میں) قیمت[1] مبہم

---

[1] اس طرح کہ گیارہ کپڑے ہونے کی صورت میں ایک کپڑا واپس کرنا ضروری ہے کیونکہ بیع دس کپڑوں کی ہوئی ہے اور وہ ایک کپڑا معلوم نہیں ہے جس کی وجہ سے دس کپڑے جو مبیع ہیں وہ بھی مبہم ہو گئے اور اس ابہام سے جھگڑا پیدا ہوسکتا ہے کیونکہ کپڑے مختلف اقسام کے ہیں، مشتری ادنیٰ کپڑا واپس کرے گا اور بائع اعلیٰ کپڑا واپس لے گا اور نو ہونے کی صورت میں ایک کپڑے کی قیمت کم کی جائے گی کپڑا معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت بھی معلوم نہیں جس کی وجہ سے نو کپڑوں کی قیمت بھی مبہم ہوگئی اور اس ابہام سے بھی جھگڑا پیدا ہوسکتا ہے۔ کہ مشتری اعلیٰ قسم کے کپڑے کی قیمت کم کرے گا اور بائع ادنیٰ کپڑے کی قیمت کم کرے گا، اس لئے اس ابہام کی وجہ سے یہ بیع صحیح نہیں ہے۔

ہے، اور اگر ہر کپڑے کی قیمت بیان کردی تو کم ہونے کی صورت میں اس کی مقدار کی قیمت میں جائز ہے اور مشتری کو (خریدنے یا واپس کرنے کا) اختیار حاصل ہے اور زیادہ ہونے کی صورت میں دس کپڑے مبیع مبہم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ بعض مشائخ نے اگلے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے [1] فرمایا کہ کم ہونے کی صورت میں بھی امام صاحبؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ یہ قول صحیح نہیں ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ وہ کپڑے اس شرط پر بیچے کہ یہی دونوں ھَرَوی ہیں (یعنی ہرات شہر کے ہیں) ان میں سے ایک مَرَوی کپڑا نکلا (یعنی شہر مروہ کا بنا ہوا) تو دونوں (ہَرَوی و مروی) کپڑوں کی بیع جائز نہیں ہے اگرچہ ہر ایک کی قیمت بیان کردے، اس لئے کہ اس نے ہروی کپڑے میں عقد قائم کرنے کے لئے مَرَوی کپڑے کے قبول کو شرط بنا دیا (جبکہ مروی کپڑا عقد میں داخل نہیں ہے) اور یہ شرط فاسد ہے (جس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے) بعض مشائخ نے اس پر گٹھڑی والے مسئلہ کا جو قیاس کیا تھا اس کا مصنف نے جواب دیا کہ پچھلے مسئلہ میں) معدوم کے قبول کی شرط نہیں لگائی گئی (لیکن اس مسئلہ میں لگائی گئی ہے) تو دونوں میں فرق ہو گیا (اور قیاس کرنا صحیح نہیں ہوا [2])۔

---

[1] اگلے مسئلہ کی اصل علت یہ ہے کہ جو مبیع نہیں ہے اس کے قبول کو مبیع قبول کرنے کے لئے شرط بنایا گیا اور یہ امام صاحبؒ کے نزدیک جائز نہیں، اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں دسواں کپڑا جو معدوم ہے اس کے قبول کو موجود کے قبول کے لئے شرط بنایا گیا اس لئے امام صاحبؒ کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں ہونا چاہئے۔

[2] اس کی وضاحت یہ ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں اس نے مَرَوی کپڑے کا عقد میں ذکر نہیں کیا اور اسے ہروی کپڑے کے ساتھ ملا کر پیش کیا تو اس نے قصداً غیر مبیع کو مبیع کے قبول کے لئے شرط بنا دیا جبکہ گٹھڑی والے مسئلہ میں اس نے معدوم کو قبول کرنے کی شرط نہیں لگائی اور نہ اس کا ارادہ کیا بلکہ اس سے عدد کے بیان میں غلطی ہو گئی کہ نو کپڑے تھے اس نے دس کپڑے بیان کر دیئے، جب دونوں مسئلوں میں فرق ہو گیا تو ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کر سکتے۔

اگر ایک کپڑا اس شرط پر بیچا کہ یہ دس گز ہے ہر گز ایک درہم کا، لیکن وہ ساڑھے دس گز یا ساڑھے نو گز نکلا تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ مشتری پہلی صورت (ساڑھے دس گز ہونے) میں دس درہم کا بغیر اختیار کے لے گا اور دوسری صورت (ساڑھے نو گز ہونے) میں اگر چاہے تو نو درہم کا لے لے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ پہلی صورت میں اگر چاہے تو گیارہ درہم کا لے لے اور دوسری صورت میں اگر چاہے تو دس درہم کا لے لے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ پہلی صورت میں اگر چاہے تو ساڑھے دس کا لے لے اور دوسری صورت میں ساڑھے نو کا لے لے اور اسے اختیار دیا جائے گا۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ گز کا درہم سے مقابلہ کرنے کا ضروری تقاضا یہ ہے کہ گز کے نصف کا درہم کے نصف سے بھی مقابلہ ہو (یعنی جس طرح ایک گز کے مقابلہ میں ایک درہم ہے اسی طرح آدھے گز کے مقابلہ میں آدھا درہم ہونا چاہئے اور جب یہ مقابلہ ضروری ہے) تو اسی پر اس کا حکم جاری ہوگا (اور ساڑھے دس گز کے مقابلہ میں ساڑھے دس اور ساڑھے نو کے مقابلہ میں ساڑھے نو درہم آئیں گے)۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے ہر گز کو اس کے بدل کے مقابلہ میں الگ ذکر کیا تو ہر گز کی علیحدہ کپڑے کی حیثیت ہوگئی اور (اگر کپڑے کو اس کی مقدار بیان کر کے بیچا جائے کہ یہ دو گز کپڑا اتنے روپے کا ہے پھر اگر وہ کچھ کم ہو جائے تو کمی کے مقابلہ میں قیمت کم نہیں ہوگی اس لئے کہ گز اس میں وصف ہے اور یہاں بھی) کپڑا کم ہوگیا (اس لئے اس کمی کی قیمت الگ نہیں کی جائے گی)۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل میں گز وصف ہے اور (وصف کے مقابلہ میں قیمت نہیں آتی) ہاں اس نے یہاں شرط کی وجہ سے مقدار کا حکم لے لیا تھا

لیکن یہ حکم گز کے ساتھ مقید ہے (یعنی جب اس نے ہر گز کو ایک درہم کے مقابلہ میں کر دیا تو گز جو اصل میں وصف ہے اس شرط کی وجہ سے مقدار بن گیا لیکن یہ شرط گز کی ہے اور شرط نہ ہونے کی صورت میں مشروط بھی نہیں پایا جائے گا اس لئے) گز معدوم ہونے کی صورت میں حکم اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے گا (اور نصف گز، گز نہیں ہے تو ساڑھے نو یا ساڑھے دس ہونے کی صورت میں آدھا گز وصف ہوگا اور اس کے مقابلہ میں قیمت نہیں آئے گی اور ساڑھے دس گز ہونے کی صورت میں دس روپے میں بغیر اختیار کے کپڑا لے گا، اس لئے کہ اس میں مشتری کو کوئی نقصان نہیں ہے اور ساڑھے نو گز ہونے کی صورت میں اسے اختیار ہوگا اس لئے کہ اسے دس گز مطلوب تھا اور یہ اس سے کم ہے اس لئے اسے اختیار حاصل ہوگا)۔

بعض فقہاء نے کہا کہ (یہ تینوں اقوال اس کپڑے کے بارے میں ہیں جس کے اطراف مختلف قسم کے ہوں جیسے کٹ پیس کا مال اور) وہ کپڑا جس کے اطراف مختلف قسم کے نہ ہوں (بلکہ سارا ایک ہی کپڑا ہو جیسے آجکل تھان ہوتا ہے) تو اس صورت میں مشتری کے لئے مشروط سے زیادہ لینا حلال نہیں ہے (بلکہ ساڑھے نو گز ساڑھے نو روپے کا اور ساڑھے دس گز ساڑھے دس روپے کا ہوگا) اس لئے کہ وہ وزن کر کے دی جانے والی چیز کے درجہ میں ہو گیا کہ اس میں سے کچھ حصہ کاٹنے سے بقیہ کو نقصان نہیں پہنچتا (اور ہر حصہ کی اس کی مقدار کے بقدر قیمت لی جاتی ہے، اسی طرح ایک جیسے کپڑے کے تھان کا حکم ہے) اور اسی وجہ سے مشائخ نے کہا کہ اس میں سے ایک گز بیچنا بھی (اس کی قیمت کے ساتھ) جائز ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے گھر بیچا تو اس کی بناء (یعنی عمارت، دیوار اور چھت) بھی فروخت میں داخل ہوگی اگرچہ اس کا ذکر نہ کرے، اس لئے کہ عُرف میں

اسم گھر، صحن اور بناء کو شامل ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بناء (عمارت) گھر سے مستقل طور پر ملی ہوئی ہوتی ہے لہٰذا وہ گھر کے تابع ہوگی۔ اور اگر کسی نے زمین بیچی تو اس میں جو کھجور کے درخت اور دوسرے درخت ہیں (یعنی پھلدار وغیر پھلدار وغیرہ سب) زمین کی فروخت میں داخل ہوجائیں گے اگر چہ ان کا تذکرہ نہ کرے، اس لئے کہ درخت زمین کے ساتھ مستقل طور پر ملے ہوئے ہیں تو درخت بناء (عمارت) کے مشابہ ہوگئے (اور بناء بغیر ذکر کے فروخت میں داخل ہوتی ہے اسی طرح درخت بھی داخل ہوں گے)۔ (البتہ) زمین کی فروخت میں کھیتی داخل نہیں ہوگی لیکن اگر اس کا ذکر کیا جائے (اور شرط لگائی جائے) تو داخل ہوجائے گی، اس لئے کہ کھیتی کا زمین کے ساتھ اتصال صرف کاٹنے کے لئے ہوتا ہے (مستقل طور پر نہیں ہوتا) تو اس طرح کھیتی گھر میں موجود سامان کے مشابہ ہوگئی (اور سامان بغیر ذکر کے گھر کی فروخت میں داخل نہیں ہوتا)۔

اگر کسی نے کھجور کا درخت یا اور کوئی درخت جس میں پھل ہوں بیچا تو اس کے پھل بائع کے ہوں گے سوائے اس صورت میں کہ خریدنے والا اس کی شرط لگالے (تو پھل بھی فروخت میں داخل ہوجائیں گے)، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے زمین بیچی اور اس میں کھجور کا درخت ہے تو اس کے پھل فروخت کرنے والے کے ہوں گے، مگر یہ کہ خریدنے والا اس کی شرط لگائے (تو اس صورت میں پھل خریدنے والے کے ہوں گے)۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ پھلوں کا درخت کے ساتھ اتصال اگر چہ خلقی و پیدائشی طور پر ہوتا ہے لیکن یہ اتصال کاٹنے کے لئے ہوتا ہے، باقی رکھنے کے لئے نہیں ہوتا، تو پھل کھیتی کے مشابہ ہوگئے (کہ کھیتی کا بھی زمین کے ساتھ اتصال کاٹنے

کے لئے ہوتا ہے، اور کھیتی بغیر ذکر کے زمین کی فروخت میں داخل نہیں ہوتی، اسی طرح پھل بھی داخل نہیں ہوں گے) اور بائع سے کہا جائے گا کہ ''اپنے پھل توڑ لو اور مبیع یعنی فروخت شدہ چیز حوالہ کردو'' اسی طرح اگر زمین میں کھیتی ہے (اور مشتری نے نہیں خریدی تو بائع کو کھیتی کاٹنے کا حکم دیا جائے گا) کیونکہ مشتری کی ملکیت بائع کی ملکیت کے ساتھ مخلوط و مشغول ہوگئی تو بائع کے ذمہ اس چیز کو فارغ کرنا اور مشتری کے حوالہ کرنا ہوگا، جس طرح کہ اگر زمین بیچی اور اس میں سامان ہو (تو بائع اپنا سامان لے لیتا ہے اور خالی زمین مشتری کے حوالہ کرتا ہے، اسی طرح یہاں ہوگا)۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ (فروخت شدہ زمین پر کھیتی اور درختوں کو کچھ عرصہ) باقی رہنے دیا جائے گا یہاں تک کہ ان کے پھلوں کا کارآمد ہونا اور ان کی پختگی ظاہر ہو اور کھیتی (تیار ہوکر اس) کے کاٹنے کا وقت آجائے اس لئے کہ عادت ورواج کے موافق چیز حوالہ کرنا واجب ہے اور (عرف عام و) عادت میں پھلوں اور کھیتی کو پکنے سے پہلے نہیں کاٹا جاتا اور یہ اس صورت کی طرح ہوگئی کہ اگر (زمین کرایہ پر لی اور اس پر کھیتی کی اور) کرایہ کی مدت اس حال میں ختم ہوئی کہ زمین میں کھیتی باقی ہے (اور وہ تیار نہیں ہوئی تو اس کے تیار ہونے تک زمین کرایہ پر رہے گی)۔

ہم جواب میں کہتے ہیں کہ اس (کرایہ والی) صورت میں بھی زمین حوالہ کرنا واجب ہے یہاں تک کہ زمین کو (کھیتی تیار ہونے کے لئے کرایہ دار کے پاس) اجرت اور بٹائی پر چھوڑا جاتا ہے (اور یہ اجرت زمین کا عوض ہے)، اور کسی چیز کا عوض حوالہ کرنا اس اصل کے حوالہ کرنے کی طرح ہے (تو گویا اس نے زمین حوالہ کی، لہٰذا اس پر فروخت کے مسئلہ کو قیاس نہیں کرسکتے کیونکہ اس میں عوض حوالہ نہیں کیا جاتا۔ ان صورتوں میں پھل درخت کی فروخت میں داخل نہیں ہوتے) اس حکم میں صحیح روایت

کے مطابق کوئی فرق نہیں ہے کہ پھل اس حالت میں ہیں کہ ان کی قیمت ہے یا ان کی کوئی قیمت نہیں ہے (اور بہت چھوٹے ہیں)، دونوں صورتوں میں پھل بائع کے ہوں گے، اس لئے کہ صرف پھل کی فروخت درختوں کے بغیر صحیح روایت کے مطابق جائز ہے جیسا کہ ہم اسے آئندہ بیان کریں گے۔ (اور جس چیز کی انفراداً بیع صحیح ہو وہ دوسری چیز کی بیع میں تبعاً وضمناً داخل نہیں ہوتی) تو پھل درختوں کی فروخت میں ذکر کئے بغیر تبعاً وضمناً داخل نہیں ہوں گے۔ اگر زمین فروخت ہوئی اور اس میں مالک نے کھیتی کے لئے بیج ڈال دیئے تھے جو ابھی تک اُگے نہیں، تو یہ بیج زمین کی فروخت میں داخل نہیں ہوں گے (اور مالک انہیں نکال سکتا ہے یا ان کی قیمت لگا سکتا ہے) اس لئے کہ وہ زمین میں امانت ہیں جیسا کہ سامان ہوتا ہے (یعنی اگر زمین میں مالک نے کوئی سامان چھپا رکھا ہے تو زمین کی فروخت میں وہ سامان داخل نہیں ہوگا، اسی طرح بیج بھی داخل نہیں ہوں گے)، اور اگر بیج اُگ گئے لیکن ایسے نہیں ہوئے کہ ان کی قیمت ہو (یعنی فصل کی قیمت لگ سکے) تو ابوقاسم صفارؒ نے کہا کہ یہ فصل فروخت میں داخل نہیں ہوگی، اور ابوبکر اسکاف نے کہا کہ داخل ہوگی۔

یہ اختلاف شاید اس اختلاف پر مبنی ہے کہ جس فصل کو (چوپایوں کے) ہونٹ اور درانتیاں نہ پہنچ سکتیں (یعنی فصل اس قابل نہیں ہوئی کہ چوپائے اسے کھا سکیں اور لوگ درانتی سے اسے کاٹ سکیں) تو اس فصل کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ (جن کے نزدیک جائز ہے تو ان کے نزدیک جب فصل کی قیمت نہ لگ سکے وہ زمین کی فروخت میں تابع ہو کر داخل نہیں ہوگی، اور جن کے نزدیک جائز نہیں تو ان کے نزدیک ایسی فصل تبعاً داخل ہو جائے گی، (زمین اور درخت کی فروخت میں ان کے) حقوق اور فوائد کے ذکر سے کھیتی اور پھل (ان کی فروخت میں) داخل نہیں ہوں گے

(بلکہ اس کے لئے ان کا صراحۃً ذکر ضروری ہوگا) اس لئے کہ کھیتی اور پھل زمین اور درخت کے حقوق میں سے نہیں ہوتے۔ اور اگر کہا کہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز جو زمین اور درخت کی اس میں اور اس کے حقوق میں سے ہے یا کہا کہ جو اس کے فوائد میں سے ہے، تب بھی (کھیتی اور پھل اس میں) داخل نہیں ہوں گے، اس وجہ سے جس کا ہم نے ذکر کیا (یعنی یہ ان کے حقوق اور فوائد میں سے نہیں ہیں) اور اگر حقوق اور فوائد نہیں کہا (صرف یہ کہا کہ جو چیز اس کی اس میں ہے تو اس کہنے سے) کھیتی اور پھل داخل ہو جائیں گے۔ توڑے ہوئے پھل اور کاٹی ہوئی کھیتی صراحۃً ذکر کے بغیر (زمین کی فروخت میں) داخل نہیں ہوگی اس لئے کہ اب وہ سامان کی طرح ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ایسے پھل فروخت کئے جن کی پختگی ظاہر نہیں ہوئی (یعنی پکے نہیں) یا ظاہر ہوگئی تو اس کی فروخت جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا اس لئے کہ وہ قابلِ قیمت مال ہے اس سے فی الحال (پکنے کی صورت میں) یا دوسرے زمانہ میں (نہ پکنے کی صورت میں) فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے فرمایا کہ پکنے سے پہلے ان کو بیچنا جائز نہیں ہے (اس لئے کہ وہ کاٹنے کے قابل ہیں تو کاٹے ہوئے کی طرح ہوگئے اور غیر پختہ پھل سے کاٹنے کے بعد فائدہ نہیں اٹھا سکتے)۔ ان میں سے پہلا قول زیادہ صحیح ہے (کہ پختہ اور غیر پختہ دونوں حالتوں میں بیچنا جائز ہے) فی الحال ان پھلوں کو کاٹنا خریدنے والے کی ذمہ داری ہے تاکہ فروخت کرنے والے کی ملکیت یعنی درخت کو وہ فارغ کردے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ کسی قید کے بغیر یا کاٹنے کی شرط کے ساتھ پھل خریدے ہوں، اور اگر خریدنے والے نے درخت پر چھوڑنے کی شرط لگادی (کہ میں پھل اس شرط پر خریدتا ہوں کہ یہ درخت پر باقی رہیں گے) تو یہ سودا فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے کہ عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا اور یہ شرط غیر کی ملکیت کو مشغول (مخلوط)

کرنا یا ایک سودے میں دوسرا سودا کرنا ہے (اور یہ دونوں شرطیں عقد کے منافی ہیں، ایک سودے میں دوسرا سودا اس طرح ہے کہ) یہ شرط یا تو فروخت میں اِعارہ ہے (یعنی کوئی چیز بغیر معاوضہ کے فائدہ اٹھانے کے لئے دینا) یا اجارہ ہے (کہ معاوضہ پر فائدہ اٹھانے کے لئے دینا)۔

اسی طرح کھیتی کی فروخت اس کو زمین پر باقی رکھنے کی شرط لگانے سے فاسد ہو جاتی ہے، اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی (کہ یہ شرط عقد کے تقاضوں کے خلاف ہے) اسی طرح امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی وہ پھل جن میں پختگی آگئی ہو (انہیں درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیچنے سے سودا فاسد ہو جائے گا) وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی (کہ یہ شرط عقد کے تقاضوں کے خلاف ہے)۔ امام محمدؒ نے (اس) کی بنا پر (کہ عرف عام میں ایسے پھلوں کو خریدنے کے بعد درخت پر چھوڑ دیا جاتا ہے) بطور استحسان اس کو جائز قرار دیا ہے برخلاف ان پھلوں کے جن میں پختگی نہیں آئی (کہ امام محمدؒ کے نزدیک بھی ان پھلوں کے درخت پر باقی رکھنے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے)۔

(امام ابوحنیفہؒ و ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے) اس لئے کہ ایسی شرط لگانے کی صورت میں گویا سودے میں معدوم جزء کے خریدنے کی شرط لگائی جاتی ہے کیونکہ پھل کی قوت میں زمین یا درخت پر لگے رہنے کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے (اور یہ اضافہ سودے کے وقت موجود نہیں تھا تو گویا معدوم چیز کے خریدنے کی بھی شرط مقرر ہوئی اور یہ شرط معاملہ کے منافی ہے، اس لئے یہ سودا فاسد ہو جائے گا۔) اگر پھل بغیر کسی شرط کے خریدے اور بیچنے والے کی اجازت سے انہیں درخت پر لگا چھوڑ دیا تو پھلوں میں جو اضافہ وزیادتی پیدا ہوئی ہے وہ اس کے لئے حلال ہے لیکن اگر مالک کی اجازت کے بغیر پھل درخت پر چھوڑے تو پھلوں میں جو زیادتی ہوئی ہے اس کا صدقہ

کرے، اس لئے کہ یہ زیادتی ممنوع جہت سے حاصل ہوئی ہے (یعنی دوسرے کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر فائدہ اٹھایا ہے)، اور اگر پھل پختہ ہونے کے بعد (مالک کی) اجازت کے بغیر درخت پر چھوڑ دیئے تو کسی چیز کا صدقہ نہ کرے، اس لئے کہ اس صورت میں پھل کی حالت تو تبدیل ہوئی ہے لیکن اس میں زیادتی ثابت نہیں ہوئی (کیونکہ پھل پہلے ہی پختہ ہو چکے تھے) اگر اس نے بغیر کسی شرط کے (غیر پختہ) پھل خریدے اور پھل درخت پر چھوڑ دیئے، ساتھ ہی پھل پکنے کے وقت تک درخت کرایہ پر لے لیا تو اس صورت میں پھلوں میں جو زیادتی ہوئی ہے (اور وہ پختہ ہوئے یہ) حلال ہے، کیونکہ (اگر چہ) درختوں کو کرایہ پر لینا باطل ہے کہ عرف عام میں درخت کرایہ پر نہیں لئے جاتے اور نہ ہی (صرف پھل پکنے کے لئے درختوں کو) کرایہ پر لینے کی ضرورت ہے (کیونکہ پھل پکنے کی ضرورت درختوں کو خریدنے سے بھی پوری ہوسکتی ہے تو کرایہ باطل ہو گیا لیکن یہ چونکہ مالک کی رضامندگی اور اجازت سے ہوا تھا لہٰذا) اجازت باقی رہ گئی جس کا اعتبار کر سکتے ہیں (پس مالک کی رضامندی سے درخت پر پھل پکے)۔

یہ صورت اس صورت کے خلاف ہے کہ کھیتی خریدی اور پکنے کے وقت تک زمین کرایہ پر لے کر کھیتی اس پر چھوڑ دی کہ اس صورت میں کھیتی میں جو زیادتی ہوگی وہ اس کے لئے حلال نہیں ہے، اس لئے کہ وقت مجہول اور مبہم ہونے کی وجہ سے یہ کرایہ کا معاملہ فاسد ہے تو اس فساد نے اس زیادتی میں خبث وناپاکی پیدا کردی۔ اگر پھل بغیر کسی شرط کے خریدے اور ان پر قبضہ کرنے سے پہلے درخت پر دوسرے پھل آ گئے تو یہ سودا فاسد ہو جائے گا اس لئے کہ نئے اور پرانے پھلوں میں امتیاز وفرق مشکل ہونے کی وجہ سے مبیع حوالہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور اگر پھل قبضہ کرنے کے بعد (توڑنے سے پہلے) دوسرے پھل آ گئے تو (نئے اور پرانے پھل) باہم مل جانے کی وجہ سے دونوں

اس میں شریک ہوں گے اور پرانے پھلوں کی مقدار کے بارے میں خریدنے والے کا قول معتبر ہوگا اس لئے کہ یہ اس کے قبضہ میں ہیں۔

بینگن اور خربوزوں کا بھی یہی حکم ہے (کہ قبضہ سے پہلے اگر دوسرے خربوزے اور بینگن اُگ آئے تو سودا فاسد ہو جائے گا اور اگر قبضہ کے بعد ایسا ہوا تو دونوں اس میں شریک ہوں گے)، ان صورتوں سے بچاؤ اور جواز کا راستہ یہ ہے کہ جڑ سمیت ان پھلوں کو خریدے تاکہ پھلوں میں زیادتی اس کی ملکیت میں حاصل ہو۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے کہ پھل بیچے اور ان میں سے کچھ پھل ایک معلوم مقدار میں مستثنیٰ کرلے۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ امام مالکؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ مستثنیٰ کرنے کے بعد باقی پھلوں کی مقدار مبہم ہے (کیونکہ کل پھلوں کی مقدار معلوم نہیں، اور یہ ابہام نزاع پیدا کرے گا کہ فروخت کرنے والا اعلیٰ پھل اپنے لئے الگ کرے گا اور خریدنے والا اعلیٰ پھل لینا چاہے گا) بخلاف اس صورت کے کہ پھل فروخت کرے اور ان میں سے معین درخت مستثنیٰ کرلے (کہ اس کے پھل میرے لئے ہوں گے، تو یہ صورت جائز ہے) اس لئے کہ (کل کی مقدار مبہم ہونے کے باوجود) باقی پھلوں کی مقدار مشاہدہ سے معلوم ہے (تو اس میں جھگڑا نہیں ہوگا)۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ مشائخ کہتے ہیں کہ یہ امام ابوحنیفہؒ سے حسن بن زیاد کی روایت ہے اور یہی طحاویؒ کا قول ہے لیکن ظاہر روایت کے مطابق پہلی صورت کا جائز ہونا مناسب ہے، اس لئے کہ اصول یہ ہے کہ جس چیز کو عقد میں اکیلے بیچنا صحیح ہے اس چیز کا عقد یعنی معاملہ سے استثناء بھی صحیح ہے۔ اور غلہ کے ایک ڈھیر میں سے ایک قفیز کی فروخت جائز ہے تو اسی طرح اس ڈھیر میں سے اس کا استثناء کرنا بھی جائز ہے بخلاف باندی و جانور کا حمل اور باندی و جانور کے ہاتھ پاؤں کہ انہیں اکیلے بیچنا جائز نہیں ہے (کہ باندی اور جانور کے بغیر صرف ان کا حمل یعنی پیٹ کا بچہ یا

صرف ان کے ہاتھ پاؤں بیچے جائیں) تو اسی طرح ان کا استثناء کرنا بھی جائز نہیں (کہ باندی وجانور کو بیچا جائے اور ان کے حمل یا ہاتھ پاؤں کا استثناء کیا جائے)۔

مسئلہ:۔ گیہوں کی فروخت اس کی بالی میں اور لوبیا کی فروخت اس کے چھلکے میں جائز ہے۔ اسی طرح چاول اور تیل کی فروخت بھی (جبکہ وہ اپنے چھلکوں میں ہوں) جائز ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ لوبیا کی سبز چھلکے میں فروخت جائز نہیں ہے، اسی طرح ان کے نزدیک بادام، اخروٹ اور پستہ کی ان کے پہلے چھلکے میں فروخت جائز نہیں ہے،[1] گیہوں کی بالی میں فروخت کے بارے میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ تمام صورتیں جائز ہیں (یعنی گیہوں، چاول، لوبیا، تل، اخروٹ، بادام اور پستہ کی پہلے چھلکے میں فروخت صحیح ہے)۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کی فروخت کا معاملہ ہو رہا ہے وہ ایسی چیز میں ڈھکی ہوئی ہے جو خریدار کے لئے بے کار ہے تو یہ صورت زرگر کی مٹی کے مشابہ ہوگئی جب کہ اسے اسی کی جنس کے عوض بیچا جائے۔[2]

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے کھجور بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ زرد رنگ کی ہو جائیں (یعنی ان کے پکنے سے پہلے ان کا بیچنا صحیح نہیں ہے) اور بالی وخوشے کی فروخت سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ سفید ہو جائیں (یعنی پک جائیں) اور آفات سے محفوظ ہو جائیں (مطلب یہ ہوا کہ پکنے سے پہلے ان کا بیچنا صحیح نہیں ہے تو پکنے کے بعد ان کا بیچنا صحیح ہے خواہ وہ بالی یا چھلکوں

---

[1] بادام، اخروٹ اور پستہ پر دو چھلکے ہوتے ہیں پہلا چھلکا ہلکا اور سبز ہوتا ہے، یہاں وہی چھلکا مراد ہے۔

[2] یعنی زرگر کی مٹی جس میں سونا چاندی کے ذرات ہوتے ہیں اگر سونے کے ذرات والی مٹی کو اس جیسی مٹی کے عوض میں بیچا جائے تو یہ جائز نہیں کیونکہ ذرات ظاہر نہیں بلکہ مٹی میں چھپے ہوئے ہیں اور مٹی پھینک دی جاتی ہے، اسی طرح مندرجہ بالا مسئلہ ہے۔

میں ہوں)، دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ مفید اور نفع بخش دانے ہیں تو ان کو ان کی بالی میں بیچنا صحیح ہے جیسا کہ جَو (اور جَو وگیہوں میں مشترک بات دونوں کا قیمت لگانے کے لائق مال ہونا ہے)۔ زرگر کی مٹی (کا جواب یہ ہے کہ یہ) اس سے مختلف ہے اس لئے کہ یہاں اس کو اس کی جنس کے عوض بیچنا سود کے احتمال کی وجہ سے جائز نہیں، اگر اس مٹی کو اس کی مخالف جنس کے عوض بیچا تو یہ جائز ہے یعنی (سونے کے ذرات والی مٹی کو چاندی کے ذرات والی مٹی کے عوض میں) اور ہمارے مسئلہ میں بھی اگر اسے اسی جنس کے عوض بیچا تو یہ بھی سود کے شبہ کی وجہ سے جائز نہیں، کیونکہ بالی میں موجود گیہوں کی مقدار معلوم نہیں کی جاسکتی (تو اگر کمی یا زیادتی ہوگی تو سود ہو جائے گا)۔

اگر کسی نے گھر بیچا تو اس کے تالوں کی چابیاں بھی اس سودے میں داخل ہو جائیں گی اس لئے کہ گھر بیچنے میں تالے داخل ہوتے ہیں کیونکہ تالوں کو گھر میں باقی رکھنے کے لیے بنایا جاتا ہے (الگ کرنے کے لیے نہیں) اور چابی تالے کی فروخت میں ذکر کے بغیر داخل ہوتی ہے اس لیے کہ یہ اس کے جزء کی طرح ہے کیونکہ چابی کے بغیر تالے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ (جو تالا دروازے میں نہ بنایا جائے وہ تالا فروخت میں داخل نہیں ہوگا)۔

مسئلہ:۔ ناپنے والے اور روپے جانچ کرنے والے کی اجرت بیچنے والے کے ذمہ ہے۔ ناپنے کی اجرت اس لئے کہ مبیع (فروخت شدہ چیز) حوالہ کرنے کے لئے اس کو ناپنا ضروری ہے اور مبیع حوالہ کرنا بیچنے والے کے ذمہ ہے (اس لئے بیچنے والے پر ناپنے کی اجرت آئے گی)۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر اسے تول کر بیچا جائے (اٹکل سے نہ بیچا جائے)، اسی طرح وزن کرنے والے، ناپنے والے اور شمار کرنے والے کی اجرت بھی بیچنے والے کے ذمہ ہوگی۔ اور روپے جانچنے کی اجرت

جو متن میں مذکور ہے یہ امام محمدؒ سے ابن رستم کی روایت ہے، اس لئے کہ روپے کی جانچ پڑتال بیچنے والے کو قیمت حوالہ کرنے کے بعد ہوتی ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہ جانچ پڑتال وزن کرنے کے بعد ہوتی ہے (اور روپے وزن کرنے سے حوالہ پورا ہوتا ہے تو جانچ پڑتال حوالہ کے بعد ہوئی) اور بیچنے والا رقم کا محتاج ہے تاکہ اس کا حق جس رقم سے متعلق ہے وہ دوسری رقوم سے ممتاز ہو جائے (اور کھرے کھوٹے میں تمیز ہو جائے) تاکہ وہ اس میں عیب پہچان کرا سے واپس کر سکے (تو روپے کی جانچ پڑتال بیچنے والے کی ضرورت ہوئی اس لئے اس کی اجرت بھی اس کے ذمہ ہوگی)۔

لیکن ابن سماعہ کی امام محمدؒ سے روایت کے مطابق رقم جانچنے والے کی اجرت خریدنے والے کے ذمہ ہے اس لئے کہ اسے طے شدہ (وزن کے) کھرے سکے حوالہ کرنے کی ضرورت ہے اور سکوں کا کھرا ہونا جانچنے سے ہی معلوم ہوتا ہے (اس لئے اس جانچنے کی اجرت بھی اسی کے ذمہ ہوگی) جس طرح (سکوں کی) قدر و قیمت بھی ان کے وزن کرنے سے معلوم ہوتی ہے لہٰذا ان کو وزن کرنے کی اجرت بھی خریدار کے ذمہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ روپے وزن کرنے والے کی اجرت خریدنے والے کے ذمہ ہے۔ وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ قیمت حوالہ کرنا خریدنے والے کی ضرورت ہے اور روپوں کا وزن کرنے کے بعد ہی قیمت کی ادائیگی تکمیل کو پہنچے گی (لہٰذا سکوں کو وزن کرانے کی ذمہ داری و اجرت وغیرہ اسی کے ذمہ ہوگی)۔ [1]

---

[1] اس زمانہ میں بیک وقت مختلف اوزان کے سونے چاندی کے سکے رائج تھے، ان میں کھوٹ کا بھی ڈر رہتا تھا، لہٰذا ان کی صحیح قدر و قیمت معلوم کرنے کے لئے بعض اوقات صرّاف سے مدد لینی پڑتی تھی اور اس کو اجرت دینی پڑتی تھی ۱۲۔

مسئلہ:۔ جس نے سامان روپے پیسے کے بدلہ میں بیچا تو خریدنے والے سے کہا جائے گا کہ پہلے ان کے پیسے ادا کرو۔ اس لئے کہ (عقد سے) مبیع (یعنی خریدی ہوئی چیز) میں خریدنے والے کا حق متعین ہوگیا (اور بیچنے والے کا قیمت یعنی روپے پیسے میں حق ثابت ہوگیا لیکن کسی خاص میں متعین نہیں ہوا) تو قیمت کی ادائیگی کو مقدم کیا جائے گا تا کہ بیچنے والے کا حق قبضہ کرنے سے اس نقدی میں متعین ہوجائے کیونکہ (قبضہ کے بغیر) روپے پیسے (محض زبانی) متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے[1] خریدنے والے کا حق تو ایک مخصوص مبیع میں متعین ہوگیا لیکن بیچنے والے کا حق مخصوص سکوں میں متعین نہیں ہوا تھا لہٰذا برابری ثابت کرنے کے لئے (قیمت کی ادائیگی پہلے کی جائے گی)۔

مسئلہ:۔ جس نے سامان کے بدلہ سامان بیچا یا روپوں کے بدلہ روپے بیچے (یعنی بیع صَرف کی) تو دونوں سے کہا جائے گا کہ دونوں ایک ساتھ حوالہ کرو۔ اس لئے کہ تعیین کے ہونے اور نہ ہونے میں دونوں برابر ہیں تو حوالہ کرنے میں کسی ایک کو مقدم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔[2]

☆☆☆☆

---

[1] یعنی اگر خریدنے والے نے کہا کہ میں ان سکوں کے بدلہ میں وہ چیز خریدتا ہوں اور بیچنے والے نے قبول کرلیا تو وہ خاص سکے متعین نہیں ہوئے اور ان کا دینا ضروری نہیں بلکہ ان کی طرح کے دوسرے سکے بھی وہ دے سکتا ہے لیکن بیچنے والا جب سکوں کو قبضہ میں لے لے تو وہ متعین ہوجاتے ہیں۔

[2] خرید وفروخت میں دونوں طرَف کی چیزیں متعین ہونی چاہئیں، چاہے وہ سامان کے بدلہ سامان ہو یا سونے چاندی کے سکوں کے بدلہ سونے چاندی کے سکے ہوں۔

باب خيار الشرط

اختیار کی شرط لگانے کا بیان

سودے میں خریدنے والے اور بیچنے والے کے اختیار کی شرط لگانا جائز ہے اور ان دونوں کو تین دن یا اس سے کم مدت میں (سودا، رد کرنے کا) اختیار ہوگا، اس میں اصل یہ مروی حدیث ہے کہ حبان بن منقذ بن عمرو انصاریؓ صحابی کو خرید وفروخت میں اکثر دھوکہ ہو جاتا تھا تو ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم خرید وفروخت کرو تو کہہ دو کہ "کوئی دھوکہ نہیں ہونا چاہئے اور مجھے تین دن تک (واپسی کا) اختیار ہے"۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین دن سے زیادہ مدت تک اختیار کی شرط لگانا جائز نہیں ہے اور یہی امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے، صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ مدت کا اختیار لینا جائز ہے جبکہ زیادہ مدت مدت معلومہ مقرر کی ہو، اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے دو ماہ کی مدت تک اختیار دینا جائز قرار دیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ غور و فکر کی ضرورت کی وجہ سے یہ اختیار مشروع ہوا تاکہ آدمی دھوکہ سے بچ سکے اور اس کے لئے زیادہ مدت کی ضرورت ہے (اس لئے دو ماہ مقرر کیے) اور یہ قیمت میں مدت مقرر کرنے کے مشابہ ہوگیا (یعنی بعض دفعہ قیمت اسی وقت نہیں دی جاتی بلکہ بعد میں ادا کی جاتی ہے اور ضرورت کی وجہ سے یہ مدت زیادہ مقرر کر سکتے ہیں اسی طرح اختیار میں بھی ضرورت کی وجہ سے مدت زیادہ مقرر کر سکتے ہیں) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اختیار کی شرط لگانا عقد کے تقاضوں کے خلاف ہے، اس لئے کہ عقد کا تقاضا سودے کا لازم ہونا ہے، لیکن ہم نے

اسے خلافِ قیاس مروی حدیث کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے تو یہ اختیار حدیث میں مذکور مدت (یعنی تین دن) تک محدود رہے گا (کیونکہ جو نص خلافِ قیاس ہو اس پر قیاس کر کے اس کے حکم کو عام نہیں کر سکتے بلکہ وہ حکم اُسی نص کے ساتھ خاص رہتا ہے) اور تین دن سے زیادہ کی نفی ہو جائے گی لیکن اگر اس نے تین دن سے زیادہ کا اختیار لیا لیکن تین دن کے اندر ہی اس سودے کی اجازت دے دی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن امام زفرؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ کی شرط کی وجہ سے سودا شروع میں ہی فاسد ہو گیا تو اب بدل کر جائز نہیں ہوگا۔

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اس نے فاسد کرنے والی چیز (یعنی تین دن سے زیادہ مدت) کو اس کے مستحکم ہونے سے پہلے ساقط کر دیا لہٰذا یہ عقد جائز ہو جائے گا بالکل اس طرح جیسے اگر کسی تاجر نے کوئی چیز اس پر لگی ہوئی (خفیہ) علامت (کی قیمت) کے عوض بیچی اور پھر اسی مجلس میں اس (خفیہ علامت) کی قیمت بتادی۔[1]

دوسری وجہ یہ ہے کہ چوتھے دن کے اعتبار سے سودا فاسد ہوا تھا اور جب اس نے چوتھے دن سے پہلے اس کی اجازت دے دی تو فاسد کرنے کا سبب عقد کیساتھ نہیں ملا اسی وجہ سے بعض (یعنی اہل خراسان، اور امام سرخسیؒ) نے فرمایا کہ عقد (موقوف رہے گا اور چوتھے دن کا ایک جزء گزرنے سے عقد) فاسد ہو جائے گا، اور بعض (یعنی مشائخ عراق) نے کہا کہ یہ سودا فاسد ہو گیا تھا پھر شرط حذف کرنے کی وجہ سے فساد ختم

---

[1] یعنی مثلاً تاجر نے کپڑے پر کوئی علامت لگادی اور اس علامت کی قیمت نہیں بتائی اور خریدنے والے سے کہا کہ اس علامت کی قیمت کے بدلے بیچتا ہوں اور خریدنے والے نے اسے قبول کرلیا، تو اس طرح سودا صحیح نہیں ہے کیونکہ قیمت مبہم ہے، لیکن اس مجلس کے ختم ہونے سے پہلے اگر اس نے اس علامت کی قیمت بتادی کہ اتنی قیمت ہے اور خریدار نے قبول کرلیا تو یہ سودا صحیح ہو جائے گا، اسی طرح مدت کا مسئلہ ہے۔

ہوگیا۔ یہ قول پہلی وجہ (یعنی فاسد کرنے والی چیز کے استحکام سے پہلے اسے ساقط کر دیا جیسا کہ علامت پر کوئی چیز بیچی، اس وجہ اور نظیر) کے اعتبار سے ہے۔

اگر اس شرط پر کوئی چیز بیچی کہ اگر تین دن تک قیمت ادا نہیں کی تو ہمارے درمیان یہ سودا نہیں ہوگا تو یہ جائز ہے اور اگر کہا کہ چار دن تک قیمت ادا نہیں کی، تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ "چار دن تک یا اس سے زیادہ مدت تک جائز ہے"۔ اگر اس نے تین دن میں قیمت ادا کر دی تو بالاتفاق تینوں کے نزدیک جائز ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ یہ شرط، اختیار کی شرط کی طرح ہے کیونکہ قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں معاملہ فسخ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے (لیکن معاملہ کوئی ایک فریق اپنی مرضی سے فسخ نہیں کر سکتا بلکہ اس میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے اور اس میں احتمال ہے کہ خریدنے والا تاخیر کرتا رہے، قیمت بھی ادا نہ کرے اور معاملہ بھی فسخ نہ کرے جس سے بیچنے والے کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو) فسخ میں ٹال مٹول سے بچنے کے لئے اسے اختیار کی شرط کے ساتھ ملحق کیا (کہ اس میں مدت گزرنے کے بعد سودا پورا ہو جاتا ہے اور مدت کے اندر صاحب اختیار فسخ کر سکتا ہے تو بیچنے والے کو نقصان نہیں پہنچے گا اور جب یہ اختیار کی شرط کے ساتھ ملحق ہوگیا تو اختیار کی شرط کے احکام جاری ہوں گے اس لئے) امام ابوحنیفہؒ اس میں اپنی اصل پر ہیں (کہ تین دن کا اختیار صحیح ہے) اور تین دن سے زیادہ کی نفی کی، اور اسی طرح امام محمدؒ بھی مدت کی زیادتی کے جائز ہونے میں اپنی اصل پر ہیں کہ ان کے نزدیک اختیار کی شرط میں تین دن سے زائد کی مدت صحیح ہے، اور امام ابو یوسفؒ کا بھی اس میں یہی قول ہے لیکن مذکورہ مسئلہ میں وہ امام صاحب کے ساتھ ہیں، اس لئے اس فرق کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ) امام ابو یوسفؒ نے اصلی مسئلہ یعنی اختیار کی شرط میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کی وجہ سے تین دن سے زیادہ مدت کا

قول لیا اور اس مسئلہ میں قیاس پر عمل کیا (کہ یہ اختیار عقد کے منافی ہے اس لئے تین دن سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے)۔

اس مسئلہ میں ایک اور قیاس ہے اور اس کی طرف امام زفرؒ مائل ہوئے ہیں، وہ یہ ہے کہ یہ ایسا سودا ہے جس میں فاسد اقالہ کی شرط لگائی گئی ہے اور اقالہ شرط سے متعلق ہونے کی وجہ سے فاسد ہے (اقالہ کی شرط اس طرح ہے کہ اگر تین دن میں قیمت ادا نہ کی تو سودا ختم ہو جائے گا) اور سودے میں جب صحیح اقالہ کی شرط سے سودا فاسد ہو جاتا ہے تو فاسد اقالہ کی وجہ سے بدرجۂ اولیٰ فاسد ہوگا۔ (ائمہ ثلاثہ کا قول استحسان کی وجہ سے ہے) اور استحسان کی وجہ ہم نے پہلے بیان کر دی۔

مسئلہ:۔ بیچنے والے کا اختیار اس کی ملکیت سے مبیع نکلنے سے مانع ہوتا ہے اس لئے کہ اس سبب یعنی ملکیت سے نکلنے کا اتمام باہمی رضامندی سے ہوتا ہے اور اختیار کے ساتھ رضامندی پوری نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے (اگر کوئی غلام بیچے اور اختیار کی شرط لگائے اور اس مدت کے درمیان غلام آزاد کر دے تو) اس کا غلام کو آزاد کرنا نافذ ہوگا اور خریدنے والا (اگر مبیع اپنے قبضہ میں لے لے تو) اس میں تصرّف نہیں کر سکتا اگرچہ اس نے بیچنے والے کی اجازت سے قبضہ کیا ہو۔ اگر خریدنے والے نے چیز پر قبضہ کیا اور وہ چیز (بیچنے والے کے) اختیار کی مدت میں ہلاک یا ضائع ہوگئی تو خریدنے والا اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اس لئے کہ چیز ہلاک وضائع ہونے کی وجہ سے سودا فسخ ہوگیا کیونکہ یہ سودا موقوف تھا (اور نافذ نہیں ہوا تھا اور اس کے لئے محل یعنی چیز کی ضرورت ہے) اور بغیر محل کے سودا نافذ نہیں ہوسکتا (اور محل ختم ہوگیا) تو مبیع ایسی ہوگئی جیسے (ہلاک ہونے سے قبل) خریدار نے دام لگانے اور خریدنے کیلئے اپنے قبضہ میں لی (مگر خریدنے سے قبل اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی) اور ایسی صورت میں قیمت دینا (خریدار پر) لازم ہوتا ہے (تو اختیار کی مدت میں بھی

ہلاک ہونے سے قیمت لازم ہوگی) اور اگر بیچنے والے کے قبضہ میں چیز ہلاک یا ضائع ہوئی تو سودا فسخ ہوجائے گا۔ اور بیع صحیح مطلق [1] پر قیاس کرتے ہوئے مشتری کے ذمہ کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

مسئلہ:۔ خریدنے والے کا اختیار بیچنے والے کی ملکیت سے مبیع نکلنے سے مانع نہیں ہے۔ اس لئے کہ سودا دوسری (یعنی بائع کی) جانب لازم ہوگیا (کیونکہ اس کا اختیار نہیں ہے) اور یہ حکم اس لئے ہے کہ اختیار صاحب اختیار کی ملکیت سے بدل نکلنے سے مانع ہوتا ہے (اگر بائع کو اختیار ہو تو مبیع اس کی ملکیت سے نہیں نکلے گی جو قیمت کا بدل ہے اور مشتری کو اختیار ہو تو قیمت اس کی ملکیت سے نہیں نکلے گی جو کہ مبیع کا بدل ہے) اس لئے کہ اختیار صاحب اختیار کے فائدہ کے لئے مشروع کیا گیا ہے، دوسرے کے لئے نہیں، مگر یہ خریدنے والا بھی اس کا مالک نہیں ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ مالک ہوگا اس لئے کہ جب چیز بیچنے والے کی ملکیت سے نکل گئی تو اگر خریدنے والے کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی تو چیز ایک مالک کی ملکیت سے نکل کر دوسرے مالک کی ملکیت میں نہیں جائے گی (بلکہ بیچ میں معلق رہے گی) اور شریعت میں ہمیں اس (جیسی صورت) کا کوئی علم نہیں ہے (کہ چیز کسی کی ملکیت میں نہ ہو) امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جبکہ خریدنے والے کی ملکیت سے قیمت نہیں نکلی ہے تو اگر ہم یہ کہیں کہ مبیع اس کی ملکیت میں داخل ہوگئی تو دو بدل (یعنی چیز اور اس کا بدل قیمت) ایک آدمی کی ملکیت میں معاوضہ کے حکم کے مطابق جمع ہوجائیں گے (یعنی جب ایک چیز دوسری چیز کا عوض ہو اور کوئی جنایت

---

[1] بیع صحیح جس میں کوئی فساد نہ ہو اور مطلق وہ جس میں کوئی قید نہ ہو، اگر اس بیع میں سودا پورا ہونے سے پہلے بیچنے والے کے پاس چیز ہلاک ہوگئی تو مشتری کے اوپر کوئی ضمان لازم نہیں ہوتی۔

وغیرہ نہ ہو تو یہ دونوں ایک آدمی کی ملکیت میں جمع نہیں ہوسکتیں کہ چیز بھی اور اس کا عوض بھی اس لئے کہ) شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں کیونکہ معاوضہ برابری کا تقاضا کرتا ہے (یعنی ایک کے بدلہ میں دوسری چیز، اگر دونوں چیزیں ایک کی ملکیت میں آجائیں گی تو برابری نہیں رہے گی) دوسری وجہ یہ ہے کہ اختیار خریدنے والے کے فائدہ کے لئے مشروع ہوا ہے تاکہ وہ غور فکر کرلے تو مصلحت کی بناء پر ملکیت موقوف رہے گی۔ اگر (اختیار کی صورت میں) خریدنے والے کے لئے ملکیت ثابت ہوجائے تو بسا اوقات اس کے اختیار کے بغیر اس کی طرف سے (غلام کو) آزادی مل جائے گی کہ مثلاً مبیع اس کا ذی رحم محرم غلام یا باندی ہو تو شفقت وفائدہ (جس کے لئے اختیار لیا تھا) فوت ہوجائے گا۔[1]

مسئلہ:۔ اگر (اختیار کی مدت میں) مبیع خریدنے والے کے پاس ضائع ہوگئی تو (باہم طے شدہ) قیمت کے ساتھ ضائع ہوگی (یعنی خریدنے والے کے ذمے اس کی طے شدہ قیمت لازم ہوگی)۔ اور اسی طرح اگر اس میں عیب پیدا ہوگیا (تو خریدنے والا اس کا ذمہ دار ہوگا یہ حکم خریدنے والے کے اختیار کی صورت میں تھا)، لیکن اگر اختیار بیچنے والے کا ہے تو اس کا حکم اس سے مختلف ہے (کہ اس میں چیز کی بازاری قیمت لازم ہوگی)۔

ان دونوں صورتوں کے درمیان فرق کی وجہ یہ ہے کہ جب مبیع میں خریدنے والے کے پاس اس کے اختیار کی مدت کے دوران عیب پیدا ہوا تو مبیع

---

[1] یعنی خریدنے والے نے اختیار کے ساتھ غلام خریدا اور وہ اس کا ذی رحم محرم ہے اور یہ بائع کی ملکیت سے خارج ہوگیا ہے تو اگر خریدنے والے کی ملکیت میں اختیار کی مدت میں اس کی رضا کے بغیر داخل ہوگیا تو یہ غلام آزاد ہوجائے گا اور اس کی قیمت خریدنے والے کے ذمہ ہوگی اس طرح اس کا نقصان ہوگا لہٰذا اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگا۔

واپس کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوگئی (جس سے اس کا اختیار ختم ہوگیا) اور مبیع کا ضائع ہونا بھی عیب کی ابتداء سے خالی نہیں ہے (یعنی پہلے عیب پیدا ہوتا ہے پھر وہ چیز ضائع ہوتی ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عیب پیدا ہونے سے اختیار ختم ہوکر سودا پکّا ہوجاتا ہے) تو چیز اس حال میں ضائع ہوتی ہے کہ سودا پکّا ہوگیا ہے اس لئے طے شدہ قیمت لازم ہوگی، لیکن ماقبل (یعنی بیچنے والے کے اختیار کی صورت) اس سے مختلف ہے اس لئے کہ عیب پیدا ہونے کی صورت میں بیچنے والے کے اختیار کے حکم کی وجہ سے مبیع واپس کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، تو چیز اس حال میں ضائع ہوگی کہ معاملہ موقوف و معلّق ہے (تو بازاری قیمت لازم ہوگی اس لئے کہ سودا پورا نہیں ہوا)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو (جو کہ دوسرے کی باندی ہے) تین دن کے اختیار کی شرط پر خریدا تو اس کا نکاح فاسد نہیں ہوگا (بیوی کو خریدنے سے نکاح ختم ہوجاتا ہے کیونکہ دو ملک ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ لیکن اس مذکورہ صورت میں نکاح فاسد نہیں ہوگا) کیونکہ (شرطِ) اختیار کی وجہ سے وہ (ابھی) اس کا مالک نہیں بنا (اور ابھی صرف مِلک نکاح ہے) اور اگر اس نے اختیار کی مدت میں اس سے مباشرت کی تو (پھر بھی) اسے واپس کرنے کا اختیار ہے (مباشرت سے اختیار ختم نہیں ہوگا) کیونکہ نکاح کے حکم کی وجہ سے مباشرت ہوئی ہے، لیکن اگر وہ کنواری تھی (اور اس نے اس سے مباشرت کی تو واپس نہیں کرسکتا اور اختیار ختم ہوجائے گا) اس لئے کہ مباشرت نے اس میں کمی کردی (جو ایک عیب ہے)۔ یہ مسائل امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہیں (کیونکہ ان کے نزدیک خریدنے والا اگر اختیار کی مہلت لے تو وہ مالک نہیں ہوتا) لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ نکاح فاسد ہوجائے گا اس لئے کہ یہ اس کا

مالک ہوگیا ہے۔ اور اگر اس نے مباشرت کرلی تو واپس نہیں کرسکتا (اس سے اس کا اختیار ختم ہوجائے گا) کیونکہ اس نے مباشرت مِلک یمین (آقا و مالک ہونے) کی وجہ سے کی ہے تو واپسی ممکن نہیں ہوگی اگرچہ باندی ثیبہ ہو۔ اور اس مسئلہ کی چند نظیریں بھی ہیں جو اس پر مبنی ہیں کہ اختیار کی شرط کے ساتھ خریدنے والے کے لئے ملکیت واقع ہوگی یا نہیں۔

ان میں سے ایک نظیر یہ ہے کہ خریدا ہوا غلام یا باندی خریدنے والے کی طرف سے اس کے اختیار کی مدت میں آزاد ہوجائے گا، اگر وہ اس کا قریبی رشتہ دار (یعنی ذی رحم محرم) ہے (لیکن امام صاحبؒ کے نزدیک آزاد نہیں ہوگا کیونکہ وہ ملکیت میں داخل نہیں ہوا)۔

اس مسئلہ کی ایک اور نظیر غلام کا آزاد ہونا ہے جبکہ خریدنے والے نے یہ قسم کھائی کہ اگر میں غلام کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہے (امام صاحب کے نزدیک مالک نہ ہونے کی وجہ سے آزاد نہیں ہوگا) بخلاف اس صورت کے کہ اگر یوں کہا کہ ''اگر میں نے غلام خریدا تو وہ آزاد ہے'' (تو بالاتفاق وہ آزاد ہوجائے گا) اس لئے کہ وہ خریدنے کے بعد آزادی ایجاد کرنے والے کی طرح ہوگیا (اگر اختیار کی مدت میں غلام کو آزاد کردیا تو وہ آزاد ہوجاتا ہے، اسی طرح یہاں ہوگا) تو اختیار ختم ہوجائے گا۔

اس کی ایک اور نظیر یہ ہے کہ اختیار کی مدت میں خریدی ہوئی باندی کا حیض امام صاحبؒ کے نزدیک استبراء میں شمار نہیں ہوگا لیکن صاحبین کے نزدیک شمار ہوگا (باندی خریدنے کے بعد ایک حیض گزرنے سے پہلے اس سے مباشرت نہیں کرسکتے اور یہ استبراء کہلاتا ہے، تو ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ حیض استبراء میں شمار

نہیں ہوگا بلکہ اگر اختیار ختم کر کے خرید لیا تو مباشرت کے لئے دوسرے حیض کا انتظار کرنا ہوگا لیکن صاحبین کے نزدیک ملکیت ثابت ہونے کی وجہ سے یہ حیض استبراء میں شمار ہوگا)۔اور اگر اختیار کی مدت میں باندی مالک یعنی بیچنے والے کو واپس کردی گئی تو امام صاحبؒ کے نزدیک نیا استبراء واجب نہیں ہوگا، کیونکہ خریدنے والا مالک نہیں بنا تھا اور بیچنے والے کی ملکیت ہنوز باقی ہے اسے نئی ملکیت حاصل نہیں ہوئی، لیکن صاحبین کے نزدیک (نئی ملکیت حاصل ہونے کی وجہ سے) استبراء جدید واجب ہے جبکہ اسے قبضہ کرنے کے بعد واپس کیا ہو۔

اس مسئلہ کی ایک اور نظیر یہ ہے کہ اختیار کی مدت میں خریدنے والے نے اگر خریدی ہوئی باندی سے نکاح کرلیا (اور اس سے مباشرت کی جس کے نتیجہ میں اس نے بچہ جنا تو امام صاحب کے نزدیک وہ اُمِ ولد نہیں ہوگی جبکہ صاحبین کے نزدیک ہوجائے گی (باندی سے اگر ملکیت کی وجہ سے نکاح کے بغیر مباشرت کی اور بچہ پیدا ہوا تو یہ باندی اُمِ ولد کہلاتی ہے اور اس کے مخصوص احکام ہیں، تو امام صاحب کے نزدیک اختیار کی مدت میں ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کرنا صحیح ہے لیکن صاحبین کے نزدیک نکاح صحیح نہیں ہے اور مباشرت ملکِ یمین کی وجہ سے ہوگی اس لئے ولادت کی وجہ سے وہ اُمِ ولد ہوجائے گی)۔

اس مسئلہ کی ایک اور نظیر یہ ہے کہ اگر خریدنے والے نے خریدی ہوئی چیز پر بیچنے والے کی اجازت سے قبضہ کرلیا اور اختیار بھی لیا، پھر وہی چیز بیچنے والے کے پاس امانت رکھوادی اور وہ مدتِ اختیار میں (یا اس کے بعد) بیچنے والے کے پاس ضائع ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک مالک نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیچنے والے کے مال میں سے ضائع ہوگی (یعنی خریدنے والا ضامن نہیں ہوگا، اور جو اس نے قبضہ کیا تھا

ٰس کی وجہ سے وہ ضامن ہوسکتا تھا، اس کا یہ جواب ہے کہ) وہ قبضہ چیز واپس کرنے
ی وجہ سے اٹھ گیا، لیکن صاحبین کے نزدیک خریدنے والے کے مال میں سے ضائع
وگی اس لئے کہ مالک ہونے کی وجہ سے امانت رکھوانا صحیح ہے (اور امین ضامن نہیں
وتا بلکہ مالک کا نقصان ہوتا ہے)۔

اس مسئلہ کی ایک اور نظیر یہ ہے کہ اگر خریدنے والا بیچنے والے کا غلام ہے
سے اس نے تجارت کی اجازت دی ہے (اور اس نے اختیار کی شرط پر چیز خریدی) تو
بیچنے والے نے اختیار کی مدت میں اسے قیمت سے بری کر دیا تو امام صاحبؒ کے
ذدیک اس کا اختیار باقی رہے گا اس لئے کہ چیز واپس کرنا گویا مالک ہونے سے رُکنا
ہے، اور عبد ماذون کو اس کا اختیار حاصل ہے (کہ وہ مالک نہ بنے)۔ لیکن صاحبین
کے نزدیک اس کا اختیار باطل ہو جائے گا) اس لئے کہ اختیار کی مدت میں جب وہ
لک ہو گیا تو چیز واپس کرنا بغیر عوض کے مالک بنانا ہے (کیونکہ چیز کی قیمت بیچنے
لے نے معاف کر دی اور یہ اس کا مال ہو چکا، اب اگر واپس کرے گا تو گویا بائع کو
بر عوض کے مالک بنا رہا ہے کیونکہ اس نے قیمت نہیں دی تھی کہ واپسی کا مطالبہ
رے)، اور عبد ماذون اس کا اہل نہیں (کہ کسی کو بغیر عوض کے کسی چیز کا مالک
ئے)۔

اس مسئلہ کی ایک اور نظیر یہ ہے کہ اگر ایک ذمّی کافر نے دوسرے ذمی کافر
ے شراب اختیار کی شرط پر خریدی، پھر خریدنے والا مسلمان ہو گیا تو صاحبین کے
دیک اس کا اختیار باطل ہو جائے گا اس لئے کہ وہ حکماً مالک ہو گیا اور مسلمان ہونے
ا حالت میں اسے واپس کرنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن امام صاحب کے نزدیک یہ سودا
ل ہو جائے گا اس لئے کہ وہ ابھی تک مالک نہیں بنا تو مسلمان ہونے کی حالت میں

اختیار ساقط کر کے مالک نہیں بن سکتا۔[1]

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ جس کے لئے اختیار کی شرط ہو وہ اختیار کی مدت میں سودا فسخ کر سکتا ہے اور وہ اس کی اجازت بھی دے سکتا ہے۔ اگر اس نے اس معاملہ کے دوسرے فریق کی غیر موجودگی میں اجازت دی تو یہ جائز ہے اور اگر اس کی غیر موجودگی میں فسخ کیا تو یہ جائز نہیں مگر یہ کہ اس کا دوسرا فریق موجود ہو۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دوسرے ساتھی کی غیر موجودگی میں فسخ کرنا جائز ہے اور یہی قول امام شافعیؒ کا بھی ہے۔ (موجودگی کی) شرط (سے مراد سودے کے فسخ کے بارے میں دوسرے ساتھی کو) علم ہونا ہے اور اسے موجودگی کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ اپنے ساتھی کی طرف سے فسخ کرنے پر مقرر ہے (کیونکہ اس نے اس کے اختیار کو قبول کیا ہے) اس لئے یہ اس کے علم پر موقوف نہیں ہوگا جیسے سودے کی اجازت دینا اس کے علم پر موقوف نہیں ہے، اور اسی وجہ سے فسخ میں بھی اس کی رضامندی کی شرط نہیں ہوگی اور صاحب اختیار فروخت کے وکیل کی طرح ہوگیا (جو موکل کی غیر موجودگی میں بھی تصرّف کا حق رکھتا ہے)۔

---

[1] مسلمان شراب کا نہ قصداً مالک بن سکتا ہے اور نہ کسی کو مالک بنا سکتا ہے لیکن حکماً مالک بن سکتا ہے کہ پہلے کافر تھا اور اس کے پاس شراب تھی پھر مسلمان ہوگیا تو اس صورت میں وہ شراب کا حکماً مالک ہو جائے گا پس مذکورہ بالا مسئلہ میں صاحبین کے نزدیک جب وہ اختیار کی مدت میں بغیر قصد کے حکماً مالک ہوگیا تو اختیار کی وجہ سے شراب جب واپس کرے گا تو کسی کو مالک بنائے گا اور یہ اس کے لئے جائز نہیں اس لئے اس کا اختیار ختم ہوگیا اور سودا پورا ہوگیا، لیکن امام صاحب کے نزدیک ابھی تک مالک نہیں بنا اس لئے اگر اختیار ساقط کرے گا تو قصداً مالک بنے گا اور یہ اس کے لئے جائز نہیں اس لئے یہ سودا باطل ہو جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ فسخ دراصل دوسرے کے حق میں تصرّف ہے، اور تصرّف یہ کہ معاملہ کومنسوخ کر کے ختم کر دینا، اور یہ تصرف نقصان ومضرّت سے خالی نہیں، اس لئے کہ اگر بیچنے والے کواختیار ہوتو خریدنے والا سابقہ سودے کے مکمل ہونے کا یقین کر کے مبیع میں تصرف کرے گا اوراسے استعمال کرے گا (ادھر بائع نے اسے فسخ کر دیا جبکہ خریدنے والے کواس کا علم نہیں) تو چیز کے ضائع ہونے کی وجہ سے قیمت کا تاوان اس پر لازم ہوگا (اوراسے نقصان ہوگا) یا اگر خریدنے والے کواختیار ہوتو بیچنے والا (سابقہ سودے کے مکمل ہونے کا یقین کرکے) اپنے سامان کا دوسرا خریدار تلاش نہیں کرے گا (ادھرخریدنے والے نے اسے فسخ کر دیا تو چیز ضائع ہوجائے گی یا اچھا خریدار ہاتھ سے نکل جائے گا) اور یہ بھی نقصان کی ایک قسم ہے (ثابت ہوا کہ فسخ کا علم نہ ہونے کی صورت میں دونوں کونقصان پہنچ سکتا ہے) اس لئے معاملہ کوفسخ کرنا ساتھی کے علم میں لانے پر موقوف ہوگا اور یہ عمل وکیل کومعزول کرنے کی طرح ہوگیا (کہ وکالت فسخ کرنے کے لئے وکیل کوخبر کرنا ضروری ہے، فسخ کے علم سے پہلے وہ جتنے تصرفات کرے گا سب موکل کی طرف سے ہوں گے) سودے کی اجازت دینے کی صورت اس سے مختلف ہے اس لئے کہ اس میں دوسرے پر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی (امام ابویوسفؒ نے جوفرمایا کہ صاحب اختیار اپنے ساتھی کی طرف سے فسخ کرنے پر مقرر ہے اس کے جواب میں فرمایا کہ) ہم نہیں کہتے کہ وہ اس کی طرف سے مقرر ہے۔ یہ کیسے کہا جاسکتا ہے حالانکہ اسے خود فسخ کا حق واختیار نہیں ہے (یعنی جسے اختیار نہیں ہے وہ فسخ نہیں کرسکتا اوراس کی طرف سے سودا پورا ہوجاتا ہے) جب کوئی شخص ایک چیز کا خود ہی مالک نہ ہوتو وہ اس چیز کے بارے میں کسی اور کومقرر نہیں کرسکتا (پس صاحب اختیار اپنے ساتھی کی طرف سے فسخ پر مقرر

نہیں ہے اور وکیل پر جو قیاس کیا تھا وہ بھی صحیح نہیں ہوا کیونکہ موکل فسخ کا مالک ہے)
اگر ساتھی کی غیر موجودگی میں سودا فسخ کیا اور اسے اختیار کی مدت میں اس کی خبر مل گئی تو فسخ مکمل ہو جائے گا اس لئے کہ اس کو اس کا علم حاصل ہو گیا تھا۔ اور اگر اختیار کی مدت کے بعد اسے فسخ کی خبر ملی تو فسخ سے پہلے مدتِ اختیار گزرتے ہی عقد مکمل ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر صاحب اختیار مر گیا تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا اور اس کے وارثوں کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ (لیکن) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ورثاء اس کے وارث ہوں گے اس لئے کہ یہ لازمی حق ہے جو سودے میں ثابت ہے (حتیٰ کہ اس کا ساتھی بھی اس اختیار کو باطل نہیں کر سکتا) تو اس میں وراثت بھی جاری ہوگی جیسا کہ عیب اور تعیین کے اختیار کا حکم ہے۔[1]

ہماری دلیل یہ ہے کہ اختیار (کا مطلب) صرف چاہنا اور ارادہ کرنا ہے اور (یہ ایک عرض وصفت ہے، جس کا) منتقل ہونا متصور و ممکن نہیں ہے (کیونکہ جو چیز جو ہر و ذاتی ہو وہ تو منتقل ہو سکتی ہے لیکن جس کا اپنا کوئی وجود نہ ہو بلکہ وہ دوسرے کے وجود کے تابع ہو تو وہ خود منتقل نہیں ہو سکتی۔ اختیار بھی اسی طرح ہے۔ جب صاحب اختیار فوت ہو گیا تو اس کے ساتھ اس کی صفت بھی فوت ہو گئی) اور وراثت ایسی

---

[1] عیب کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی چیز خریدی اور اس کا عیب معلوم ہونے سے پہلے وہ مر گیا تو ورثاء عیب کی وجہ سے وہ چیز واپس کر سکتے ہیں اور خیار تعیین کی صورت یہ ہے کہ دو چیزیں لیں اس شرط پر کہ ان میں سے کوئی ایک چیز اتنی قیمت پر پسند کرنے کے بعد خریدے گا، پھر وہ پسند کرنے سے پہلے مر گیا تو وارثوں کو ان دو چیزوں میں کسی ایک چیز کا اسی قیمت پر پسند کرنے کا اختیار ہے جس طرح ان دو حقوق میں وراثت جاری ہوتی ہے اسی طرح اس حق میں بھی ثابت ہوگی۔

چیزوں میں جاری ہوتی ہے جو منتقل ہو سکتی ہوں (پس اختیار میں وراثت جاری نہیں ہوگی)۔ خیارِ عیب کی صورت اس سے مختلف ہے (کہ اس میں وراثت جاری ہوتی ہے) کیونکہ مورث یعنی اصل خریدنے والا سالم مبیع کا مستحق تھا (اور یہ صفت مبیع کے ساتھ قائم ہے) پس وارث بھی اسی طرح سالم مبیع کا مستحق ہوگا، نفس اختیار کی وراثت نہیں ہے۔ تعیین کے اختیار (پر جو قیاس کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختیار) وارث کے لئے ابتدأ ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ وارث کی ملکیت غیر کی ملکیت کے ساتھ مخلوط ہوگئی (اس لئے مورث تمام مال کی وصیت نہیں کر سکتا۔ تو ملکیت مخلوط ہونے کی وجہ سے وارث کو بھی خیار تعیین کا حق مل جاتا ہے) یہ نہیں کہ اختیار میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے کوئی چیز خریدی اور کسی اور کے لئے اختیار کی شرط لگادی تو ان میں سے جو بھی سودے کی اجازت دے گا اس کا اجازت دینا جائز ہے، اور ان میں سے جو بھی سودا توڑ دے گا تو سودا ٹوٹ جائے گا۔

اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ کسی اور کے لئے اختیار کی شرط لگانا استحسان کی رُو سے جائز ہے قیاس کی رُو سے جائز نہیں ہے۔ یہی امام زفرؒ کا قول ہے، اس لئے کہ اختیار عقد کے لوازم اور اس کے احکام میں سے ہے تو غیر عاقد کے لئے اس کی شرط لگانا جائز نہیں ہے جیسے نہ خریدنے والے پر قیمت (ادا کرنے) کی شرط لگانا (حالانکہ اس نے چیز نہیں خریدی، یہ شرط عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی غیر عاقد کے لئے اختیار کی شرط فاسد ہے)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر عاقد کے لئے اختیار (کی بسا اوقات ضرورت پڑتی ہے کہ اسے خرید و فروخت اور چیز کے بارے میں زیادہ معلومات و تجربہ حاصل ہوتا ہے اور اس کے لئے اختیار اصل کے اعتبار سے

ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ اس نے عقد نہیں کیا ہوتا لہٰذا یہ اس کے لئے) عاقد کی طرف سے نیابت کے طریق پر ثابت ہوتا ہے، (اور اب اگر چہ غیر عاقد اختیار میں اصل ہوگیا لیکن عاقد کی طرف سے اُسے یہ اختیار ملا ہے) تو عاقد کے لئے بھی اختیار اقتضاءً ثابت ہو جائے گا پھر غیر عاقد کو عاقد کی طرف سے اس کے تصرّف کو صحیح بنانے کے لئے نائب بنایا جائے گا۔ اور اس صورت میں ہر ایک کے لئے اختیار ثابت ہوگا تو ان میں سے کوئی بھی عقد کی اجازت دے گا تو عقد جائز ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی عقد (سودا) توڑ دے گا تو عقد بھی ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر ان میں سے کسی ایک نے عقد کی اجازت دے دی اور دوسرے نے عقد فسخ کر دیا تو سابق یعنی پہلے والے کا اعتبار کیا جائے گا اس لئے کہ اس سابق کا وجود ایسے زمانہ میں ہوا ہے کہ اس میں اس کے علاوہ کوئی اور مزاحم نہیں ہے (اور اس نے اپنا حکم ثابت کر دیا) اور اگر دونوں کا کلام ان کی زبانوں سے ایک ساتھ نکلا (کہ ایک نے اجازت دی اور دوسرے نے فسخ کر دیا) تو ایک روایت کے مطابق عاقد کے تصرّف کا اعتبار کیا جائے گا (خواہ عقد فسخ ہو یا اس کی اجازت ہو) اور دوسری روایت کے مطابق فسخ کرنے والے کا اعتبار کیا جائے گا (خواہ وہ عاقد ہو یا اس کا نائب)۔

• پہلی روایت کی توجیہ یہ ہے کہ عاقد کا تصرف زیادہ قوی ہے اس لئے کہ نائب کو تصرّف کا اختیار وولایت اسی عاقد سے حاصل ہوئی ہے (تو عاقد اصل اور قوی ہوا اور اسی کا اعتبار کیا جائے گا)۔ دوسری روایت کی توجیہ یہ ہے کہ فسخ زیادہ قوی ہے، اس لئے کہ جس تصرف کی اجازت دے دی گئی ہو اس کو فسخ لاحق ہوسکتا ہے (اور وہ تصرف فسخ ہوسکتا ہے) اور جس تصرّف کو فسخ قرار دے دیا گیا (مثلاً اقالہ ہوگیا یا چیز ہلاک ہوگئی) تو اسے اجازت لاحق نہیں ہوسکتی اور اس عقد وتصرف کو جائز نہیں

کر سکتے۔(جب یہ صورت سامنے آئی) اوران میں سے ہر ایک تصرّف کا مالک ہے (یعنی تصرف کرنے میں دونوں برابر ہیں تو ترجیح کے لئے ہم نے نفسِ تصرّف کا اعتبار کیا اور) قوی تصرّف کی حالت کے ساتھ ہم نے ایک کو ترجیح دے دی (کہ اجازت وفسخ میں فسخ زیادہ قوی ہے تو فسخ کرنے والا بھی قوی ہوگا)۔ بعض نے کہا کہ پہلاقول امام محمدؒ کا ہے اور دوسراقول امام ابو یوسفؒ کا ہے۔ اس اختلاف کا استخراج اس مسئلہ سے کیا گیا ہے کہ (ایک آدمی نے اپنی چیز کے لئے ایک وکیل مقرر کیا اور) وکیل نے وہ چیز ایک شخص کو اور موکل نے دوسرے شخص کو ایک ہی وقت میں بیچ دی تو امام محمدؒ نے اس میں موکل کا تصرف معتبر قرار دیا اور امام ابو یوسفؒ نے دونوں کا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ جس نے دو غلام ایک ہزار درہم میں اس شرط پر بیچے کہ ان میں سے کسی ایک (کو واپس کرنے) کا تین دن تک اختیار ہے تو یہ سودا فاسد ہے اور اگر ان میں سے ہر ایک کو پانچ سو درہم میں اس شرط پر بیچا کہ ان میں سے ایک معین غلام (کو واپس کرنے) کا اسے اختیار ہے تو یہ سودا جائز ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں: ایک ان میں سے یہ ہے کہ قیمت کی تفصیل بیان نہ کرے اور نہ اس غلام کو معیّن کرے جس (کی واپسی کا) اختیار ہے اور یہ کتاب (قدوری) میں پہلی صورت ہے، اوراس کا فاسد ہونا قیمت اور مبیع کے مجہول ومبہم ہونے کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ جس غلام کی واپسی کا اختیار ہے وہ معاملہ سے خارج کی طرح ہے کیونکہ اختیار کے ساتھ معاملہ کا حکم منعقد نہیں ہوتا اس معاملہ میں داخل ان دو غلاموں میں سے ایک غلام باقی رہ گیا اور وہ معلوم نہیں ہے (جبکہ ایجاب میں دونوں غلام داخل تھے تو مبیع مجہول ومبہم ہوگئی جس سے عقد فاسد ہوجاتا ہے)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ قیمت تفصیل سے بیان کرے اور جس میں اختیار ہے اسے بھی معین کردے اور یہ کتاب (قدوری) میں بطور دوسری صورت کے مذکور ہے اور یہ صورت اس لئے جائز ہے کہ مبیع اور قیمت معلوم ہے (چونکہ اس صورت میں بھی ایک غلام عقد کے حکم میں داخل نہیں ہے لیکن ایجاب میں داخل ہے جو کہ شرط فاسد ہے تو اس کا یہ جواب دیا کہ) اگر چہ جس غلام میں اختیار ہے اس میں عقد کے قبول کو دوسرے غلام میں سودا منعقد کرنے کے لئے شرط بنایا ہے (یعنی سودا ایک غلام کا کرنا ہے لیکن اسی سودے میں دوسرے غلام کو بھی شامل کردیا جسے بیچنا نہیں ہے) لیکن یہ شرط اس صورت میں عقد کو فاسد نہیں کرتی کیونکہ جس غلام کی واپسی کا اختیار ہے وہ مبیع بننے کی صلاحیت رکھتا ہے (تو اسے ایجاب میں داخل کرسکتے ہیں) جیسا کہ ایک غلام اور مدبّر کو ملا کر بیچا (تو سودا غلام میں ہوگا، مدبّر میں نہیں ہوگا کیونکہ مدبر کو بیچ نہیں سکتے تو یہ سودا صحیح نہیں ہونا چاہئے، لیکن اس لئے صحیح ہے کہ مدبّر میں مبیع بننے کی صلاحیت ہے، اسی طرح یہاں بھی جس غلام کو واپس کرنے کا اختیار دیا ہے اس میں مبیع بننے کی صلاحیت ہے)۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قیمت تفصیل سے ہر ایک کی جدا جدا بیان کرے اور اختیار والے غلام کو معین نہ کرے، اور چوتھی صورت یہ ہے کہ غلام معین کرے اور قیمت کی تفصیل بیان نہ کرے، ان دونوں صورتوں میں عقد فاسد ہے (اس لئے کہ) یا تو مبیع مبہم ہے (تیسری صورت میں اور) یا قیمت مبہم ہے (چوتھی صورت میں)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ جس نے دو کپڑے اس شرط پر خریدے کہ ان میں سے جسے چاہے دس درہم میں لے گا اور اسے تین دن کا اختیار ہے تو یہ خریدنا جائز ہے، اسی طرح تین کپڑوں کا حکم ہے، لیکن اگر چار کپڑے ہوگئے تو سودا اس شرط

سے فاسد ہو جائے گا۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام صورتوں میں سودا فاسد ہونا چاہئے اس لئے کہ مبیع مبہم ہے اور یہی امام زفرؒ وشافعیؒ کا قول ہے۔ (لیکن) استحسان کی رو سے یہ جائز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اختیار کی مشروعیت دھوکہ دفع کرنے کی ضرورت کی وجہ سے ہوئی ہے تاکہ وہ زیادہ نفع بخش اور زیادہ مناسب کو اختیار کر لے، خرید وفروخت کی اس قسم میں یہ حاجت ثابت ہے اس لئے کہ خریدنے والے کو اس امر کی ضرورت ہے کہ جس پر وہ اعتماد کرتا ہے وہ چیز منتخب کرے اور اختیار کرے یا وہ جس کے لئے خرید رہا ہے (مثلاً بیوی یا بیٹی کے لئے اس کی پسند کا محتاج ہے (کہ وہ اس چیز کو پسند کرتا ہے یا نہیں، لہٰذا مشتری کو چند چیزوں میں انتخاب واختیار کی حاجت ہے) لیکن بائع چیز کو لے جانے کی اُس وقت تک اجازت نہیں دے گا جب تک کہ وہ خرید نہ لی جائے (کیونکہ اگر مشتری بغیر خریدے وہ چیز لے گیا تو یہ امانت ہوگی جس کے ضائع ہونے پر ضمان نہیں ہے اور اس میں بائع کو نقصان کا اندیشہ ہے، اس لئے وہ چیز بیچنے کی صورت ہی میں اسے لے جانے کی اجازت دے گا) تو یہ اختیار اُس اختیار (یعنی خیار شرط) کے ہم معنی اور مشابہ ہو گیا جس کو شریعت نے مشروع کیا ہے۔ مگر یہ حاجت تین سے پوری ہو جاتی ہے اس لئے کہ اس میں اعلیٰ، درمیانہ اور گھٹیا تینوں درجے پائے جاتے ہیں (تو تین چیزوں میں اختیار لینا مشروع ہوا)۔ اور (مبیع کے مبہم ہونے کا جواب یہ ہے کہ) تین چیزوں میں ابہام جھگڑے کا سبب نہیں ہے کیونکہ جسے اختیار ملا ہے وہ متعین کر دے گا، اسی طرح چار میں بھی (ابہام جھگڑے کا سبب نہیں ہے) مگر اس کی ضرورت ثابت نہیں ہے اور اختیار کی رخصت اس وقت ثابت ہوتی ہے جبکہ اس کی ضرورت ہو اور ابہام جھگڑے کا سبب نہ بنے، ان میں سے کسی ایک کی وجہ سے اختیار کی رخصت ثابت نہیں ہوتی (بلکہ دونوں کا ہونا ضروری ہے)۔

پھر بعض نے کہا کہ اس عقد میں خیارِ تعیین کے ساتھ ساتھ خیار شرط کی شرط بھی لگائی جائے گی۔ یہ جامع صغیر میں مذکور ہے، اور بعض نے کہا کہ اس کی شرط نہیں لگائی جائے گی۔ یہ جامع کبیر میں مذکور ہے، تو (جامع کبیر پر) اعتبار کرتے ہوئے اس شرط (کا جامع صغیر میں) ذکر اتفاقی ہے، شرط کے طور پر نہیں ہے۔ اور جب خیار شرط ذکر نہیں کی جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خیار تعیین کی تین دن کی مدت مقرر کرنی ضروری ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک (صرف) معلوم مدت مقرر کرنا ضروری ہے خواہ یہ مدت کوئی سی ہو (تین دن یا اس سے زائد یا کم)۔ پھر جامع صغیر کے بعض نسخوں میں مسئلہ اس طرح ہے کہ "دو کپڑے خریدے"۔ اور اس کے دوسرے بعض نسخوں میں اس طرح ہے کہ "دو کپڑوں میں سے کوئی ایک کپڑا خریدا"، اور یہی صورت صحیح ہے، اس لئے کہ درحقیقت مبیع ان میں سے ایک کپڑا ہے اور دوسرا امانت ہے، اور پہلے مسئلہ کی صورت بطور مجاز و استعارہ کے ہے (کیونکہ دونوں کپڑوں میں سے ہر ایک میں مبیع بننے کا احتمال ہے، اس لئے مجازاً ثوبین یعنی دو کپڑے کہا)۔

(اسی مسئلہ میں) اگر کوئی ایک کپڑا ضائع ہوگیا یا عیب دار ہوگیا تو اس کپڑے میں مقررہ قیمت کے ساتھ سودا لازم ہوگیا اور دوسرا کپڑا امانت کے لئے متعین ہوگیا اس لئے کہ عیب دار ہونے کی وجہ سے واپسی ممنوع ہوگئی۔ اور اگر دونوں کپڑے ایک ساتھ ضائع ہوجائیں تو ان میں سے ہر ایک کی آدھی مقررہ قیمت اس پر لازم ہوگی، اس لئے کہ ان دونوں کپڑوں میں بیع اور امانت مشترک ہے (یعنی ہر ایک کپڑے میں یہ احتمال ہے کہ وہ بیچ دیا گیا یا وہ امانت ہے)۔ اسی مسئلہ میں اگر (خیار تعیین کے ساتھ) خیار شرط بھی ہو تو وہ دونوں کپڑے ایک ساتھ واپس کرسکتا ہے (یعنی ایک کپڑا بطور امانت کے اور دوسرا کپڑا خیار شرط کی وجہ سے۔ اور اسی صورت

میں) اگر صاحبِ اختیار کا انتقال ہوگیا تو اس کے وارث کسی ایک کپڑے کو واپس کر سکتے ہیں اس لئے کہ (ان میں سے ایک کپڑا امانت ہے اور وہ متروکہ مال کے ساتھ مل گیا تو) ملنے کی وجہ سے خیارِ تعیین (وارثوں کے لئے) باقی ہے (تا کہ وہ امانت واپس کر سکیں)۔ اور اسی وجہ سے وارث کے حق میں خیارِ تعیین کا وقت مقرر نہیں کیا جائے گا (کیونکہ اسے یہ حق اپنی ملکیت کو دوسرے کی ملکیت سے ممتاز کرنے کے لئے ملا ہے، وراثت کی وجہ سے نہیں ملا)۔ اور اگر خیار شرط ہوتا تو خیار شرط کی میراث نہیں ہوتی (بلکہ اس صورت میں سودا لازم ہو جاتا)، اور اس کو ہم نے پہلے ذکر کر دیا (کہ یہ حق ہے اور اس میں میراث جاری نہیں ہوتی)۔

مسئلہ:۔ کسی نے اختیار (یعنی واپسی کی شرط) پر گھر خریدا (کہ وہ تین دن کے اندر اندر واپس کر سکتا ہے) اور اس دوران اس کے پڑوس میں ایک دوسرا مکان فروخت ہوا اور صاحبِ اختیار نے دوسرے (فروخت ہونے والے) مکان کو حق شفعہ کے ذریعہ لے لیا تو یہ عمل (پہلے مکان کے خریدنے پر) رضامندی (کی دلیل) ہے، اس لئے کہ حق شفعہ کا مطالبہ کرنا (اختیار کی شرط پر خریدنے والے) مکان میں ملکیت اختیار کرنے کی دلیل ہے (یعنی وہ اس مکان کا مالک بننے پر راضی ہوگیا)۔ اس لئے کہ حق شفعہ پڑوس کے ضرر و نقصان کو دفع کرنے کے لئے ثابت ہوا ہے اور (پڑوسی ہونا) یہ (اختیار کے ساتھ خریدے گئے مکان میں) قدیم ملکیت سے ثابت ہوتا ہے، (اور جب ملکیت ثابت ہوگئی) تو طلب شفعہ سے پہلے ضمناً اختیار ساقط ہو جائے گا (تا کہ ملکیت ثابت ہو اور اس کے ثبوت کے بعد وہ حق شفعہ کا مطالبہ کر سکے۔ اور جب اختیار طلب شفعہ سے پہلے ساقط ہوگا) تو (اس مکان میں جس میں اختیار کی شرط تھی) خریدنے کے وقت سے ملکیت ثابت ہوگی اور یہ واضح ہو جائے گا

کہ پڑوس ثابت تھا (اور اسی بناء پر اس نے حق شفعہ کا مطالبہ کیا)۔ اس تقریر کی خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے اعتبار سے ضرورت ہے (کیونکہ ان کے نزدیک اختیار کی شرط پر چیز خریدنے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی جبکہ طلبِ شفعہ کے لئے ملکیت ضروری ہے، اس لئے یہ وضاحت کرنی پڑی، لیکن صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے وہاں اس وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، البتہ طلب شفعہ سے ان کے نزدیک بھی اختیار ساقط ہو جائے گا کیونکہ یہ رضامندی کی دلیل ہے)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں نے ایک غلام اختیار (یعنی واپسی کی شرط) پر خریدا، پھر ان میں سے ایک آدمی غلام لینے پر راضی ہو گیا (اور اختیار ختم کر دیا) تو دوسرا آدمی اختیار کی بناء پر غلام واپس نہیں کر سکتا (یعنی اس کا اختیار بھی ختم ہو جائے گا۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ) یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، لیکن صاحبین نے فرمایا کہ وہ واپس کر سکتا ہے، اور یہی اختلاف خیارِ عیب اور مبیع دیکھنے کے اختیار میں ہے (کہ اگر دو آدمی خیارِ عیب کے ساتھ چیز خریدیں یا چیز نہیں دیکھی اور ایجاب وقبول کر لیا اس شرط پر کہ دیکھنے کے بعد واپس کر سکتے ہیں پھر کسی ایک نے اس اختیار کو ساقط کر دیا اور چیز لینے پر راضی ہو گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک دوسرے کا اختیار بھی ختم ہو جائے گا لیکن صاحبین کے نزدیک نہیں)۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں کے لئے اختیار ثابت کرنا ایسا ہے گویا کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے اختیار ثابت کیا تو اگر اس کے ساتھی نے اپنا اختیار ساقط کر دیا تو اس سے اُس کا اختیار ساقط نہیں ہوگا کیونکہ یہ تو اُس کے حق کو باطل کرنا ہے (اور یہ جائز نہیں)، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ مبیع مالک کی ملکیت سے شرکت کے عیب کے بغیر نکلی ہے، تو اگر ان میں سے کوئی

ایک واپس کرے گا تو شرکت کے عیب کے ساتھ واپس کرے گا (کیونکہ جس نے اختیار ساقط کیا اس کے حق میں سودا نافذ ہو گیا اور چیز میں ملکیت ثابت ہوگئی اور واپس کرنے کی صورت میں پہلا مالک اور یہ اس میں شریک ہو جائیں گے) اور یہ گویا زائد نقصان لازم کرنا ہے (جو کہ صحیح نہیں۔ اعتراض ہوا کہ مالک نے جب دونوں کو اختیار دیا تو گویا وہ کسی ایک کی جانب سے واپس کرنے پر راضی ہے تو گویا ضمناً شرکت پر راضی ہے مصنفؒ نے اس کا جواب دیا کہ) دونوں کے لئے اختیار ثابت کرنے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کی جانب سے واپس کرنے پر راضی ہو گیا اس لئے کہ ایک ساتھ واپس کرنا ممکن ہے (یعنی اس نے دونوں کو اختیار دیا کہ اگر واپس کریں گے تو دونوں واپس کریں گے اور اس صورت میں شرکت لازم نہیں ہوتی، اور آپ والی صورت میں شرکت لازم ہوتی ہے جس میں اس کا نقصان ہے اس لئے وہ صحیح نہیں)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ کسی نے اگر اس شرط پر غلام بیچا کہ وہ نانبائی یا کاتب ہے اور (بعد میں) اس کے خلاف ظاہر ہوا تو خریدنے والے کو یہ اختیار ہے کہ اگر چاہے تو مقررہ پوری قیمت کے بدلہ میں اسے لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے (اور نہ لے لیکن شرط سے یہ سودا فاسد ہونا چاہئے تھا، اس کا جواب مصنفؒ نے دیا) اس لئے کہ یہ رغبت والی صفت ہے (یعنی جس غلام میں یہ صفت ہو اس کی مانگ وحیثیت زیادہ ہوتی ہے اور صفت والے غلام وغیر صفت والے غلام میں فرق ہوتا ہے) تو عقد میں اس صفت کو شرط مقرر کرنا مناسب ہے (اور اس شرط سے سودا فاسد نہیں ہوگا) پھر اگر یہ صفت فوت ہو جائے تو اختیار واجب ہوگا کیونکہ خریدنے والا اس سے کم صفت پر راضی نہیں ہوا (صحیح شرط فوت ہونے کی بناء پر سودا فاسد ہونا

چاہئے تھا لیکن اس کے بجائے اختیار ہے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ) یہ صفات کا اختلاف کسی چیز کے نوع کے اختلاف کی طرح ہے (یعنی جنس ایک ہے اور انواع میں اختلاف ہے اور اس سے خاص فرق واقع نہیں ہوتا کیونکہ جنس ایک ہونے کی وجہ سے) اغراض ومنافع میں تفاوت بہت کم ہوتا ہے (اور ایک نوع دوسری نوع کا اکثر فائدہ دیتی ہے) تو صفت کے نہ ہونے سے عقد فاسد نہیں ہوگا جیسا کہ حیوانوں میں نر ومادہ کی صفت ہے (کہ اکثر دونوں سے ایک ہی قسم کا فائدہ حاصل کیا جاتا ہے) اور ان صفات (نابینائی اور کتابت کا فوت ہونا) سلامتی کی صفت کے فوت ہونے کی طرح ہوگیا (کہ ایک غلام یا چیز سلامتی کی شرط کے ساتھ خریدی مگر وہ سالم نہیں تھی تو خریدنے والے کو وہ چیز لینے یا واپس کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اعتراض ہوا کہ ان صفات کا جب اعتبار ہے اور ان میں رغبت پائی جاتی ہے تو ان کے فوت ہونے کی بناء پر قیمت کم ہونی چاہئے، پوری قیمت کیوں لازم ہوتی ہے؟ اس کا جواب دیا کہ) اگر وہ اسے لے گا تو مقررہ قیمت کے ساتھ لے اس لئے کہ صفات کی الگ سے کوئی قیمت نہیں لگائی جاسکتی کیونکہ وہ عقد میں اصل چیز کے تابع ہوتی ہیں، جیسا کہ اس کا علم پہلے ہوا۔

باب خيار الرؤية

خیار رؤیت کا بیان[1]

مسئلہ:۔ اگر کسی نے ایسی چیز خریدی جسے دیکھا نہیں ہے تو یہ خرید و فروخت کا معاملہ جائز ہے۔لیکن جب وہ چیز دیکھے گا تو اسے اختیار ہوگا کہ چاہے تو اس چیز کو پوری قیمت کے بدلہ میں لے اور چاہے تو اسے واپس کردے۔امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ عقد (یعنی معاملہ) بالکل صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مبیع نا معلوم ہے (اور اس صورت میں بیع صحیح نہیں ہوتی) احناف کہتے ہیں کہ ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ''جس نے ایسی چیز خریدی جسے دیکھا نہیں ہے تو جب اسے دیکھے تو اُسے اختیار ہے''۔(عقلی دلیل یہ ہے کہ) نہ دیکھنے کی وجہ سے ابہام جھگڑے کا ذریعہ نہیں بنتا، اس لئے کہ (دیکھنے کے بعد) اگر چیز اس کے موافق نہیں ہوئی (اور اسے پسند نہیں آئی) تو یہ اسے واپس کردے گا اور یہ ابہام ایسا ہوگیا جیسے دیکھی ہوئی اور اشارہ کی ہوئی چیز کے وصف کا مبہم و نامعلوم ہونا[2] اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ اگر خریدتے وقت کہا کہ میں اس پر راضی ہوں، پھر (بعد میں) اس چیز کو دیکھا تو اسے واپس کرنے کا اختیار ہوگا (اور رضامندی سے یہ اختیار ساقط نہیں ہوگا) کیونکہ جو

---

[1] یعنی مبیع کو دیکھنے کے بعد اس کو خریدنے یا نہ خریدنے کا اختیار۔۱۲

[2] اس صورت میں اگر چہ ابہام ہے کہ صفت معلوم نہیں ہے اور اسی سے چیز کی قیمت لگائی جاتی ہے لیکن یہ ابہام جھگڑے کا سبب نہیں ہے، اس لئے کہ صفت معلوم ہونے کے بعد اسے واپس کرنے کا اختیار ہوگا اور فی الحال چیز اشارہ کی وجہ سے کسی درجہ میں متعین ہوگئی، اسی طرح چیز بالکل نہ دیکھنے کی صورت یہ ہے کہ ابہام دیکھنے کے بعد ختم ہوجائے گا واپسی کے اختیار کی وجہ سے جھگڑا نہیں ہوگا۔

حدیث ہم نے روایت کی ہے اس کے مطابق اختیار، دیکھنے سے متعلق ہے، تو دیکھنے سے پہلے یہ ثابت نہیں ہوگا (ثابت ہونے سے پہلے اسے ساقط نہیں کرسکتے۔ اعتراض ہوا کہ دیکھنے سے پہلے وہ معاملہ فسخ کرسکتا ہے، اگر دیکھنے کا اختیار اس کے لئے ثابت نہیں ہوگا تو فسخ کا حق بھی ثابت نہیں ہوگا حالانکہ وہ ثابت ہے تو اس کا جواب مصنفؒ نے دیا کہ) فسخ کرنے کا حق اس حکم کی وجہ سے ہے یہ عقد اور معاملہ ابھی لازم نہیں ہوا (اور دیکھنے کے بعد اختیار باقی ہے)۔ دیکھنے کے اختیار کی حدیث سے یہ حق ثابت نہیں ہوا (تو حق فسخ اور خیار رؤیت کا منشا الگ الگ ہے دونوں ایک دوسرے پر موقوف نہیں ہیں) دوسری دلیل یہ ہے کہ کسی چیز کے اوصاف کے علم کے بغیر اس پر رضامندی ثابت نہیں ہوسکتی (کیونکہ اوصاف کی وجہ سے چیز کو واپس کیا جاتا ہے یا پسند کیا جاتا ہے) اس لئے دیکھنے سے پہلے اس کے قول ''میں راضی ہوں'' کا اعتبار نہیں ہے (جبکہ) اس کے قول ''میں نے چیز ردّ کی''، یعنی فسخ کی اس کی حیثیت مختلف ہے (کہ بہت سے اسباب کی بناء پر چیز واپس کی جاسکتی ہے اوصاف کا علم ضروری نہیں ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر کسی نے ایسی چیز فروخت کی جسے دیکھا نہیں ہے تو اس کے لئے اختیار نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ پہلے عیب اور شرط کے اختیار پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اس کے لئے بھی اختیار ہے (کیونکہ خیار عیب اور خیار شرط دونوں کے لئے ثابت ہے) یہ حکم اس لئے ہے کہ (مالک سے ملکیت) زائل ہونے (اور خریدار کے لئے ملکیت) ثابت ہونے کا عقد کامل رضامندی سے لازم ہوتا ہے، اور (رضامندی) مبیع کے اوصاف کے علم کے بغیر ثابت نہیں ہوتی اور یہ علم دیکھنے سے ہوگا تو (دیکھے بغیر) فروخت کرنے والا ملکیت

زائل کرنے پر راضی نہیں ہے۔ اور جس قول کی طرف رجوع کیا (جو کہ مسئلہ میں مذکور ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری روایت کی ہوئی حدیث کے مطابق یہ اختیار (صرف) خریدنے سے متعلق ہے تو اس کے علاوہ کسی اور فعل کے لئے ثابت نہیں ہوگا۔ مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنی بصرہ کی زمین حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کو فروخت کی، تو حضرت طلحہؓ سے کسی نے کہا کہ آپ کو دھوکہ ہوا، تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے اختیار ہے اس لئے کہ میں نے ایسی چیز خریدی ہے جسے ابھی دیکھا نہیں ہے، اور حضرت عثمانؓ سے کسی نے کہا کہ آپ کو دھوکہ ہوا، تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے اختیار ہے اس لئے کہ میں نے ایسی چیز فروخت کی ہے جو میں نے دیکھی نہیں ہے، تو انہوں نے اپنے درمیان حضرت جبیر بن مطعمؓ کو فیصلہ کرنے کے لئے حَکَم بنایا، انہوں نے حضرت طلحہؓ کے لئے اختیار کا فیصلہ کیا اور یہ فیصلہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کی موجودگی میں ہوا (تو گویا کہ یہ اجماعی فیصلہ ہوگیا کہ خریدار کے لئے اختیار ہے بائع کے لئے نہیں ہے)۔ دیکھنے کے اختیار کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے بلکہ یہ باقی رہتا ہے یہاں تک کہ ایسی چیز پائی جائے جو اسے باطل کردے (تو پھر یہ اختیار باطل ہوجاتا ہے اور ان کا بیان اگلے مسئلہ میں ہے کہ)

جو چیز خیار شرط کو باطل کرتی ہے یعنی مبیع میں عیب پیدا کرنا یا اسے استعمال کرنا یہی چیز دیکھنے کے اختیار کو بھی باطل کردیتی ہے۔ اگر مبیع میں ایسا تصرّف کیا کہ اس کا رفع ممکن نہیں ہے (یعنی مبیع پہلی حالت پر نہیں آسکتی) مثلاً غلام تھا تو اسے آزاد کردیا یا مدبّر بنادیا (کہ اس سے کہہ دیا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو)، یا اس طرح استعمال کیا کہ جس کی بنا پر دوسرے کے لئے حق واجب ہوگیا مثلاً بغیر کسی قید کے مبیع بیچ دی، یا رہن رکھ دی، یا کرایہ پر دے دی (کہ ان سب صورتوں میں دوسرے

کا حق اس مبیع میں واجب ہو جاتا ہے، تو یہ دونوں استعمال) اس اختیار کو باطل کر دیتے ہیں خواہ یہ استعمال مبیع دیکھنے سے پہلے ہو یا بعد میں، اس لئے کہ جب معاملہ کو (ان مذکورہ استعمال کی وجہ سے) فسخ نہیں کر سکتے تو اختیار باطل ہو جائے گا، اور اگر مبیع کو اس طرح استعمال کیا کہ جس سے دوسرے کا حق ثابت نہیں ہوا جیسے خیار شرط کے ساتھ مبیع کو بیچا یا اس کا بھاؤ تاؤ کیا یا چیز ہدیہ کی (لیکن ابھی تک) حوالہ نہیں کی تو یہ استعمال دیکھنے سے پہلے اس اختیار کو باطل نہیں کرتے، کیونکہ یہ استعمال (وتصرّف) صریح رضامندی سے بڑھ کر نہیں ہے (اور دیکھنے سے پہلے صریح رضامندی بھی دیکھنے کے بعد واپسی کے اختیار کو باطل نہیں کرتی تو اس سے کم درجہ کی چیز اس اختیار کو کس طرح باطل کرے گی) لیکن دیکھنے کے بعد یہ استعمال اس اختیار کو باطل کر دیتے ہیں اس لئے کہ رضامندی کی دلالت موجود ہے (کہ دیکھنے کے بعد چیز واپس نہیں کی بلکہ اسے استعمال کر لیا)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر کسی (خریدار) نے اناج کے ڈھیر کے اُوپری حصہ کو یا لپٹے ہوئے کپڑے کو اوپر سے، یا باندی کے چہرہ کو یا سواری کے جانور کے چہرہ کو اور اس کے پچھلے حصہ کو دیکھا، تو (اتنا دیکھنے کے بعد) اس کے لئے (واپسی کرنے کا) اختیار نہیں رہتا۔ اس باب میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ پوری مبیع کو دیکھنا (اس اختیار کو ختم کرنے کے لئے) شرط نہیں ہے کیونکہ یہ متعذر اور مشکل ہے، تو اتنا دیکھنا کافی ہے جو اصل مقصود سے واقف ہونے میں رہنمائی کر سکے (اور کسی بھی چیز کے ظاہر یا چہرہ کو دیکھنے سے اس کی خوبی یا خرابی کا علم ہو جاتا ہے اور یہی مقصود ہے)۔ اگر فروخت میں کئی اشیاء شامل ہوں تو ایسی صورت میں اگر اُن کے افراد آپس میں مختلف نہ ہوں جیسے وزن کی جانے والی اور تولی جانے والی چیزیں (یہ سب ایک جیسی ہوتی ہیں) اور اس کی نشانی یہ ہے کہ (ان میں سے چند) نمونہ کے لئے پیش کی

جاتی ہیں، تو ان میں سے کسی ایک چیز کا دیکھنا (سب چیزوں کے لئے دیکھنے کے لئے) کافی ہوگا لیکن اگر باقی اشیاء اُس نمونہ سے کمتر اور گھٹیا ہوں جسے خریدار نے دیکھا تھا تو ایسی صورت میں اس کو اختیار ہوگا۔ لیکن اگر ان چیزوں کے سب افراد باہم مختلف ہیں جیسے کپڑے کے کٹ پیس اور (مختلف جسامت کے) جانور، تو ایسی صورت میں ان اشیاء کے ہر ہر فرد کو دیکھنا ضروری ہے (کسی ایک کو دیکھنا کافی نہیں ہوگا)۔ امام کرخیؒ کے قول کے مطابق اخروٹ اور انڈے بھی اسی قبیل سے ہیں (کہ ان کے افراد چھوٹے بڑے ہوتے ہیں)۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ یہ (یعنی انڈے اور اخروٹ) گیہوں اور جَو کے مثل قرار دیئے جائیں کیونکہ یہ قریب قریب ایک جیسے ہوتے ہیں۔

جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ اناج کے ڈھیر کے ظاہر کی طرف دیکھنا کافی ہے اس لئے کہ اس سے بقیہ (اناج) کی صفت معلوم ہوجاتی ہے کیونکہ یہ تولی جانے والی چیز ہے اور اس میں سے کچھ نمونہ کے لئے پیش کی جاتی ہے اسی طرح کپڑے کے تھان کو اوپر سے دیکھنے سے بقیہ کپڑے کی صفت معلوم ہوجاتی ہے، مگر یہ کہ لپٹے ہوئے تھان میں مقصودی چیز اندر کی طرف ہو جیسے نقش ونگار (تو اوپر سے دیکھنا کافی نہیں ہے)۔

(غلام) انسان میں چہرہ ہی مقصود ہوتا ہے اور جانوروں میں چہرہ اور پچھلا حصہ مقصود ہوتا ہے تو ان میں مقصود کا دیکھنا معتبر ہوگا اور اس (یعنی چہرہ اور پچھلے حصّہ) کے علاوہ بقیہ حصوں کا دیکھنا معتبر نہیں ہوگا۔ بعض علماء نے جانور کی ٹانگوں کے دیکھنے کی بھی شرط مقرر کی ہے (لیکن) پہلی روایت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے۔ اور گوشت کے لئے خریدی جانے والی بکری میں (دیکھنے کے لئے) اس کو چھونا بھی

ضروری ہے کیونکہ مقصود جو کہ گوشت ہے چھونے سے ہی معلوم ہوگا (کہ موٹی ہے یا کمزور ہے وغیرہ) اور پالنے اور افزائش نسل کے لئے خریدی جانے والی بکری میں تھن کا دیکھنا ضروری ہے (کہ کتنے دودھ والی ہے) اور جو چیزیں کھائی جاتی ہے ان کا چکھنا ضروری ہے اس لئے کہ ایسی چیز سے مقصود کا علم ہوتا ہے (کہ ترش ہے یا شیریں یا نمکین وغیرہ)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر (کسی خریدار نے) گھر کا صحن دیکھ لیا تو اس کے لئے خیار رؤیۃ باقی نہیں رہا اگر چہ اس کے پورے کمروں کا مشاہدہ نہ کرے۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ یہی حکم اس وقت ہے جب کہ گھر کا باہر کا حصہ دیکھا یا باہر سے باغ کے درخت دیکھے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کمروں میں داخل ہونا ضروری ہے۔ زیادہ صحیح بات ہے کہ کتاب (یعنی قدوری) کا جواب تعمیرات کے معاملہ میں اس زمانہ کی عادت اور رواج کے موافق ہے، کیونکہ ان کے گھر اس زمانہ میں باہم متفاوت نہیں ہوتے تھے (بلکہ ایک جیسے ہوتے تھے)، لیکن آج کل اُن میں باہمی تفاوت کی وجہ سے ہر گھر کے داخلی حصہ میں داخل ہونا ضروری ہے اور ظاہری حصہ کو دیکھنے سے داخلی حصہ کا علم نہیں ہوتا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ خریدار کے وکیل کا دیکھنا خریدار کے دیکھنے کی طرح ہے اور اب وہ (خیارِ رؤیۃ کی وجہ سے) واپس نہیں کر سکتا مگر یہ کہ وہ چیز عیب دار ہو۔ لیکن خریدار کے قاصد کا دیکھنا خریدار کے دیکھنے کی طرح نہیں ہے، یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے لیکن صاحبینؒ نے فرمایا کہ وہ دونوں برابر ہیں (وکیل قاصد کی طرح ہے کہ دونوں کے دیکھنے سے خریدار کا خیار رؤیۃ ساقط نہیں ہوتا، (اس لئے) اسے واپس کرنے کا اختیار ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ وکیل سے مراد

(مطلق وکیل نہیں بلکہ) قبضہ لینے کا وکیل ہے (یعنی جسے خریدار نے چیز پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا ہو) لیکن خریدنے کے وکیل (کا حکم اس سے مختلف ہے کہ اس) کے دیکھنے سے بالاجماع اختیار ساقط ہوجاتا ہے۔ صاحبین نے فرمایا کہ اس نے قبضہ کرنے کے لئے وکیل بنایا ہے، اختیار ساقط کرنے کے لئے نہیں، تو یہ اس چیز کا مالک نہیں ہوگا جس کا وکیل نہیں بنایا اور وہ خیار عیب، خیار شرط اور قصداً خیار رؤیۃ ساقط کرنے کی طرح ہوگیا۔[1]

امام صاحب ؒ کی دلیل یہ ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) کامل: وہ یہ کہ چیز پر اسے دیکھتے ہوئے قبضہ کرے۔ (۲) ناقص: وہ یہ کہ چیز پر اس حالت میں قبضہ کرے کہ چیز پوشیدہ ہو۔ یہ دو قسمیں اس لئے ہیں کہ قبضہ اس وقت پورا ہوگا جب سودا پورا ہوگا اور خیارِ رؤیت (یعنی دیکھنے کے اختیار) کے باقی ہوتے ہوئے سودا پورا نہیں ہوتا (اس لئے اس صورت میں اگر قبضہ کیا تو قبضہ ناقص ہوگا) اور مؤکل قبضہ کی دونوں قسموں کا مالک ومختار ہوتا ہے، تو اسی طرح وکیل بھی ہوگا، اور جب بھی مؤکل کسی چیز کو دیکھتے ہوئے قبضہ کرتا ہے تو اس کا خیارِ رؤیت ساقط ہوجاتا ہے تو اسی طرح وکیل کا بھی حکم ہے، اس لئے کہ وکیل بنانے میں کوئی قید نہیں لگائی جاتی (کہ وہ قبضہ کامل

---

[1] یعنی کسی نے کوئی چیز خریدی اور دوسرے کو قبضہ کرنے کے لئے وکیل بنا کر بھیج دیا۔ وکیل نے چیز کے عیب کو دیکھتے ہوئے قبضہ کیا تو اس کے عیب پر راضی ہونے سے خریدار کا خیار عیب ساقط نہیں ہوگا، اسی طرح وکیل کے قبضہ کرنے سے مؤکل کا خیار شرط ساقط نہیں ہوگا، اگر خریدار نے خیار شرط کے ساتھ چیز خریدی تھی۔ اسی طرح اگر وکیل نے چیز پر اس طرح قبضہ کیا کہ چیز چھپی ہوئی ہے، پھر بعد میں اسے دیکھا اور خیار رؤیت جان بوجھ کر ساقط کردیا تو بھی خریدار سے خیار رؤیت ساقط نہیں ہوگا۔ ان تین مسائل سے معلوم ہوا کہ اختیار ساقط کرنے میں وکیل بالقبض کا کوئی دخل نہیں، یہ خریدار کا حق ہے۔ اسی طرح مذکورہ مختلفہ مسئلہ ہے کہ اس میں وکیل کا دیکھنا کافی نہیں ہوگا۔ ۱۲

میں وکیل ہے یا ناقص میں وغیرہ، جب وکیل مطلق قبضہ کا ہے تو اسے وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مؤکل کو حاصل ہوتے ہیں)۔ صاحبینؒ نے جو قیاس کیا تھا (تو اس میں سے جان بوجھ کر اختیار ساقط کرنے کا جواب یہ ہے کہ) جب پوشیدہ چیز پر قبضہ کیا تو قبضۂ ناقص کی وجہ سے وکالت ختم ہوگئی، تو اس کے بعد دوبارہ جان بوجھ کر خیارِ رؤیت ساقط کرنے کا مختار نہیں ہے (کیونکہ وکالت کے دوران وہ ساقط کر سکتا تھا لیکن ساقط نہیں کیا اور جب وکالت ختم ہوگئی تو وہ ساقط نہیں کر سکتا۔ خیار عیب کا جواب یہ ہے کہ) خیار عیب کی حیثیت اس سے مختلف ہے، اس لئے کہ یہ سودا پورا ہونے سے مانع نہیں ہوتا، تو خیار عیب کے ساتھ بھی قبضہ کامل ہو جائے گا (اور اسی کے ساتھ اس کی وکالت ختم ہو جائے گی اور اب وہ خیار عیب کو ساقط نہیں کر سکتا۔ خیار شرط کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ) خیار شرط کے حکم میں اختلاف ہے (کہ وکیل کے قبضہ سے وہ ساقط ہوگا یا نہیں، اس لئے یہ نظیر نہیں بن سکتا کہ اس پر قیاس کیا جا سکے)۔ اور اگر صاحبین کے قول کے مطابق تسلیم بھی کر لیا جائے (کہ ساقط نہیں ہوتا) تو اس میں اصل یہ ہے کہ ایسی صورت میں مؤکل بھی کامل قبضہ کا مالک نہیں ہوگا (کیونکہ خیار شرط باقی ہونے کی وجہ سے قبضہ ناقص ہوگا) لہٰذا اس کے قبضہ کرنے سے بھی اختیار ساقط نہیں ہوگا، اس لئے کہ چیز کو پرکھنا جو کہ خیار شرط کا مقصد ہے وہ تو قبضہ کرنے کے بعد ہی ہوگا (اگر اس قبضہ سے خیار شرط ساقط کر دیں تو مقصد فوت ہو جائے گا) وکیل بھی اختیار ساقط کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ قاصد کا حکم اس سے بالکل مختلف ہے کیونکہ وہ کسی چیز کا بھی مالک نہیں، اس کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچانا ہوتا ہے، اسی وجہ سے اگر وہ اس خرید و فروخت کے معاملہ میں صرف قاصد ہے تو وہ قبضہ کرنے اور حوالہ کرنے کا بھی مالک نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ نابینا کی خرید وفروخت جائز ہے اور جب وہ خریدے تو اسے اختیار ہے۔ مصنفؒ نے اختیار کی وجہ بیان کی کہ اس نے ایسی چیز خریدی جسے اس نے دیکھا نہیں، اور اسے ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ پھر اگر مبیع ایسی ہے کہ چھونے سے اس کے بارے میں علم ہو جاتا ہے تو چھونے سے اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا، اور اگر سونگھنے سے اس کے بارے میں علم ہو جاتا ہے تو سونگھنے سے، اور اگر اس کے بارے میں چکھنے سے علم ہو جاتا ہے تو چکھنے سے اختیار ساقط ہو جائے گا، جس طرح کہ یہی حکم بینا شخص کے لئے ہے۔ زمین کی فروخت میں اس کا یعنی نابینا کا اختیار اس وقت تک ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ زمین کا پورا حال اور اس کی پوری کیفیت بیان نہ کردی جائے، اس لئے کہ حالت وکیفیت (کا سُننا) دیکھنے کے قائم مقام ہوتا ہے، جیسا کہ بیع سلم میں (اس کا اعتبار ہے کہ چیز کے وجود سے پہلے اس کی حالت ووصف بیان کر کے اس پر معاملہ کرلیا جاتا ہے گویا کہ وہ چیز موجود ہے)۔ امام ابویوسفؒ سے یہ روایت ہے کہ نابینا خریدار کو مکان میں ایسی جگہ کھڑا کیا جائے کہ اگر وہ بینا ہوتا تو اُس مکان کا جائزہ لے لیتا۔ اور (وہاں) کھڑے ہونے کے بعد وہ کہہ دے کہ میں راضی ہو گیا تو اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ تشبیہ (حقیقت سے) عاجز ہونے کے موقع پر حقیقت کے قائم مقام ہوتی ہے، جیسے گونگے کا نماز میں ہونٹ ہلانا ہی قراءت کا قائم مقام ہے اور جس کے سر پر بال نہ ہوں اُس کا حج میں سر پر اُسترا پھیرنا سر منڈانے کے قائم مقام ہے۔ امام حسن بن زیادؒ نے فرمایا کہ نابینا اپنا وکیل مقرر کرے تا کہ وکیل زمین پر قبضہ کرے اور اسے دیکھے (اور معائنہ کرے)، اور یہ قول امام ابوحنیفہؒ کے قول کے زیادہ مشابہ ہے، اس لئے کہ وکیل کا معائنہ کرنا موکل کے معائنہ کی طرح ہے جیسا کہ اس کی تحقیق ابھی گزری۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ جس نے دو کپڑوں میں سے کوئی ایک کپڑا دیکھا پھر ان دونوں کو خرید لیا پھر دوسرے کپڑے کو دیکھا تو اسے یہ دونوں کپڑے (خیار رؤیت کی بناء پر) واپس کرنے کا اختیار ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ اس لئے کہ ان میں سے کسی ایک کپڑے کو دیکھنے سے دوسرے کپڑے کا دیکھنا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ کپڑوں میں تفاوت ہوتا ہے، تو جس کپڑے کو نہیں دیکھا اس میں اس کا اختیار باقی ہے، لیکن وہ صرف ایک کپڑا (جسے نہیں دیکھا اس) کو واپس نہیں کرسکتا بلکہ دونوں واپس کرے گا تاکہ سودا کامل ہونے سے پہلے اس میں تفریق وجدائی نہ ہوجائے (کیونکہ سودا دونوں پر ایک ساتھ ہوا ہے)، اور سودا کامل اس لئے نہیں ہوا کہ سودا قبضہ سے پہلے اور اس کے بعد خیارِ رؤیت کے ساتھ کامل نہیں ہوتا، اسی وجہ سے خریدار کو قاضی کے فیصلہ اور (بائع کی) رضامندی کے بغیر واپس کرنے کا اختیار ہے، اور (یہ واپس کرنا) اصل یعنی ابتداء سے ہی فسخ کرنا تصور کیا جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص مرگیا اور اسے خیار رؤیت حاصل تھا (تو مرنے کے بعد) اس کا اختیار بھی باطل ہوجائے گا۔ کیونکہ ہمارے (یعنی احناف) کے نزدیک اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اور اس مسئلہ (یعنی خیار میں وراثت جاری نہ ہونے) کو ہم نے خیار شرط میں ذکر کردیا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی خریدار نے کوئی چیز دیکھی، پھر اسے کچھ مدت کے بعد دیکھا تو اگر وہ اُسی وصف کے ساتھ ہو جس وصف کے ساتھ پہلے دیکھا تھا، تو اس کے لئے (واپس کرنے کا) اختیار نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ سابقہ مشاہدہ کی وجہ سے اُسے اس کے اوصاف کا علم حاصل تھا، اور اِس علم کے فوت ہونے پر اختیار ثابت ہوتا ہے، (لیکن اب جبکہ علم موجود ہے تو اختیار ثابت نہیں ہوگا) لیکن اگر

خریدنے والے کو اس کے مشاہدہ کئے جانے کا علم نہیں ہے (تو اختیار ثابت ہوگا) کیونکہ رضامندی نہیں ہے (اس لئے اختیار کی نفی کے لئے وصف کے علم کے ساتھ ساتھ رضامندی بھی ضروری ہے اور جب خریدار کو یہ علم نہیں ہے کہ اس نے اسے دیکھا ہے تو ضمناً رضامندی نہیں پائی گئی۔ پہلے دیکھنے کے بعد دوبارہ) اگر اسے بدلا ہوا پائے تو خریدار کو اختیار ہوگا، اس لئے کہ سابقہ مشاہدہ اس کے اوصاف کے بارے میں باخبر کرنے والا ثابت نہیں ہوا، تو گویا کہ اس نے اسے دیکھا ہی نہیں۔

اگر ان دونوں کے درمیان چیز میں تبدیلی وتغیر کے بارے میں اختلاف ہو جائے، (کہ خریدار تبدیلی وتغیر ہونے کا دعویٰ کرے اور بائع اس سے انکار کرے) تو بائع کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ تبدیلی ایک حادثہ ونو پیدا امر ہے، اور سودا لازم ہونے کا سبب ظاہر ہے (کہ خریدار اسے دیکھ چکا اور ایجاب وقبول ہو چکا اور خریدار اس کے نئی چیز ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے جبکہ بائع اس کا انکار کر رہا ہے اور قول انکار کرنے والے کا قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے) مگر یہ کہ مدت بہت زیادہ ہو جائے (تو واپس کرسکتا ہے اور قول خریدار کا معتبر ہوگا) اس لئے کہ ظاہری حالت خریدار کے لئے گواہ ہے، (کیونکہ بہت زیادہ مدت گزرنے کے بعد چیز میں تبدیلی آ جاتی ہے)۔

اگر چیز کے دیکھنے (اور اس پر قبضہ کرنے) کے بارے میں اختلاف ہو (کہ بائع دیکھنے کا دعویٰ کرے اور خریدار اس کا انکار کرے)، تو اس کا حکم اس سے مختلف ہے۔ اس لئے کہ دیکھنا (ومشاہدہ کرنا) ایسا امر ہے جو بعد میں پیدا ہوتا ہے، اور خریدار اس کا انکار کر رہا ہے، تو اس کا قول معتبر ہوگا (کیونکہ منکر کا قول معتبر ہوتا ہے)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ اگر کسی نے زطی کپڑوں کی

ایک گٹھری خریدی اور اسے نہیں دیکھا، پھر (قبضہ کرنے کے بعد) اس میں سے کوئی کپڑا بیچا یا ہدیہ کر کے حوالہ کر دیا، تو اب اس میں سے کچھ بھی (خیار رؤیت کی وجہ سے) واپس نہیں کرسکتا مگر یہ کہ عیب دار ہو، (کہ اگر عیب دار کپڑے ہیں تو واپس کرسکتا ہے)۔ مصنفؒ نے فرمایا: اسی طرح خیار شرط کا بھی حکم ہے، (کہ خیار شرط کے ساتھ ایک گٹھری خریدی اور اختیار ختم کرنے سے پہلے اس میں سے کپڑا بیچ دیا یا ہدیہ کر دیا، تو خیار شرط ختم ہو جائے گا)۔ اس لئے کہ جو کپڑا اُس کی ملکیت سے نکل گیا اس کا واپس کرنا ناممکن ہو گیا، اور جو باقی بچا ہے اسے واپس کرنے میں سودا کامل ہونے سے پہلے اس کی تفریق لازم ہو گی، (کہ کچھ کو قبول کر لیا اور کچھ کو نہیں) اور سودا اس لئے کامل نہیں ہوا کہ خیار رؤیت اور خیار شرط سودا کامل ہونے میں مانع ہیں، خیار عیب کا حکم اس سے مختلف ہے، اس لئے کہ چیز پر قبضہ کرنے کے بعد خیار عیب کے ساتھ بھی سودا کامل ہو جاتا ہے اگرچہ قبضہ سے پہلے (اس صورت میں بھی) سودا کامل نہیں ہوتا، لیکن یہ مسئلہ قبضہ کرنے کی صورت میں ہے۔ (اس لئے خیار عیب کی وجہ سے واپس کرنے میں عقد کی تکمیل سے قبل سودے میں تفریق لازم نہیں آئے گی)۔

اگر بیچنے یا ہدیہ کرنے کے بعد کپڑا مشتری کے پاس کسی ایسے سبب سے واپس آ جائے جو کہ فسخ کی صورت ہے، تو پھر اسے خیارِ رؤیت حاصل ہو گا (اور وہ اس اختیار کی بناء پر پوری گٹھری واپس کرسکتا ہے)۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے یہ مروی ہے کہ اختیار ایک دفعہ ساقط ہونے کے بعد دوبارہ نہیں لوٹے گا جیسے کہ خیار شرط میں ہوتا ہے، (کہ ساقط ہونے کے بعد دوبارہ حاصل نہیں ہوتا)۔ اور اسی قول پر علامہ قدوریؒ نے اعتماد کیا ہے۔

باب خیار العیب

خیارِ عیب کا بیان

مسئلہ:۔ جب خریدار کو مبیع کے عیب کا علم ہو تو اُسے اختیار ہے، خواہ اسے پوری قیمت کے ساتھ لے اور خواہ اسے واپس کر دے۔ اس لئے کہ عقد اگر بغیر کسی شرط و قید کے کیا جائے تو وہ مبیع کے صحیح و سالم ہونے کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا اگر وہ صحیح و سالم نہیں ہے تو ایسی صورت میں اسے واپس کرنے کا اختیار ہوگا تا کہ جس چیز پر وہ راضی نہیں ہے اس کے لازم ہونے سے اُسے نقصان نہ پہنچے۔ اور اسے یہ اختیار نہیں کہ مبیع کو تو اپنے پاس رکھ لے اور (عیب کی وجہ سے کمی و) نقصان کی قیمت لے لے، اس لئے کہ محض عقد میں اوصاف کے مقابلہ میں قیمت نہیں آتی (یعنی صفت کی قیمت نہیں لگتی بلکہ چیز کی قیمت لگتی ہے)۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بائع اس پر راضی نہیں ہے کہ چیز (مبیع) اس کی مقرر کردہ قیمت سے کم پر اس کی ملکیت سے نکلے، (اگر ایسا کیا گیا) تو بائع کو اس میں نقصان ہوگا۔

(خریدار کو جو نقصان پہنچے گا اس کے بارے میں فرمایا کہ) بائع کو نقصان پہنچائے بغیر خریدار سے نقصان دفع کرنا چیز واپس کرنے کے ذریعہ ممکن ہے، (اس لئے صرف نقصان کی قیمت نہیں کاٹ سکتا یا تو پوری چیز لے گا یا پوری چیز واپس کرے گا، اور اس صورت میں کسی کو نقصان نہیں ہے)۔

عیب سے مراد وہ عیب ہے جو (مبیع میں) بائع کے پاس تھا اور خریدار نے اسے نہ فروخت کے وقت دیکھا تھا اور نہ اس پر قبضہ کرتے وقت۔ اس لئے کہ اس وقت دیکھ کر معاملہ کرنا یا قبضہ کرنا اس عیب پر رضامندی ہے (جس کے بعد اختیار نہیں ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ ہر وہ چیز جو تاجروں کے نزدیک قیمت میں کمی کرتی ہو وہ عیب ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: یہ اس لئے کہ مالیت میں کمی سے نقصان پہنچتا ہے اور مالیت کی کمی قیمت کی کمی سے واقع ہوتی ہے، اور اس کا علم اس کے اہل یعنی تاجروں کے ذریعہ ہوسکتا ہے (اس لئے تاجروں کے عُرف کی قید لگائی)۔

مسئلہ:۔ (غلام کا) بچپن میں بھاگنا، بستر میں پیشاب کرنا اور چوری کرنا عیب ہے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو۔ پھر جب وہ بالغ ہوگیا (اور اس میں ایک دفعہ یہ امور پائے گئے) تو یہ عیب شمار نہیں ہوں گے یہاں تک کہ بلوغت کے بعد دوبارہ اس کے اندر یہ امور پائے جائیں (تب یہ امور بعد از بلوغ بھی عیب شمار ہوں گے)۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ امور بائع کے پاس غلام کی کم سنی میں ظاہر ہوئے پھر غلام سے یہی امور مشتری (خریدار) کے پاس بھی اس کی کم سنی میں ظاہر ہوئے، تو خریدار کو واپس کرنے کا اختیار ہے، اس لئے کہ یہ وہی (عیب) ہے جو بائع کے پاس تھا۔ اور اگر یہ امور (خریدار کے پاس) اس کے بالغ ہونے کے بعد وجود میں آئے تو اسے (ان عیوب کی وجہ سے) واپس نہیں کرسکتا، اس لئے کہ یہ عیب اس سے مختلف ہے جو اس کے بچپن کی حالت میں تھا (کیونکہ اوصاف کے اسباب بدلنے سے چیز کا حکم بھی بدل جاتا ہے) وجہ یہ ہے کہ ان اُمور وعیوب کے اسباب چھوٹی عمر اور بڑی عمر میں مختلف ہوتے ہیں، (مثلاً) بچپن میں بستر پر پیشاب مثانہ کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے اور بڑے ہونے کے بعد بستر پر پیشاب کسی اندرونی بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (اسی طرح) بچپن میں (گھر سے) بھاگنا کھیل کود کے شوق کی وجہ سے ہوتا ہے، اور چوری لاپروائی کی وجہ سے سرزد ہوتی ہے (لیکن بڑے ہونے کے بعد یہ دونوں (یعنی گھر سے بھاگنا اور چوری کرنا) خبث باطنی کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں۔ (واضح رہے کہ) بچہ سے مراد وہ بچہ ہے جس میں کچھ سمجھ بوجھ ہو، اگر اس میں کچھ سمجھ

بوجھ نہیں ہے تو وہ بھٹکا ہوا کہلائے گا، بھاگا ہوا نہیں۔ لہٰذا عیب ثابت نہیں ہوگا۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ بچپن میں جنون (دیوانہ پن) ہمیشہ کے لئے عیب ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ بائع کے پاس بچپن میں وہ مجنون ہوا، پھر خریدار کے پاس بچپن میں یا بلوغت کے بعد بڑے ہوکر جنون کا دوبارہ دورہ پڑا، تو خریدار اسے عیب کی وجہ سے واپس کرسکتا ہے، اس لئے کہ یہ وہی پہلا غلام ہے، کیونکہ دونوں حالتوں میں اس کا سبب ایک ہی ہے جو کہ فسادِ عقل ہے۔ امام محمدؒ کے قول "ہمیشہ" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے نزدیک خریدار کے پاس دوبارہ جنون کے دورہ پڑنے کی شرط نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جنون زائل کرنے پر قادر ہے اگرچہ اس کا وقوع بہت کم ہوتا ہے، اس لئے واپس کرنے کے لئے خریدار کے پاس دوبارہ جنون کا دورہ آنا ضروری ہے (تاکہ اس کی تحقیق ہوجائے کہ جنون زائل نہیں ہوا بلکہ بچپن کا ہے)۔

مسئلہ: ۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ باندی میں منہ کی بدبو اور (جسم کے کسی حصہ میں) بدبو عیب ہے، کیونکہ باندی خریدنے سے بسا اوقات مقصد صحبت کرنا ہوتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں اس مقصد میں خلل ڈالتی ہیں۔ لیکن (یہی دونوں چیزیں) غلام میں عیب شمار نہیں ہوں گی، اس لئے کہ غلام خریدنے کا مقصد اس سے خدمت لینا ہوتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں اس کام میں مخل نہیں ہیں، مگر یہ کہ یہ بدبو کسی بیماری کی وجہ سے ہو (تو یہ عیب ہے)، اس لئے کہ بیماری عیب ہے۔

زنا کرنا اور ولدالزنا (یعنی ناجائز بچہ ہونا) باندی میں عیب ہے، غلام میں عیب نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ امور باندی کے مقصود میں خلل ڈالتے ہیں، وہ مقصد مباشرت کرنا اور اولاد طلب کرنا ہے (اگر باندی زنا کرے تو بچہ کے نسب میں فرق ہوگا اور اگر ولدالزنا ہے تو بچہ کے لئے عار ہے اس لئے یہ عیب ہوئے)، لیکن غلام کے

مقصود میں یہ خلل نہیں ڈالتے، کیونکہ اس سے مقصد خدمت لینا ہے، مگر یہ کہ زنا کرنا اس کی عادت ہو (تو یہ عیب ہے کیونکہ اس کی وجہ سے وہ اپنے آقا یا مولیٰ کی صحیح طرح خدمت نہیں کرے گا، اس کے علاوہ مولیٰ کی بدنامی ہوگی اور نئے نئے مسائل پیدا ہوں گے) مشائخ نے اسی طرح کہا ہے، اس لئے کہ عورتوں کا پیچھا کرنے سے خدمت میں خلل واقع ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ کافر ہونا (غلام اور باندی) دونوں میں عیب ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا اس لئے کہ مسلمان طبعی طور پر کافر کی صحبت سے نفرت کرتا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض کفاروں (یعنی کفارۂ قتل) میں اسے استعمال میں نہیں لاسکتے (کہ اسے کفارہ میں آزاد کردیں)، تو رغبت میں خلل واقع ہوگا (اور یہ عیب ہے)۔ اگر اس شرط پر اسے خریدا تھا کہ وہ کافر ہے اور اسے (خریدنے کے بعد) مسلمان پایا، تو (اس تبدیلی کی وجہ سے) واپس نہیں کرسکتا، اس لئے کہ یہ تو عیب ختم ہونا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک واپس کرسکتا ہے، اس لئے کہ کافر کو ان اُمور میں استعمال کرسکتے ہیں جن میں مسلمان کو استعمال نہیں کرسکتے ہیں، اور شرط کا فوت ہونا عیب کی طرح ہے۔

مسئلہ:۔ اگر باندی بالغ ہے لیکن اسے حیض نہیں آتا یا وہ مستحاضہ ہے (یعنی حیض ختم نہیں ہوتا) تو یہ عیب ہے۔ اس لئے کہ (حیض کے) خون کا نہ آنا یا اس کا جاری ہونا بیماری کی علامت ہے۔ حیض نہ آنے (کے عیب) میں بلوغت کی انتہائی مقدار کا اعتبار ہوگا جو کہ سترہ سال ہے۔ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، (یعنی سترہ سال سے پہلے اگر حیض نہیں آیا تو یہ عیب نہیں ہے، اور وہ لڑکی بالغ شمار نہیں ہوگی)۔ حیض آنے یا نہ آنے کا علم باندی کے قول سے ہوگا (لیکن اصل میں باندی کا

قول حجت نہیں ہے تو واپس کرنے کے لئے قاضی بائع سے اس عیب کے بارے میں سوال کرے گا، اگر اس نے اقرار کر لیا تو ٹھیک ورنہ انکار کی صورت میں اس پر قسم لازم آئے گا، اگر اس نے قسم کھالی کہ یہ عیب اس کے پاس نہیں تھا، تو واپس نہیں کر سکتا) اور اگر بائع نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو باندی واپس کی جائے گی۔ باندی پر قبضہ سے پہلے اور اس کے بعد یہ معاملہ ہونے میں حکم برابر ہے، اور یہی صحیح روایت ہے (بعض روایتوں میں قبضہ سے پہلے اور اس کے بعد کے حکم میں فرق ہے اس لئے مصنفؒ نے صحیح کی تصریح کر دی)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر خریدار کے پاس مبیع میں کوئی نیا عیب پیدا ہوا، اور اسے اس عیب کا علم ہوا جو بائع کے پاس تھا، تو خریدار (بائع سے) نقصان کے بارے میں رجوع کر سکتا ہے لیکن مبیع واپس نہیں کرے گا۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اس مبیع کو واپس کرنے میں بائع کا نقصان ہے، کیونکہ مبیع اس کی ملکیت سے (خریدار کے پاس ہونے والے عیب سے) سالم نکلی تھی اور عیب کے ساتھ واپس آ رہی ہے، اس لئے واپسی ممنوع ہوگئی (لیکن اس میں خریدار کو نقصان ہے) حالانکہ خریدار سے بھی نقصان دُور کرنا ضروری ہے، تو (اس کے لئے) نقصان کے بارے میں رجوع کرنا متعین ہوگیا۔ مگر یہ کہ بائع عیب دار مبیع لینے پر راضی ہو جائے (تو واپس کر سکتا ہے) کیونکہ بائع نقصان پر راضی ہوگیا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی نے کپڑا خریدا پھر اُسے کاٹا اور اسے عیب دار پایا، تو اس عیب کے بارے میں رجوع کر سکتا ہے (واپس نہیں کر سکتا) مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ کاٹنے کی وجہ سے واپس کرنا ناممکن (ممنوع) ہوگیا کیونکہ یہ نیا عیب ہے (جو بائع کے پاس نہ تھا)۔ اگر اسی صورت میں بائع نے کہا کہ

میں اسی طرح (کٹا ہوا کپڑا) لینے پر راضی ہوں تو وہ لے سکتا ہے، کیونکہ واپسی کی ممانعت بائع ہی کے حق کی وجہ سے تھی اور وہ اپنا حق چھوڑنے پر راضی ہو گیا (اس لئے واپس کر سکتے ہیں)۔ اگر خریدار نے عیب دار چیز بیچ دی، تو کسی چیز (یعنی نقصان وغیرہ) کے بارے میں بھی رجوع نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ بائع کی رضامندی کے ساتھ مبیع کی واپسی ممنوع نہیں تھی (یعنی ممکن تھی) اور بیچنے کی وجہ سے وہ مبیع کو روکنے والا ہو گیا، تو نقصان کے بارے میں بھی رجوع نہیں کر سکتا۔

مسئلہ:۔ اگر کپڑا (خریدنے کے بعد اسے) کاٹ کر سی لیا، یا لال رنگ دے دیا، یا ستو (خرید کر اس) کو گھی کے ساتھ ملا دیا پھر اس کے عیب پر مطلع ہوا تو اس کے نقصان کے بارے میں رجوع کر سکتا ہے۔ کیونکہ مبیع میں (رنگ یا گھی کے) اضافہ کے وجہ سے واپسی ممکن نہیں رہی، اس لئے کہ (اصل کی واپسی اضافہ کے بغیر ہو گی یا اس کے ساتھ اور) اضافہ کے بغیر اصل (واپس کرنے کی صورت) میں معاملہ فسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اضافہ اس سے جدا نہیں ہو سکتا، اور اس اضافہ کے ساتھ بھی فسخ نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ اضافہ مبیع نہیں ہے، تو ہر لحاظ سے واپسی ناممکن اور ممنوع ہو گئی۔ اور بائع اس (اضافہ والی) مبیع کو نہیں لے سکتا، اس لئے کہ یہاں ممانعت شریعت کے حق کی وجہ سے ہے، (کیونکہ اس صورت میں یہ سود ہو جاتا ہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے) بائع کے حق کی وجہ سے نہیں ہے (کہ اسے کچھ اختیار ہو)۔ اگر خریدار نے (اسی اضافہ والی عیب دار) مبیع کو عیب دیکھنے کے بعد بیچا تو نقصان کے بارے میں رجوع کرے گا، کیونکہ بیچنے سے پہلے ہی واپسی (اس اضافہ کی وجہ سے) ممنوع ہو گئی تھی تو وہ مبیع کو بیچنے کی وجہ سے روکنے والا نہیں ہو گا (اس لئے بیچنے سے حکم میں کچھ فرق واقع نہیں ہو گا)۔ اسی مسئلہ کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کپڑا خریدا پھر اپنے چھوٹے بچے

کے لباس کے لئے کاٹا اور سی لیا، اس کے بعد عیب پر مطلع ہوا تو نقصان کے بارے میں رجوع نہیں کرے گا، لیکن اگر بڑے بچے کے لئے لباس بنایا تو رجوع کرے گا، اس لئے کہ پہلی (یعنی چھوٹے بچے کی) صورت میں سینے سے پہلے تملیک حاصل ہوگئی،[1] اور دوسری (یعنی بڑے بچے کی) صورت میں سینے کے بعد حوالہ کرنے سے تملیک حاصل ہوگی۔[2]

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر کسی نے غلام خریدا پھر اسے آزاد کردیا یا وہ اس کے پاس مرگیا، پھر وہ عیب پر مطلع ہوا، تو اس کے نقصان کے بارے میں رجوع کرے گا (خریدار کی ملکیت سے مبیع نکلنے سے واپسی ممنوع ہوئی ہے، اس لئے رجوع نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ سابقہ حکم ہے، لیکن یہاں رجوع کرسکتا ہے تو اس وجہ بیان کرتے ہوئے) مصنفؒ نے فرمایا: کہ موت کی صورت میں اس لئے رجوع کرے گا کہ اس سے ملکیت اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے (کیونکہ مرنے سے پہلے کسی بھی سبب سے ملکیت ختم ہونے کا احتمال ہے لیکن موت سے یہ احتمال ختم ہوگیا اور ملکیت اسی کے لئے ثابت رہی، اور موت کی وجہ سے) مبیع کی واپسی حکماً ممنوع ہوئی ہے اس کے فعل کی وجہ سے نہیں (اس لئے رجوع کرسکتا ہے)۔ اور آزاد کرنے کی صورت میں قیاس یہ ہے کہ رجوع نہ کرے، اس لئے کہ واپسی کی ممانعت اس کے فعل

---

[1] کیونکہ بچے کے مال پر باپ قبضہ کرتا ہے اس لئے جب اس نے اپنے چھوٹے بچے کے لئے کپڑا کاٹا تو گویا بچہ اس کا مالک بن گیا اور باپ کی ملکیت سے کپڑا نکل گیا۔ چنانچہ وہ مبیع کو روکنے والا ہوگیا اس لئے نقصان کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہے۔

[2] کیونکہ بالغ اولاد اپنے مال پر خود قبضہ کرتی ہے۔ اس لئے جب تک باپ کپڑا سینے کے بعد بڑے بچے کے حوالہ نہیں کرے گا بچہ مالک نہیں بنے گا اور کپڑا باپ کی ملکیت سے نہیں نکلے گا چنانچہ وہ مبیع کو روکنے والا نہیں ہوا اس لئے نقصان کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

کی وجہ سے ہوئی ہے، تو یہ قتل کرنے کی طرح ہوگیا (کہ اگر خریدار نے غلام کو خرید کر اسے قتل کر دیا پھر اس کے عیب پر مطلع ہوا، تو رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ ممانعت اس کے فعل کی وجہ سے ہے، اسی طرح آزاد کرنے میں بھی ہے لیکن) بطور استحسان رجوع کرے گا، کیونکہ آزادی ملکیت کا اختتام ہے، کیونکہ انسان اصل میں ملکیت کے محل کے لئے نہیں پیدا کیا گیا (کہ کوئی اس کا مالک بنے اور اگر اس میں ملکیت ثابت ہو تو) اس میں ملکیت آزادی کے وقت تک ثابت ہوگی (پھر آزادی کے فوراً بعد ملکیت ختم ہو جائے گی)، تو آزادی ملکیت ختم کرنے والی ہوگئی، اور یہ موت کی طرح ہوگئی (کہ جس طرح موت سے ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس میں بھی ہوگا)۔ اور یہ اس لئے کہ چیز اپنی انتہاء کو پہنچ کر ثابت ہو جاتی ہے (یعنی اس کی ملکیت اس طرح ختم ہوئی کہ دوسرے کے لئے ثابت نہیں ہو سکتی، تو سابقہ ملکیت اس کے لئے ثابت ہوگئی)، تو مسئلہ کی صورت یہ ہوگی کہ گویا ملکیت باقی ہے اور واپس کرنا دشوار ہے۔ غلام کو مدبّر اور باندی کو امّ ولد بنانا بھی اسی طرح ہے (یعنی اس میں رجوع کا حق ہے) اس لئے کہ (ان صورتوں میں) امر حکمی کی وجہ سے ملکیت کا محل باقی رہتے ہوئے اس کا منتقل ہونا دشوار ہوگیا۔[1]

اگر غلام کو مال کے بدلہ آزاد کیا تو کسی بھی چیز کے بارے میں رجوع نہیں کرے گا، اس لئے کہ اس نے غلام کے بدل (عوض) کو حبس کر لیا (یعنی اپنے پاس روک لیا) اور کسی کے بدل کو حبس کرنا اس کے اصل کے حبس کرنے کی طرح ہے۔ (اور اصل کو حبس کرنے کی وجہ سے رجوع نہیں کر سکتا، اس لئے بدلہ کو حبس کرنے کی وجہ سے

[1] ملکیت موجود ہے لیکن منتقل نہیں ہو سکتی، اور یہ رکاوٹ ایک شرعی حکم کی وجہ سے ہے اس کے اپنے فعل کی وجہ سے نہیں ہے، اس لئے اسے رجوع کا حق حاصل ہوگا۔

بھی رجوع نہیں کرسکتا)۔امام ابوحنیفہؒ سے یہ مروی ہے کہ وہ اس صورت میں بھی رجوع کرسکتا ہے،اس لئے کہ اس میں بھی ملکیت کا اختتام ہے اگرچہ بدلہ کے ساتھ ہو۔

مسئلہ:۔ اگر خریدار نے غلام کو قتل کردیا، یا کھانا (خریدا) تھا تو اسے کھالیا،تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ کسی چیز کے بارے میں رجوع نہیں کرے گا۔قتل کا مسئلہ ظاہرالروایت کا ہے،امام ابو یوسفؒ سے اس مسئلہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ رجوع کرے گا،اس لئے کہ اگر آقا اپنے غلام کو قتل کرے تو اس سے دنیا کا حکم (یعنی قصاص وغیرہ) متعلق نہیں ہوتا،تو اس کا (غلام کو) قتل کرنا اپنی موت مرنے کی طرح ہوگیا،تو یہ ملکیت کا اختتام تصور ہوگا (کیونکہ موت سے ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اس صورت میں رجوع ہوسکتا ہے) ظاہر روایت کی دلیل یہ ہے کہ قتل کے بدلہ میں ضمان (قصاص یا دیت) ضرور آتی ہے،اور یہاں ضمان اس لئے ساقط ہوگئی کہ غلام اس کا مملوک تھا،(اور مملوک کی وجہ سے مالک پر ضمان نہیں آسکتا)،تو آقا عوض حاصل کرنے والے کی طرح ہوگیا (کہ عوض کے مقابلہ میں اس کی ملکیت آگئی) آزاد کرنے کی حیثیت اس سے مختلف ہے،اس لئے کہ آزاد کرنے میں ہمیشہ ضمان واجب نہیں ہوتی،جیسے ایک غلام جو دوآدمیوں میں مشترک ہو،اسے تنگ دست شریک اپنے حصہ سے آزاد کردے (تو غلام پوری طرح آزاد ہوجائے گا اور دوسرے شریک کا جو نقصان اس نے آزاد کرنے کی وجہ سے کیا ہے اُسے غلام کمائی کرکے پورا کرے گا،تو یہاں ضمان نہیں ہے) اور کھانا کھانے کا مسئلہ بھی اختلاف پر مبنی ہے،صاحبین کے نزدیک وہ رجوع کرے گا لیکن امام صاحبؒ کے نزدیک رجوع نہیں کرے گا۔دلیل اس کی استحسان ہے۔

اور اسی اختلاف پر مبنی یہ مسئلہ ہے کہ اگر کپڑا (خرید کر) پہنا یہاں تک کہ وہ

پھٹ گیا، (تو صاحبین کے نزدیک رجوع کرے گا لیکن امام صاحب کے نزدیک نہیں) صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مبیع میں وہ عمل کیا جو خریدنے کا مقصد ہے اور جس عمل کی اس میں عادت جاری ہے، تو اس کا یہ عمل آزاد کرنے کے مشابہ ہو گیا، (اور آزادی کی صورت میں رجوع کرسکتا ہے، اسی طرح اس میں بھی رجوع کر سکے گا)۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مبیع میں ایسا کام کیا جس کی ضمان لازم ہوتی ہے، (یعنی کسی کا کھانا کھانے یا کپڑا پہن کر پھاڑنے سے ضمان لازم آتی ہے)، اس لئے واپسی دشوار ہوگئی (کیونکہ اس کا اپنا فعل پایا گیا) اور اس کا یہ عمل مبیع بیچنے اور قتل کرنے کے مشابہ ہو گیا (یعنی اگر عیب دار مبیع کو بیچ دیا یا قتل کر دیا تو ایسا کرنے کی صورت میں وہ رجوع نہیں کرسکتا، اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی رجوع نہیں کر سکے گا۔ صاحبین کی دلیل کا جواب دیتے ہیں کہ) مقصودی فعل ہونے کا اعتبار نہیں، کیا آپ نے خیال نہیں کیا کہ خریدنے کا مقصد فروخت کرنا بھی ہوتا ہے (یعنی فروخت کرنے کے لئے بھی چیز خریدی جاتی ہے)، اور اگر اس نے خرید کردہ چیز فروخت کر دی، تو یہ فروخت کرنا عیب کی بناء پر رجوع کرنے سے مانع ہے، (تو یہاں مقصودی عمل کے باوجود بھی رجوع کی ممانعت ہے، اس لئے مقصودی عمل کا اعتبار نہیں ہے)۔

اگر کچھ کھانا کھایا پھر اس کے عیب پر مطلع ہوا، تو امام صاحبؒ کے نزدیک وہی جواب ہے (کہ رجوع نہیں کرے گا)۔ اس لئے کہ تمام کھانا ایک چیز کے حکم میں ہے (اور اس کے اجزاء کا الگ الگ اعتبار نہیں)، تو یہ مبیع کا کچھ حصہ بیچنے کی طرح ہو گیا (اور اس صورت میں رجوع نہیں ہوسکتا)۔ لیکن صاحبین سے یہ روایت ہے کہ تمام کھانے کے نقصان کے بارے میں رجوع کرے گا اور انہیں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ بقیہ کھانا واپس کر دے گا، (اور جو کھایا ہے اس کے نقصان کے بارے میں

رجوع کرے گا)۔اس لئے کہ حصہ حصہ کرنے سے کھانے کونقصان نہیں پہنچتا (تو بقیہ کھاناواپس کرسکتا ہے)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے انڈا یا خربوزہ یا ککڑی یا کھیرا یا اخروٹ خریدا اور اسے توڑا (یا کاٹا) تو اسے خراب پایا، اگر وہ بالکل فائدہ مند نہیں ہے، تو (دی ہوئی) پوری قیمت کے بارے میں رجوع کرے گا۔اس لئے کہ وہ مال ہی نہیں ہے، لہٰذا بیع باطل ہوگئی (کیونکہ مال کے بدلہ میں قیمت نہیں آئی)۔اور اخروٹ کے چھلکوں میں (جو ایندھن کا کام دینے وغیرہ کی) صلاحیت ہے جیسا کہ بعض مشائخ نے کہا (کہ اس کا اعتبار کریں گے)، تو صحیح روایت میں اس کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ چھلکے کی مالیت اس کے مغز کی وجہ سے ہے (مغز کے بغیر خالی چھلکا کوئی نہیں خریدتا)۔اور اگر یہ چیزیں خراب ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ فائدہ مند بھی ہیں تو واپس نہیں کرے گا، اس لئے کہ توڑنا (و کاٹنا) نیا عیب ہے (اور واپس کرنے میں بائع کا نقصان ہے)، لیکن خریدار کو عیب کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے، اس کے بارے میں وہ رجوع کرے گا، تا کہ امکانی حد تک نقصان (دونوں سے) دور ہو جائے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی واپسی کرے گا، اس لئے کہ بائع کی طرف سے (ملکیت دینے کے ضمن میں) تسلّط دینے کی وجہ سے توڑنا واقع ہوا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ توڑنے پر تسلّط خریدار کی ملکیت میں پیدا ہوا ہے، بائع کی ملکیت میں نہیں ہوا، تو اس کی صورت اس مسئلہ کی طرح ہوگئی کہ ایک کپڑا (خریدا) تھا پھر اسے کاٹ دیا، (تو بالاجماع صرف نقصان کے بارے میں رجوع کرے گا کپڑا واپس نہیں کرسکتا، اگر چہ یہاں پر بھی بقول امام شافعیؒ بائع کی طرف سے تسلط پایا جاتا ہے)۔

اگر انڈوں وغیرہ میں سے کچھ خراب نکلے اور وہ (صحیح کی بنسبت)

تھوڑے ہیں تو استحساناً یہ بیع جائز ہے، اس لئے کہ اکثر (انڈے، اخروٹ وغیرہ جب زیادہ تعداد میں ہوں تو) تھوڑے بہت ضرور خراب ہوتے ہیں، اور تھوڑے کی مقدار عرف عام وعادت پر مبنی ہے کہ مثلاً سو اخروٹوں میں سے ایک دو اخروٹ ضرور خراب ہوتے ہیں۔ اگر خراب مال بہت زیادہ ہے تو یہ بیع جائز نہیں ہے اور وہ پوری قیمت کے بارے میں رجوع کرے گا، اس لئے کہ بائع نے مال (یعنی فائدہ مند) اور غیر مال (یعنی بے کار غیر فائدہ مند) کو جمع کر کے بیچا، اور یہ مسئلہ آزاد اور غلام کو جمع کر کے بیچنے کے مشابہ ہو گیا (اور یہ جائز نہیں ہے اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی بیع جائز نہیں ہو گی)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ کسی شخص (مثلاً زید) نے غلام فروخت کیا پھر اسے خریدار (مثلاً خالد) نے دوسرے (مثلاً بکر) کو فروخت کر دیا، پھر عیب کی بناء پر واپس کیا گیا تو اگر اِس (یعنی خالد) نے قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے قبول کیا کہ قاضی کے سامنے اقرار کر لیا، یا دوسرے خریدار (یعنی بکر) نے عیب پر دلیل پیش کر دی یا پہلے خریدار (یعنی خالد) نے قسم کھانے سے انکار کر دیا، تو یہ (پہلے) فروخت کرنے والے (یعنی زید) کو واپس کر سکتا ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ (عیب کے بارے میں قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے) بیع اصلاً (بنیادی طور پر) فسخ ہو گئی، تو بیع کا یہ معاملہ نہ ہونے کے برابر ہو گیا۔ (اعتراض ہوا کہ جب پہلے خریدار یعنی خالد نے عیب کا انکار کر دیا تھا کہ قسم نہیں کھائی، تو پھر خود عیب کی بنا پر پہلے بائع یعنی زید کو کس طرح واپس کر رہا ہے، تو اس کا جواب دیا کہ) غایت الامر (یعنی زیادہ سے زیادہ) یہ ہے کہ اس نے عیب کے وجود کا انکار کیا، لیکن قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے شرع نے اسے جھٹلایا (اور اس کا انکار ختم ہو گیا)۔ اقرار سے فیصلہ کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کے سامنے اس نے اقرار کرنے سے (جب اس کے سامنے عیب کا بیان ہوا تو) انکار کر دیا اور مدعی (یعنی بکر) نے دلیل سے عیب ثابت کر دیا۔ (اور پہلی بیع اس فیصلہ کے

بعد باقی رہے گی وہ فسخ نہیں ہوگی لیکن) یہ حکم اس سے مختلف ہے کہ بیچنے کے لئے جس کو وکیل بنایا تھا (اس نے چیز بیچی لیکن) اگر دلیل سے عیب کی بناء پر چیز اسے واپس کردی گئی، تو یہ واپسی مؤکل (یعنی وکیل بنانے والا جو اصل ہے اس) پر ہوگی ۔ (صرف وکیل پر نہیں ہوگی) اس لئے کہ (وکیل کا فعل مؤکل کے لئے ہونے کی وجہ سے) یہاں بیع کا معاملہ ایک ہی ہے (اور واپس کرنے سے وہی فسخ ہوتا ہے، جبکہ) وہاں بیع کے دو معاملے ہیں، تو دوسرا معاملہ فسخ ہونے کی وجہ سے پہلا معاملہ فسخ نہیں ہوگا۔

اگر اس نے قاضی کے فیصلہ کے بغیر (عیب کی بناء پر دوسرے خریدار یعنی بکر سے چیز کی واپسی قبول کی، تو وہ (یعنی پہلا خریدار خالد) چیز اس (پہلے بیچنے والے زید) کو واپس نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ ان کی واپسی تیسرے کے حق میں نئی بیع ہے اگر چہ ان دونوں کے حق میں فسخ ہے۔ اور پہلا (بیچنے والا) ان دونوں کے معاملہ کے لحاظ سے تیسرا ہے۔ جامع صغیر میں ہے کہ اگر قاضی کے فیصلہ کے بغیر اس (یعنی پہلے خریدار) کے اقرار سے چیز اسے واپس کی گئی ایسے عیب کی بناء پر کہ اُس جیسا عیب اس (یعنی دوسرے خریدار) کے پاس پیدا نہیں ہوسکتا، تو یہ (یعنی پہلا خریدار) اس سے جھگڑا نہیں کرسکتا جس نے اسے چیز بیچی تھی۔ (جامع صغیر کے) اس مسئلہ سے یہ واضح ہوگیا کہ علامہ قدوریؒ کا جواب، ایسا عیب جو اس کے پاس پیدا ہوسکتا ہے اور پیدا نہیں ہوسکتا، دونوں میں برابر ہے (الاصل کی کتاب) البیوع کی بعض روایات میں ہے کہ ایسے عیب کی صورت میں جو اس کے پاس پیدا نہیں ہوسکتا، وہ (یعنی پہلا خریدار دوسرے یعنی پہلے بیچنے والے کی طرف) نقصان کے بارے میں رجوع کرسکتا ہے، کیونکہ اس صورت میں پہلے بائع کے پاس عیب کے موجود ہونے کا یقین ہوگیا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: کہ اگر کسی نے غلام خرید کر اس پر قبضہ کرلیا (اور قیمت ابھی ادا نہیں کی) اور عیب کا دعویٰ کردیا، تو خریدار کو قیمت ادا کرنے کے

لئے مجبور نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ بائع قسم کھالے، (کہ میرے پاس عیب نہیں تھا) یا خریدار دلیل قائم کردے کہ یہ عیب بائع کے پاس تھا۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ خریدار نے قیمت کی ادائیگی کے وجوب کا انکار کیا اس طرح کہ اس نے عیب کا دعویٰ کر کے مبیع میں اپنے حق کی تعیین کا انکار کیا، اور قیمت کی ادائیگی پہلے اس لئے ہوتی ہے کہ مبیع میں خریدار کے حق کے مقابلہ میں بائع کا حق متعین ہو جائے۔[1] ادائیگی قیمت پر مجبور نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر قاضی نے (عیب کے بارے میں فیصلہ ہونے سے پہلے) ادائیگی قیمت کا فیصلہ کردیا اور بعد میں عیب ظاہر ہوگیا (اور مبیع واپس ہو کر قیمت واپس ہوگی)، تو فیصلہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے وہ اپنے فیصلہ کی حفاظت کے لئے (ادائیگی قیمت کا) فیصلہ نہ کرے۔

اگر خریدار نے کہا کہ میرے گواہ ملک شام میں ہیں (یعنی اس شہر میں موجود نہیں ہیں)، تو بائع سے قسم لی جائے گی اور اس کے بعد قیمت ادا کی جائے گی، یعنی قسم کھانے کے بعد پھر قیمت کی ادائیگی ہوگی اور گواہوں کے آنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ انتظار کرنے میں بائع کا نقصان ہے (کہ اس کی مبیع رُکی رہے گی اور وہ کسی دوسرے کو نہیں بیچ سکے گا)، اور قیمت کی ادائیگی میں خریدار کا زیادہ نقصان نہیں ہے، کیونکہ خریدار کے پاس دلیل ہے۔ (یعنی جب گواہ آجائیں گے تو وہ انہیں

---

[1] ایجاب وقبول کے بعد مبیع میں خریدار کا حق متعین ہو جاتا ہے اس لئے قیمت کی ادائیگی پہلے کی جاتی ہے تاکہ بائع کا حق بھی قیمت میں متعین ہو جائے، تو گویا خریدار کے حق کی تعیین قیمت کی ادائیگی کے لئے علت ہے اور قیمت کی ادائیگی معلول، جب اس نے عیب کا دعویٰ کر کے اپنے حق کی تعیین کا انکار کیا تو گویا معلول یعنی قیمت کی ادائیگی کا بھی انکار کردیا۔ اس لئے قیمت کی ادائیگی پر اسے مجبور نہیں کریں گے جب تک کہ فیصلہ نہ ہو جائے، اور یہاں خریدار عیب کا مدعی ہے اس لئے اس کے ذمہ دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔

پیش کر کے مبیع واپس کر کے اپنی قیمت واپس لے لے گا)۔ البتہ اگر بائع نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو عیب لازم ہو گیا، اس لئے کہ قسم عیب ثابت ہونے میں حجت ہے۔

مسئلہ: ۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ کسی نے غلام خریدا پھر اس کے بھگوڑے ہونے کا دعویٰ کیا، تو بائع کو (غلام کے نہ بھاگنے کی) قسم نہیں دلائی جائے گی یہاں تک کہ خریدار اس پر دلیل قائم کرے کہ وہ اس (یعنی خریدار) کے پاس بھی بھاگا ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: قسم دِلانے سے مراد یہ ہے کہ بائع یہ قسم کھائے کہ غلام اس (یعنی بائع) کے پاس نہیں بھاگا اس لئے کہ (قسم کے ساتھ) معتبر قول اگر چہ بائع کا ہے، (کیونکہ وہ منکر ہے اور منکر کا قول قَسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے، اور قَسم کے ساتھ دلیل کو جمع نہیں کرتے، بلکہ یا تو دلیل ہوتی ہے یا قسم اور یہاں صرف قسم ہونی چاہئے) لیکن (دلیل اس لئے ضروری ہے کہ) بائع کا انکار اس وقت ہی معتبر ہوگا جب خریدار کے قبضہ میں اس کا عیب ثابت ہو جائے، اور اس کی پہچان دلیل سے ہوگی (اس لئے پہلے خریدار عیب کے ثبوت پر دلیل قائم کرے گا، پھر بعد میں بائع انکار میں قسم کھائے گا کہ یہ عیب میرے پاس نہیں تھا)۔

جب خریدار نے عیب کے ثبوت پر دلیل قائم کر دی، تو بائع کو اللہ تعالیٰ کی یہ قسم دلائی جائے گی ''تحقیق اس نے غلام بیچ کر خریدار کے حوالہ کر دیا تھا اور وہ اس (یعنی بائع) کے پاس کبھی نہیں بھاگا تھا''۔ اس طرح کتاب (مبسوط یا جامع صغیر) میں ہے۔ قاضی اگر چاہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی یہ قسم بھی دلا سکتا ہے کہ ''خریدار کو تجھ (یعنی بائع) پر دعویٰ (عیب) کی وجہ سے واپس کرنے کا حق نہیں ہے''، یا (اس طرح قسم دلائے کہ) ''خدا کی قسم وہ تیرے پاس کبھی نہیں بھاگا''۔ قاضی اس طرح قسم نہیں

دلائے گا کہ "خدا کی قسم اس نے غلام کو فروخت کیا اور اس میں یہ عیب نہیں تھا" اور نہ اس طرح کہ "خدا کی قسم اس نے غلام فروخت کر کے اس کے حوالہ کر دیا اور اس میں یہ عیب نہیں تھا"۔ اس لئے کہ اس صورت میں خریدار پر شفقت نہیں ہے، کیونکہ کبھی عیب، حوالہ کرنے سے پہلے فروخت کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے، اور ایسا عیب ہونا بھی واپسی کا سبب ہوتا ہے۔ (ان دو قسموں کے الفاظ میں خریدار کا نقصان اس طرح ہے کہ) پہلی صورت میں (شاید) بائع عیب سے غافل ہو گیا (جو حوالہ کرنے سے پہلے پیدا ہوا اور فروخت کے وقت نہیں تھا، تو وہ اپنی قسم میں صادق ہے، اور اس میں خریدار کا نقصان ہے کہ اب وہ قسم کے بعد واپس نہیں کر سکتا)۔ اور دوسری قسم میں قسم کا دونوں (یعنی بیچنے اور حوالہ کرنے کی) شرطوں کے ساتھ متعلق ہونے کا وہم ہوتا ہے (یعنی قسم اس پر ہے کہ عیب کی نفی دونوں حالتوں میں ہے، اگر بائع نے اس طرح قسم کھالی) تو اگر عیب حوالہ کرتے وقت ہوا فروخت کے وقت نہیں تھا، تو وہ تاویل کرے گا (کہ میری مراد دونوں حالتوں میں عیب سے نفی ہے حالانکہ یہاں ایک حالت میں عیب ہے، اس لئے میری قسم صحیح ہے اور خریدار کو نقصان ہوگا) اگر خریدار کے پاس ایسی دلیل نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ اس کے پاس عیب ثابت ہو، اور وہ بائع کو ان الفاظ سے قسم دلانا چاہے کہ "خدا کی قسم ہم نہیں جانتے کہ وہ اس کے پاس بھاگا ہے"، تو صاحبینؒ کے قول کے مطابق اسے قسم دلا سکتے ہیں، اور مشائخ فقہاء نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کے بارے میں اختلاف کیا ہے (کہ قسم دلانا صحیح ہے یا نہیں)۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ (عیب کا) دعویٰ کرنا صحیح و معتبر ہے، اور اسی وجہ سے اس پر دلیل مرتب ہو رہی ہے (کہ خریدار پہلے عیب پر دلیل قائم کرے) تو قسم دلانا بھی مرتب ہو سکتا ہے، (کہ خریدار اگر دلیل قائم نہیں کر سکتا تو وہ اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے

دوسرے فریق یعنی بائع کو قسم دلا سکتا ہے جیسا کہ دوسرے مقدمات اور دعووں میں یہی حکم ہے)۔ بعض فقہاء نے کہا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک قسم نہیں دلا سکتا، اس پر امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ قسم صحیح دعویٰ پر مرتب ہوتی ہے، اور دعویٰ آپس کے جھگڑے کے بعد ہی صحیح ہوگا، (کہ ان میں باہم اختلاف ہو تو ایک مدعی اور دوسرا منکر ہوگا)۔ اور یہاں خریدار عیب ثابت کرنے کے بعد ہی فریق بنے گا[1]

اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا تو صاحبین کے نزدیک اسے دوبارہ قسم دلائی جائے گی تا کہ جو وجہ ہم نے پہلے بیان کی ہے اس کے مطابق واپسی ہو سکے (یعنی بائع کے پہلے انکار سے خریدار کے پاس عیب ثابت ہوگیا اور یہ انکار خریدار کی دلیل کے قائم مقام ہوگیا، اور اس کے بعد بائع پر قسم لازم آتی ہے اس لئے دوبارہ قسم دلائی جائے گی)۔

مصنفؒ نے فرمایا کہ اگر خریدار کا دعویٰ بالغ غلام کے بھاگنے کے بارے میں ہو (یعنی غلام بالغ ہے اور وہ خریدار کے پاس سے بھاگا) تو بائع کو اس طرح قسم دلائی جائے گی ''جب سے وہ بالغ ہوا ہے (میرے پاس سے) نہیں بھاگا، کیونکہ بچپن میں بھگوڑا ہونا بالغ ہونے کے بعد واپسی کا موجب نہیں ہے۔[2]

---

[1] یعنی وہ پہلے مبیع میں اپنے پاس عیب ثابت کرے، پھر دعویٰ کرے کہ یہ عیب بائع کے پاس تھا اور بائع انکار کرے۔ تو جب تک خریدار عیب ثابت نہیں کرے گا اس وقت تک دعویٰ صحیح نہیں ہوگا، اور نہ اس پر قسم مرتب ہوگی۔ اور ضروری نہیں ہے کہ جس دعویٰ پر دلیل مرتب ہو اس پر قسم بھی لازم آئے بلکہ کچھ دعوے ایسے ہیں کہ جن پر دلیل لازم ہے لیکن قسم نہیں ہے جیسے وکالت کے دعویٰ میں دلیل لازم ہے، قسم نہیں ہے۔

[2] اس لئے کہ دونوں زمانہ میں اس عیب کی علت میں فرق ہے۔ اگر بائع کو بغیر شرط وقید کے قسم دلائی گئی تو وہ جھوٹی قسم سے بچنے کے لئے قسم نہیں کھائے گا کیونکہ غلام بچپن میں اس کے پاس سے بھاگا تھا، اور انکار کی وجہ سے مبیع واپس کردی جائے گی حالانکہ بچپن کے عیب کی وجہ سے واپس نہیں کر سکتے، تو اس صورت میں بائع کو نقصان ہوگا اس لئے مذکورہ بالا قید کے ساتھ قسم دلائی جائے گی۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے باندی خریدی، اور (بائع نے قیمت اور خریدار نے باندی) قبضہ میں لے لی، اس کے بعد اس میں عیب پایا، تو بائع نے کہا کہ میں نے تمہیں یہ اور اس کے ساتھ دوسری (باندی) بیچی تھی، اور خریدار نے کہا کہ تم نے مجھے صرف یہی باندی بیچی تھی (اور دلیل کسی کے پاس نہیں ہے) تو خریدار کا قول معتبر ہوگا۔ اس لئے کہ یہاں اختلاف مقبوض چیز کی تعداد یا مقدار میں ہے، اور (اس صورت میں) قبضہ کرنے والے کا قول معتبر ہوتا ہے، (کیونکہ اس وقت وہی اصل ہے)۔ جیسا کہ غصب شدہ چیز (کی مقدار کے بارے میں اختلاف کے وقت اس) میں یہی حکم ہوتا ہے، اور یہی حکم ہوگا اگر انہوں نے مبیع کی تعداد و مقدار کے بارے میں تو اتفاق کیا (کہ دو باندی فروخت کی تھیں لیکن) اس پر قبضہ کرنے کے بارے میں اختلاف کیا، (خریدار نے کہا کہ میں نے ایک باندی پر قبضہ کیا لیکن بائع نے کہا کہ دونوں پر) وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی (کہ قابض کا قول معتبر ہوتا ہے)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ جس نے دو غلاموں کو ایک سودے میں خریدا اور ان میں سے ایک پر قبضہ کیا اور دوسرے میں (قبضہ سے پہلے) عیب پایا، تو وہ یا تو دونوں کو لے (اور عیب کو نظر انداز کردے) یا دونوں کو چھوڑ دے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ دونوں پر قبضہ کرنے کے بعد سودا کامل ہوگا (اور ابھی تک دونوں پر قبضہ نہیں کیا) تو سودا کامل ہونے سے پہلے ان دونوں کی جدائی لازم ہوگی (جو کہ صحیح نہیں ہے) اور ہم نے اس امر کو پہلے ذکر کردیا ہے (کہ خیار عیب کے ساتھ بھی قبضہ کے بعد سودا کامل ہوجاتا ہے اس لئے دونوں پر قبضہ کرنے کے بعد عیب دار غلام کو تو واپس کرسکتے ہیں لیکن قبضہ سے پہلے ایک کو واپس نہیں کرسکتے)۔ اور یہ حکم اس لئے ہے کہ قبضہ، عقد کے مشابہہ ہوتا ہے، تو قبضہ میں جدائی وتفریق کرنا عقد میں جدائی کی

مانند ہے، (اور اس میں جدائی نہیں کر سکتے، جیسے اگر بائع نے کہا کہ میں یہ دو غلام بیچتا ہوں، اور خریدار نے کہا کہ میں نے ایک کو قبول کیا، تو یہ صحیح نہیں ہے، اسی طرح قبضہ میں بھی تفریق صحیح نہیں ہے)۔

اگر جس غلام پر قبضہ کیا تھا اس میں عیب پایا (اور دوسرے پر قبضہ کیا ہی نہیں)، تو اس کے واپس کرنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے یہ روایت ہے کہ خاص اس (قبضہ کئے ہوئے عیب دار غلام) کو واپس کر سکتا ہے، لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ یا تو دونوں کو لے اور یا دونوں کو واپس کر دے۔ اس لئے کہ سودے کا کامل ہونا مبیع پر قبضہ کرنے سے متعلق ہے، اور مبیع اس تمام چیز کا نام ہے جس کا سودا ہو (اور سودا دو غلاموں کا ہوا ہے)، اور یہ صورت قیمت حاصل کرنے کے لئے مبیع روکنے کے مانند ہوگئی کہ جب تک بائع پوری قیمت حاصل نہیں کرے گا مبیع حوالہ نہیں کرے گا، (کچھ حصہ مبیع کو اس مقصد کے لئے نہیں روک سکتا۔ اسی طرح خریدار کے لئے حکم ہے کہ یا تو پوری مبیع پر قبضہ کرے یا پوری مبیع واپس کر دے)۔

اگر دونوں غلاموں پر قبضہ کر لیا اور کسی ایک کو عیب دار پایا، تو خاص اس عیب دار کو واپس کر سکتا ہے۔ امام زفرؒ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی سودے میں جدائی لازم ہوتی ہے (جو کہ صحیح نہیں ہے)، اور نقصان سے خالی نہیں، اس لئے کہ تاجروں کی عادت اور رسم اعلیٰ چیز کو گھٹیا چیز کے ساتھ ملا کر بیچنے کی ہے، (اور گھٹیا کو واپس کرنے میں بائع کا نقصان ہے)، تو یہ قبضہ سے پہلے یا خیارِ رؤیت یا خیارِ شرط کی صورت میں واپس کرنے کے مشابہہ ہوگیا (اور ان تینوں صورتوں میں بالاتفاق واپس نہیں کر سکتا اسی طرح یہاں بھی ہوگا)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہاں واپس کرنے سے سودے کی جدائی سودا پورا ہونے کے بعد ہو رہی ہے

(اور یہ صحیح ہے)۔اس لئے کہ خیار عیب میں سودا بیع پر قبضہ کرنے سے کامل ہوتا ہے، لہٰذا خیار عیب کو ان پر قیاس نہیں کر سکتے)۔اس کی تفصیل (خیار عیب کے بیان سے کچھ پہلے) گزری ہے۔اسی وجہ سے اگر ان غلاموں میں سے (قبضہ کرنے کے بعد) کسی ایک میں دوسرے کا حق ثابت ہوا، تو وہ دوسرے کو واپس نہیں کر سکتا، (بلکہ جس میں حق ثابت ہوا ہے صرف اُسی کو واپس کرے گا)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی نے ماپ سے بکنے والی یا وزن سے بکنے والی چیز خریدی اور اس کے کچھ حصہ میں عیب پایا، تو یا تو پوری چیز واپس کرے یا پوری چیز لے۔مصنفؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ کی اس سے مراد قبضہ کرنے کے بعد ہے۔ اس لئے کہ ماپ والی چیز جب ایک جنس کی ہو تو وہ ایک ہی چیز کے حکم میں ہے۔ کیا آپ نے خیال نہیں کیا کہ اس (ماپ والے برتن) کو ایک ہی نام سے پکارا جاتا ہے یعنی کرّ اور اس کے مانند دوسرے ماپ کے برتن (قفیز اور صاع وغیرہ)۔بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم اُس وقت ہے جب کہ وہ مبیع ایک ہی برتن میں ہو، حتیٰ کہ اگر وہ چیز دو برتنوں میں ہو، تو وہ دو غلاموں کی طرح ہوگی اس لئے وہ اس برتن کو واپس کر سکتا ہے جس میں عیب دار چیز ہے، دوسرے برتن کو واپس نہیں کر سکتا۔اگر چیز کے کچھ حصہ میں دوسرے کا حق ثابت ہوا، تو بقیہ چیز واپس کرنے کا اسے اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ (خریدار کے نقصان کی بناء پر اسے اختیار ہوتا ہے اور یہاں) چیز کے حصے کرنے سے خریدار کو نقصان نہیں پہنچے گا (اور سودا بھی کامل ہو چکا، اس لئے اس طرح کرنے سے سودے میں جدائی نہیں لازم آتی)۔اعتراض ہوا کہ سودا رضامندی سے کامل ہوتا ہے اور یہاں جس کا حق ثابت ہوا ہے جو کہ اصل مالک ہے، اس کی طرف سے رضامندی نہیں ہے، تو تفریق صفقہ (سودے میں جدائی) لازم ہوئی۔مصنفؒ جواب دیتے ہیں

کہ کسی کا حق ثابت ہونا سودا کامل ہونے میں مانع ورکاوٹ نہیں ہے، اس لئے کہ سودے کا کامل ہونا عقد کرنے والے کی رضامندی سے متعلق ہے مالک کی رضامندی سے نہیں، (کیونکہ وہ اس صورت میں اجنبی ہے)۔ یہ حکم چیز پر قبضہ کرنے کے بعد ہے۔ اگر قبضہ سے پہلے یہ صورت پیش آئے، تو خریدار بقیہ چیز واپس کرسکتا ہے کیونکہ سودا کامل ہونے سے پہلے اس کی جدائی لازم آرہی ہے، (اس لئے کہ قبضہ کرنے اور دونوں کی رضامندی سے سودا کامل ہوتا ہے، اور کسی ایک امر کے نہ ہونے سے سودا کامل نہیں ہوگا)۔

اگر وہ چیز کپڑا تھی (اور دوسرے کا حق ثابت ہوا)، تو بقیہ کپڑا واپس کرنے کا اسے اختیار ہے، اس لئے کہ کپڑے کے حصے کرنا اس میں عیب شمار ہوتا ہے (اور بسا اوقات وہ بے فائدہ ہوجاتا ہے۔ اعتراض ہوا کہ خریدار کے پاس نیا عیب یعنی دوسرے کا حق پیدا ہوگیا جو کہ بائع کے پاس نہیں تھا، اس لئے وہ بائع کو واپس نہیں کرسکتا۔ مصنفؒ نے جواب دیا کہ) چیز میں کسی کا حق ظاہر ہونے یہ ثابت ہوگیا کہ یہ عیب فروخت کے وقت موجود تھا (اس لئے واپس کرسکتا ہے)۔ ماپ کر بکنے والی اور وزن کی جانے والی چیز کی حیثیت مختلف ہے (کہ اس میں حصے کرنے سے نقصان نہیں ہوتا تو بقیہ چیز واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا)۔

مسئلہ:۔ کسی نے باندی خریدی اور اس میں زخم پایا تو اس کا علاج کرایا، یا سواری خریدی اور اپنی ضرورت سے اس پر سوار ہوا، تو یہ (عمل عیب پر) رضامندی (کی دلیل) ہے۔ اس لئے کہ یہ عمل چیز کو اپنے پاس باقی رکھنے کے ارادہ کی دلیل ہے۔ خیار شرط کا حکم اس سے مختلف ہے (کہ خیار شرط ہوتے ہوئے اگر اس نے یہ عمل کیا تو اس سے اختیار ختم نہیں ہوگا)۔ اس لئے کہ اختیار چیز آزمانے کے لئے ہے اور

یہ آزمائش استعمال سے ہی ہوگی، تو (سواری پر) سوار ہونے سے اختیار ساقط نہیں ہوگا۔ اگر سواری پر اس لئے سوار ہوا کہ سواری اس کے بائع (یعنی مالک کو) واپس کرے، یا اسے (گھاٹ پر لے جاکر) پانی پلائے، یا اس کے لئے گھاس خریدے، تو یہ اعمال (عیب پر) رضامندی کی دلیل نہیں ہیں۔ واپس کرنے کے لئے سوار ہونا اس لئے (دلیل نہیں ہے) کہ یہی واپس کرنے کا ذریعہ ہے۔ پانی پلانے اور گھاس خریدنے کے امر میں جواب (کہ یہ رضامندی کی دلیل نہیں ہے) اس پر محمول ہے کہ سواری کے علاوہ اس کے پاس (کمزوری یا بڑھاپے کے باعث) مشکل ہونے یا (چلنے سے) عاجز ہونے کی وجہ سے کوئی اور صورت نہ ہو یا گھاس ایک بڑے گٹھڑ میں ہو (کہ پیٹھ پر نہ اٹھا سکے)۔ لیکن اگر (وہ طاقتور ہے اور) اس کے پاس سواری کے علاوہ کوئی اور صورت (ان اعمال کے انجام دینے کے لئے) ہے تو (یہ اعمال عیب پر) رضامندی کی دلیل ہیں۔

مسئلہ:۔ کسی نے ایسا غلام خریدا جس نے چوری کی تھی اور خریدار کو (خریدتے یا قبضہ کے وقت) اس کا علم نہیں ہے، اور خریدار کے پاس اس کے ہاتھ (سزا میں) کاٹے گئے، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خریدار غلام واپس کر دے گا اور اپنی قیمت واپس لے لے گا، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک چور ہونے اور چور نہ ہونے کے درمیان جو قیمت کا فرق ہے صرف اس کے بارے میں رجوع کرے گا۔ (مثلاً اگر چور نہ ہو تو اس کی قیمت دس ہزار ہے اور اگر چور ہو تو اس کی قیمت تین ہزار ہے تو سات ہزار روپے واپس لے گا)۔ اور اسی اختلاف کے ساتھ یہ مسئلہ ہے کہ اگر غلام کو خریدار کے پاس ایسے سبب سے قتل کیا گیا جو بائع کے پاس موجود تھا (تو امام صاحب کے نزدیک وہ پوری قیمت واپس لے گا لیکن صاحبینؒ کے نزدیک وہ صرف قاتل اور غیر

قاتل کی قیمتوں کے باہمی فرق کے بارے میں رجوع کرے گا)۔

اس اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ امور حق ثابت ہونے کے درجہ میں ہیں، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک عیب کے درجہ میں ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بائع کی ملکیت کے وقت غلام میں ہاتھ کٹنے اور قصاص میں قتل ہونے کا سبب موجود تھا، (لیکن حقیقی طور پر یہ دونوں چیزیں نہیں تھیں)، اور یہ سبب غلام کی مالیت کے منافی نہیں ہے (اور عقد مالیت پر منعقد ہوتا ہے)، تو اس میں عقد نافذ ہو جائے گا، لیکن یہ کہ وہ عیب دار ہے، اس لئے اس سے جو نقصان اور کمی آئی ہے، اس کے بارے میں رجوع کرے گا، کیونکہ غلام واپس کرنا متعذر اور ناممکن ہو گیا۔ اور یہ اس صورت کے مشابہ ہو گیا کہ ایک حاملہ باندی خریدی اور وہ خریدار کے پاس بچہ جننے کے عمل سے مر گئی، تو وہ اس صورت میں حاملہ اور غیر حاملہ کے درمیان قیمت کے فرق کے بارے میں رجوع کرتا ہے (اسی طرح یہاں بھی کرے گا)۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ (ہاتھ کٹنے اور قتل ہونے کے) وجوب کا سبب بائع کی ملکیت میں پایا گیا ہے، اور کسی سزا کا وجوب اس کے وجود پر منتج ہوتا ہے تو سزا کا وجود اس کے سابقہ وجوب کی طرف منسوب ہوگا، (جو کہ بائع کی ملکیت میں ثابت ہوا تھا اگرچہ خریدار کے پاس سزا کا وجود ہوا)۔ اور یہ اس صورت کے مشابہ ہو گیا کہ غصب شدہ غلام، مالک کو واپس ملنے کے بعد ایسے جرم کی وجہ سے قتل کیا گیا، یا اس کے ہاتھ کاٹے گئے جس کا وجود غاصب کے پاس ہوا تھا[1]

---

[1] یعنی غاصب کے پاس غلام نے کسی کو قتل کر دیا تھا یا چوری کر لی تھی اور سزا ملنے سے پہلے غاصب نے غلام مالک کو واپس کر دیا، تو اس صورت میں مالک غاصب سے غلام کی کامل قیمت وصول کرے گا، نقصان وصول نہیں کرے گا، کیونکہ سزا کا وجوب غاصب کے پاس ہوا تھا، اسی طرح یہاں ہوگا۔

صاحبینؒ نے باندی کا جو مسئلہ (قیاس کے لئے) ذکر کیا ہے وہ متفقہ نہیں ہے (امام صاحبؒ کے نزدیک اس میں بھی وہ باندی کی کامل قیمت وصول کرے گا)۔ اگر غلام نے بائع کے پاس رہتے ہوئے چوری کی پھر خریدار کے پاس بھی رہتے ہوئے کسی کی چوری کی اور دونوں جرم کے بدلہ میں اس کے ہاتھ کاٹے گئے، تو صاحبین کے نزدیک وہ نقصان کے بارے میں رجوع کرے گا جیسا کہ ہم نے اس کی وجہ ذکر کی، لیکن امام صاحبؒ کے نزدیک نیا عیب پیدا ہونے کے سبب بائع کی رضامندی کے بغیر غلام واپس نہیں کرسکتا (اور اگر اس نے قبول نہیں کیا تو) غلام کی چوتھائی قیمت کے بارے میں رجوع کرے گا، اور اگر بائع اس غلام کو قبول کرنے پر راضی ہوگیا تو وہ قیمت کے تین چوتھائی واپس کرے گا، کیونکہ ہاتھ کی قیمت پورے آدمی کی قیمت کا نصف ہوتی ہے، اور ہاتھ دو جرم (یعنی بائع اور خریدار کے پاس چوری) کی وجہ سے کاٹا گیا اور ایک جرم (یعنی بائع کے پاس چوری کے عیب) کی وجہ سے خریدار رجوع کرسکتا ہے، تو (آدھے کا) آدھا ہوگا (جو کہ ایک چوتھائی ہے، یعنی غلام کی قیمت بائع وخریدار کے پاس عیب کی وجہ سے آدھی ہوگئی تو جو آدھی قیمت ہے اس کا ایک آدھا یعنی چوتھائی بائع کے ذمہ اور ایک آدھا خریدار کے ذمہ ہوگا)۔ اگر غلام کو کئی لوگوں نے یکے بعد دیگرے خریدا، پھر آخری خریدنے والے کے پاس اس کے ہاتھ کاٹے گئے، تو امام صاحبؒ کے نزدیک تمام خریدار غلام کی قیمت کے بارے میں ایک دوسرے سے رجوع کریں گے جس طرح کہ حق ثابت ہونے کے مسئلہ کا حکم ہے، لیکن صاحبینؒ کے نزدیک آخری خریدار اپنے فروخت کرنے والے پر رجوع کرے گا، اور ہر ایک خریدار اپنے فروخت کرنے والے پر رجوع نہیں کرے گا، اس لئے کہ یہ عیب کی طرح ہے اور اس میں یہی حکم ہوتا ہے۔

مصنفؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ کا جامع صغیر میں یہ فرمانا کہ ''خریدار کو اس کا علم نہیں ہے'' صاحبین کے مذہب پر مفید ہے، کیونکہ عیب کا علم رضامندی کی دلیل ہے (تو اس قید کے بغیر ان کے مذہب پر اس کی تخریج نہیں ہوسکتی)، اور امام صاحبؒ کے قول پر صحیح روایت کے مطابق مفید نہیں ہے، کیونکہ دوسرے کے حق کا علم رجوع سے مانع نہیں ہے، (یعنی اس میں علم ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہیں تو عدم علم کی قید مفید نہیں ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ کسی نے غلام تمام عیوب سے اپنی براءت کی شرط کے ساتھ بیچا[1] تو خریدار یہ غلام کسی بھی عیب کی وجہ سے واپس نہیں کرسکتا، اگرچہ بائع نے ہر ہر عیب کی صراحت نہ کی ہو۔

مصنفؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ (اپنے آپ کو) اس طرح بَری کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان کے مذہب کے مطابق اپنے آپ کو مجہول و نامعلوم حقوق سے بَری کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ اپنی دلیل میں فرماتے ہیں کہ بَری کرنے میں تملیک کے معنی پائے جاتے ہیں چنانچہ (جس کو بری کیا اس کی طرف سے) براءت ردّ کرنے (اور قبول نہ کرنے سے) براءت ردّ ہوجاتی ہے، (اور یہی تملیک کی دلیل ہے کیونکہ تملیک میں قبول کرنا شرط ہے، جبکہ اس کے بالمقابل اسقاط میں قبول ضروری نہیں ہے)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ (بری کرنا اسقاط میں سے ہے یعنی اپنا حق معاف کرنا اور) اسقاط میں ابہام جھگڑے کا سبب نہیں بنتا، کیونکہ یہاں کوئی چیز حوالہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے (کہ اس کی وجہ سے جھگڑا ہو) اگرچہ اسقاط کے ضمن میں تملیک کے معنی پائے جاتے ہیں (اسی وجہ سے ردّ کرنے سے ردّ ہوجاتا ہے، لیکن حکم کا مدار اصل حیثیت پر ہے، ضمنی حیثیت پر نہیں)، تو ابہام عقد کو فاسد کرنے والا نہیں ہوگا۔ امام

[1] یعنی یہ کہا کہ اس میں کوئی بھی عیب نکلے میں اس سے بَری ہوں، اس کا ذمہ نہیں لیتا۔

ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق اس براءت میں موجود اور قبضہ سے پہلے کے تمام عیوب داخل ہوں گے، جبکہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس براءت میں (عقد کے بعد) قبضہ سے پہلے پیدا ہونے والے عیب داخل نہیں ہوں گے، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے، اس لئے کہ براءت موجود کو شامل ہوتی ہے۔ امام ابو یوسفؒ دلیل میں فرماتے ہیں کہ اس براءت سے مقصد (خریدار کے لئے) مبیع کے صحیح وسالم ہونے کا حق ساقط کر کے عقد کو لازم کرنا ہے، اور یہ مقصد موجود اور بعد میں پیدا ہونے والے عیوب سے اپنی براءت ظاہر کر کے ہی حاصل ہوگا (اس لئے وہ عیوب بھی اس میں شامل ہوں گے، اور ان میں جو ابہام ہے اس سے عقد میں کچھ فرق نہیں پڑے گا)۔

باب البیع الفاسد

فاسد خرید وفروخت کا بیان[1]

مسئلہ:۔ اگر عوضین میں سے کوئی ایک یا دونوں ایسی چیزیں ہیں جو شرعاً حرام ہیں، تو ان کی خرید وفروخت فاسد ہے۔ جیسے مردار، خون، شراب اور خنزیر کی خرید وفروخت۔ اسی طرح اگر عوض مملوک نہ ہو جیسے آزاد (انسان کی خرید وفروخت)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ مختلف ومتعدد فصلیں ہیں جنہیں علامہ قدوریؒ نے (ایک ہی باب کے تحت) جمع کردیا ہے حالانکہ ان کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت ہے جس کو ہم (ذیل میں) بیان کرتے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہم کہتے ہیں کہ مُردار اور خون کے عوض بیع باطل ہے اسی طرح آزاد (انسان) کے عوض بھی۔ کیونکہ اس میں بیع کا رکن معدوم ہوتا ہے اور وہ رکن مال کے بدلہ میں مال کا تبادلہ ہے۔ اس لئے کہ یہ اشیاء کسی کے نزدیک بھی مال شمار نہیں،

---

[1] بیع کی صحیح قسموں کے بعد مصنفؒ فاسد بیع کو بیان کرتے ہیں۔ اس کی چند قسمیں ہیں۔ باطل، فاسد، موقوف اور مکروہ۔ چونکہ لفظ فاسد عام ہے اور اس کی اقسام زیادہ ہیں اس لئے یہی عنوان قائم کرکے اس کے ذیل میں سب کو بیان کردیا۔ بیع باطل وہ ہے جو اصل اور صفت کے اعتبار سے صحیح نہ ہو یا بیع کے کسی رکن میں خلل واقع ہو جائے۔ اس سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ بیع فاسد وہ ہے جو اصل کے اعتبار سے صحیح ہو مگر صفت کے اعتبار سے غلط ہو یا جس میں رکن کے علاوہ کسی اور چیز میں خلل واقع ہو۔ اس میں قبضہ کرنے کے بعد ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ بیع موقوف وہ ہے کہ جو اصل اور صفت کے اعتبار سے صحیح ہو لیکن مالک کی اجازت پر موقوف ہو۔ اس میں اجازت کے بعد ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ بیع مکروہ وہ ہے کہ جو اصل وصفت کے اعتبار سے صحیح ہو لیکن اس میں شرعاً نہی بھی آگئی ہو جیسے جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت۔

ہوتیں۔ شراب اور خنزیر کے بدلہ میں بیع فاسد ہے (باطل نہیں ہے) کیونکہ اس میں بیع کی حقیقت موجود ہے جو کہ مال کے بدلہ میں مال کا تبادلہ ہے۔ اس لئے کہ یہ چیزیں بعض (یعنی اہل کتاب) کے نزدیک مال شمار ہوتی ہیں۔

باطل بیع کا حکم یہ ہے کہ اس سے تصرّف اور استعمال کی ملکیت کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ اگر بیع باطل کی صورت میں مبیع خریدار کے پاس ضائع ہوجائے تو (کوئی ضمان نہیں ہے کیونکہ) وہ بعض مشائخ (یعنی ابونصر احمد بن علیؒ) کے نزدیک امانت ہے۔ اس لئے کہ اس عقد کا اعتبار نہیں ہے، تو چیز پر خریدار کا قبضہ مالک کی اجازت سے باقی رہا (اور یہ امانت کی صورت ہے)۔ اور بعض کے نزدیک اس کی ضمان ہے، کیونکہ یہ مبیع اس چیز سے کمتر حالت میں نہیں جو بھاؤ کرنے کے لئے خریدار کے قبضہ میں دیتے ہیں[1] (اور وہ مضمون ہے تو اس صورت میں بھی وہ چیز مضمون ہوگی)۔

بعض نے کہا کہ پہلا قول امام ابوحنیفہؒ کا اور دوسرا قول صاحبینؒ کا ہے، جیسا کہ اُم ولد اور مدبر[2] کے بارے میں (اگر فروخت کے بعد ہلاک ہوجائیں) ان کے اقوال ہیں۔ ان شاء اللہ ہم اسے آگے بیان کریں گے۔

بیع فاسد سے قبضہ کے فوراً بعد ملکیت کا حق حاصل ہوجاتا ہے، اور اس صورت میں مبیع، خریدار کے قبضہ میں مضمون ہوتی ہے (یعنی اگر ہلاک ہوگئی تو ضمان

---

[1] یعنی اگر کسی نے کوئی چیز خریدنے کی نیت سے اپنے قبضہ میں لی، اور سودا مکمل نہیں ہوا، تو یہ چیز مضمون ہوگی یعنی اگر ہلاک ہوگئی، تو ضمان لازم آئے گی، تو اسی طرح بیع باطل میں بھی ہونا چاہئے، کیونکہ یہ تو اس سے زیادہ قوی حالت میں ہے کہ سودا مکمل ہوچکا ہے۔

[2] امّ ولد وہ باندی جس سے آقا کا بچہ ہو اور مدبر وہ ہے جسے آقا کہدے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ ان کی فروخت صحیح نہیں ہے۔ اگر فروخت کردیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک امانت اور صاحبین کے نزدیک مضمون ہوگی اور ہلاک ہونے کی صورت میں ضمان لازم آئے گی۔

لازم آئے گی)۔اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔اُسے ہم اِس کے بعد ان شاءاللہ بیان کریں گے۔اسی طرح مُردار،خون اور آزاد انسان کی فروخت بھی باطل ہے،کیونکہ یہ چیزیں مال نہیں ہیں۔تو فروخت کا محل بھی نہیں ہوں گی (کیونکہ فروخت کا محل مال ہوتا ہے)۔

شراب اور خنزیر کی فروخت میں اگر ان کے مقابلہ میں روپے پیسے دیئے ہیں،تو یہ فروخت باطل ہوگی اور اگر ان کے مقابلہ میں کوئی چیز ہے (مثلاً ایک طرف سے کپڑا وغیرہ اور دوسری طرف سے شراب یا خنزیر) تو یہ فروخت فاسد ہے۔حتیٰ کہ جو چیز ان کے عوض میں دی گئی ہے،اس کی ملکیت (قیمت کے ساتھ) ثابت ہوجائے گی (یعنی اگر کپڑا تھا تو اس کی قیمت دینی پڑے گی) اگرچہ عین شراب اور خنزیر کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی۔اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ شراب اور خنزیر اہل ذمّہ (یعنی کافروں) کے نزدیک مال ہے،مگر یہ کہ قابل قیمت نہیں ہیں،کیونکہ شریعت نے ان کی اہانت کرنے اور ان کا اعزاز ختم کرنے کا حکم دیا ہے اور عقد کے ذریعہ بالقصد ان کی ملکیت حاصل کرنے سے (کہ انہیں مبیع بنایا جائے) ان کا اعزاز ہوتا ہے۔وہ اس طرح کہ جب کوئی ان دونوں کو روپیہ کے بدلہ میں خریدتا ہے تو روپیہ اصل مقصود نہیں ہوتا،کیونکہ وہ تو محض وسیلہ (اور آلہ) ہے جو کہ ذمّہ میں واجب ہوجاتا ہے[1] نقد ادا کرنا ضروری نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں اصل مقصود شراب (اور خنزیر) ہوجاتی ہے (اور وہ شرعاً قابل قیمت نہیں ہیں)،تو قیمت جو لگائی تھی وہ بالکل ساقط ہوجائے گی

[1] روپیہ پیسہ ثمن ہے،ان کے ذریعہ چیزوں کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔اس میں چیز مقصود ہوتی ہے روپیہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ وہ تبادلہ کا ذریعہ ہوتا ہے۔تو اگر شراب کو روپیہ کے بدلہ میں بیچیں گے تو شراب مقصود ہوجائے گی اور اگر کپڑے کے بدلہ میں بیچیں گے تو شراب روپیہ کی جگہ آجائے گی اور اس کا اعزاز ختم ہوجائے گا۔

(اور اس کے ساتھ ہی بیع کے ارکان نہ ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہو جائے گی)۔
بخلاف اس صورت کے کپڑے کو شراب کے بدلہ میں بیچا جائے (تو اس سے شراب کی عزت افزائی نہیں ہوگی) اس لئے کہ کپڑا خریدنے والے نے شراب کے بدلہ کپڑے کی ملکیت حاصل کرنے کا ارادہ کیا ہے (اور شراب کو ثمن بنا کر اس سے جان چھڑائی)، تو اس صورت میں کپڑے کا اعزاز ہوتا ہے، نہ کہ شراب کا۔ اور (اس فروخت میں) شراب کا ذکر کپڑے کی ملکیت حاصل کرنے میں معتبر رہا، نفسِ شراب کے حق میں معتبر نہیں رہا۔ حتیٰ کہ اس کا ذکر فاسد ہو گیا اور کپڑے کی (مروّجہ) قیمت واجب ہوئی نہ کہ شراب (یعنی اس کے بدلہ میں شراب نہیں دی جائے گی)۔ یہ حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ شراب کو کپڑے کے بدلہ میں بیچے (بظاہر اس میں شراب مبیع اور کپڑا روپیہ کی جگہ غیر مقصود ہے اور یہ جائز نہیں ہونا چاہئے، لیکن جواز) اس لئے کہ اس میں یہ تصور کریں گے کہ کپڑے کو شراب کے بدلہ میں خریدا ہے۔ کیونکہ یہ بیع مقایضہ ہے، (یعنی مال کے بدلہ میں مال اس میں ہر ایک کو مبیع یا ثمن بنا سکتے ہیں)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ: اُمّ ولد، مدبّر اور مکاتب کی فروخت فاسد ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ: فاسد سے مراد باطل ہے۔ اس لئے کہ امّ ولد کی آزادی کا حق نبی کریم ﷺ کے اس قول سے ثابت ہو گیا ہے کہ ''اسے اس کے بچہ نے آزاد کر دیا''۔ مدبّر کے حق میں فوراً ہی آزادی کا سبب منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ (اگر فوراً ہی منعقد نہ ہوگا تو عاقل بالغ کا کلام لغو ہوگا نیز آقا کے مرنے کے بعد منعقد ہوگا لیکن) موت کے بعد آقا کی آزادی دینے کی اہلیت باطل ہو جاتی ہے (لہٰذا آقا کی زندگی میں فوراً ہی یہ سبب منعقد ہو جائے گا اور اس کی وفات کے بعد واقع ہوگا)۔ مکاتب (جو کہ آزادی حاصل کرنے کے لئے کمائی کر کے آقا کو مطلوبہ رقم دیتا ہے اس) کا آقا کے حق میں اپنی ذات پر قبضہ کا حق ثابت ہو گیا (کیونکہ آقا اس کی

مکاتبت کے معاہدہ کو اپنی مرضی سے فسخ نہیں کرسکتا، تو مکاتب کو بھی آزادی کا حق آ گیا) اب اگر فروخت سے ملکیت ثابت ہوگی، تو (ان) سب (میں آزادی کا حق) باطل ہو جائے گا، اس لئے یہ فروخت جائز نہیں ہے۔ اگر مکاتب اس فروخت پر خود راضی ہے، تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ زیادہ ظاہر و غالب روایت یہ ہے کہ (اس کی رضامندی سے یہ فروخت) جائز ہے۔ (گویا کہ اس نے خود مکاتبت کو فسخ کر دیا)۔ اس مسئلہ میں مدبّر سے مراد مطلق مدبّر ہے، مقید مراد نہیں ہے۔ (مقید سے مراد وہ مدبّر ہے جس سے آقا کہے کہ اگر میں اس بیماری میں مر گیا یا اس سفر سے واپس آ گیا تو تو آزاد ہے)۔ مطلق مدبّر میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے (کہ ان کے نزدیک مدبّر کی فروخت جائز ہے) اسے ہم نے تفصیل سے کتاب العتاق میں ذکر کر دیا ہے۔

مسئلہ: امام محمدؒ نے فرمایا کہ: اگر اُمّ ولد یا مدبّر (خریدنے کے بعد) خریدار کے پاس مر جائیں، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر ان کی کوئی ضمان نہیں ہے لیکن صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس پر ان دونوں کی قیمت لازم ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ: امام صاحب سے بھی ایسی ہی ایک روایت ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان پر قبضہ بیع کی وجہ سے ہے، تو خریدار پر ان کی ضمان ہوگی جس طرح کہ دیگر تمام اموال کا حکم ہے (کہ ان پر قبضہ اگر بیع کی وجہ سے ہو تو اس کی ضمان ہوتی ہے)۔ یہ اس لئے کہ مدبر اور اُمّ ولد عقد بیع کے تحت آ سکتے ہیں حتیٰ کہ جو چیز ان کے ساتھ ملا کر بیچی جائے، اُس کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے (مثلاً ایک غلام کو مدبّر یا ام ولد کے ساتھ ملا کر ایک ساتھ بیچا اور ہر ایک کی قیمت بھی بیان کر دی، تو غلام کی فروخت صحیح ہو جائے گی۔ لیکن مدبّر یا اُمّ ولد کی فروخت صحیح نہیں ہوگی۔ صاحبینؒ کے نزدیک مکاتب کو اگر بیچا اور وہ ہلاک ہو گیا تو اس کی ضمان نہیں ہے حالانکہ بظاہر وہ بھی مدبّر اور ام ولد کی طرح ہے۔ اس فرق کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ) مکاتب کی حیثیت اس سے مختلف

ہے، کیونکہ وہ اپنی ذات کا مالک ہے، تو (اس کو خریدنے میں) اس کے حق میں خریدار کا قبضہ ثابت نہیں ہوگا جبکہ ضمان قبضہ ہی کی وجہ سے لازم آتی ہے (جب قبضہ نہیں ہوا تو ضمان بھی لازم نہیں آئے گی)۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ بیع کی جہت حقیقت میں ایسے محل سے متعلق ہوتی ہے، جو بیع کی حقیقت (یعنی قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہونے) کو قبول کرے۔ اور مدبّر واُم ولد دونوں بیع کی حقیقت کو قبول نہیں کرتے (یعنی قبضہ کے بعد بھی ان پر ملکیت ثابت نہیں ہوتی)، تو یہ دونوں مکاتب کی طرح ہو گئے (کہ جس طرح وہ بیع کی حقیقت قبول نہیں کرتا یہ بھی نہیں کرتے)۔ صاحبینؒ نے جو یہ فرمایا تھا کہ وہ عقد بیع کے تحت آ سکتے ہیں یا ان پر بیع واقع ہوتی ہے، اس کا جواب دے رہے ہیں کہ) یہ دونوں بیع میں اپنی ذات کے اعتبار سے داخل نہیں ہوتے (اور بیع کا ان پر کچھ اثر نہیں پڑتا) اور جو نظیر آپ نے پیش کی ہے اس میں یہ بیع میں اس لئے داخل ہوئے ہیں تا کہ جو چیز ان کے ساتھ ملائی گئی ہے اس میں بیع کا حکم ثابت ہو جائے، تو یہ خریدار کے مال کی طرح ہو گیا (کہ بائع نے خریدار کے غلام کے ساتھ اپنا غلام ملا کر بیچا) تو خریدار کا مال تنہا اس عقد کے حکم میں داخل نہیں ہوگا، بلکہ بیع میں داخل ہونے کا حکم اس چیز میں ہوگا جسے خریدار کے مال کے ساتھ ملایا گیا (یعنی صرف بائع کے غلام میں حکم ثابت ہوگا اور خریدار اپنے غلام کی قیمت بائع سے لے لے گا) اسی طرح یہاں ہوگا۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ: شکار کرنے سے پہلے مچھلی کی فروخت جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے ایسی چیز بیچی جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے اور نہ اس مچھلی کی فروخت جائز ہے جو چھوٹے سے تالاب میں ہو اور اس کو شکار کے بغیر نہ پکڑ سکتے ہوں۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ اس صورت میں بیچنے والے کو مچھلی حوالہ کرنے کی قدرت نہیں ہے۔ اس مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ مچھلیاں دریا سے پکڑ کر

تالاب میں ڈالدیں (اور دوبارہ انہیں شکار کے بغیر نہیں پکڑ سکتا) اگر انہیں تالاب میں سے بغیر کسی تدبیر وکوشش کے لے سکتا ہے تو تالاب میں فروخت کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر مچھلیاں اس تالاب میں خود آجاتی ہیں اور ان کے آنے کا راستہ بند نہیں کیا تو انہیں تالاب سے نکالے بغیر بیچنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اس کی ملکیت میں نہیں ہیں۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: ہوا میں اڑتے ہوئے پرندہ کی فروخت جائز نہیں ہے۔ مصنفؒ نے اس کی وجہ بیان کی: اس لئے کہ وہ پرندہ قبضہ کرنے سے پہلے اس کا مملوک نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اُسے ہاتھ سے چھوڑا (اور ہوا میں اُڑایا تو اس کی فروخت صحیح نہیں ہے)، کیونکہ اب پرندہ حوالہ کرنے کی قدرت اس میں نہیں ہے۔

پیٹ کے حمل اور حمل کے حمل کی فروخت بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حمل اور حمل کے حمل کی فروخت سے منع کیا ہے۔ نیز اس میں دھوکہ بھی ہے (کہ حمل یا حمل کا حمل پیدا ہو یا نہ ہو)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: تھن میں موجود دودھ کی فروخت بھی صحیح نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اس میں دھوکہ ہے شاید کہ وہ تھن پھولا ہوا ہو (اور اس میں دودھ نہ ہو) نیز دودھ نکالنے کی کیفیت میں جھگڑا ہو سکتا ہے (کہ خریدار نکالنے میں مبالغہ کرے گا اور بائع اس میں کچھ دودھ چھوڑے گا)۔ اور بسا اوقات تھن میں دودھ زیادہ ہو جاتا ہے، تو مبیع غیر مبیع کے ساتھ مخلوط ہو جائے گی (یعنی اضافی دودھ مبیع نہیں ہے اور وہ اس دودھ کے ساتھ مل گیا جو کہ عقد کے وقت تھن میں موجود تھا اور دونوں میں امتیاز مشکل ہے، اس لئے یہ بیع صحیح نہیں ہے)۔

مسئلہ:۔ مویشی کی پیٹھ پر (جو) اون (ہے اس) کی فروخت صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اون جانور کی صفات (اور اس کے اجزاء) میں سے ہے (اور صفت

وتابع کو اصل کے بغیر فروخت کرنا صحیح نہیں ہے)۔ نیز اون نیچے سے اگتی ہے، تو مبیع غیر مبیع کے ساتھ مخلوط ہو جائے گی۔

(درخت کے تنوں کی فروخت صحیح ہے، حالانکہ اس میں بھی اضافہ ہوتا ہے تو اس کا جواب دیا کہ) تنوں کا حکم اس سے مختلف ہے، اس لئے کہ وہ اوپر سے بڑھتے ہیں (نیچے سے نہیں، تو اضافہ خریدار کی ملکیت میں ہوتا ہے)۔ اور گھاس کا حکم بھی اس سے مختلف ہے۔ (کہ اس کا فروخت کرنا صحیح ہے۔ اس میں بھی اگرچہ نیچے کی طرف سے اضافہ ہوتا ہے، لیکن جواز ہے) اس لئے کہ اس کا اکھیڑنا ممکن ہے (عقد کے فوراً بعد گھاس کو اکھیڑ لیا جائے گا تو اس میں اضافہ نہیں ہوگا۔ اون میں ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ) اون میں کاٹنا متعین ہے (اکھیڑنے اور نوچنے کا رواج نہیں ہے)۔ تو کاٹنے کی جگہ میں جھگڑا ہوگا (بائع پیٹھ کے ذرا اوپر سے کٹوائے گا اور خریدار بالکل پیٹھ پر سے کٹوائے گا)۔ نبی کریم ﷺ سے صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے مویشی کی پیٹھ کی اون، تھن میں دودھ اور دودھ میں گھی مکھن کی فروخت سے منع کیا ہے۔ اون کے بارے میں یہ حدیث امام ابویوسفؒ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ انہوں نے ایک روایت کے مطابق اس کی فروخت کو جائز قرار دیا ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: چھت میں لگے ہوئے شہتیر اور کپڑے (یعنی قمیص وغیرہ) میں سے ایک گز کی فروخت صحیح نہیں ہے، کاٹنے کا ذکر کریں یا نہ کریں۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ کچھ نقصان کے بغیر (یعنی چھت توڑنے اور کپڑے کو کاٹنے کے بغیر) یہ دونوں چیزیں حوالہ کرنا ممکن نہیں ہیں۔ چاندی کے ایک ٹکڑے میں سے دس درہم کی فروخت کا حکم اس سے مختلف ہے (کہ وہ جائز ہے۔ اس میں بھی اگرچہ چاندی کے حصے کرنے پڑتے ہیں لیکن) چونکہ اس کے حصے کرنے میں کوئی نقصان نہیں (تو یہ فروخت جائز ہے)۔ اگر چھت کا شہتیر اور کپڑے کا

حصہ فروخت میں متعین نہ ہو، [1] تو بھی جائز نہیں۔ وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی (کاٹنے سے نقصان ہوگا) نیز اس میں ابہام بھی ہے۔ اگر بائع نے خریدار کے فسخ کرنے سے [2] پہلے ایک گز کپڑا کاٹ دیا یا شہتیر الگ کردیا تو بیع صحیح ہوجائے گی، کیونکہ فساد کی وجہ (جوکہ نقصان ہے بائع کی مرضی سے) زائل ہوگئی۔ لیکن اگر کھجور میں (موجود) گٹھلی کو یا تربوز میں (موجود) بیج کو بیچا تو اس کا حکم اس سے مختلف ہے، کہ اگر ان دونوں (کھجور اور تربوز) کو پھاڑا اور مبیع (گٹھلی اور بیج) کو نکالا تب بھی بیع صحیح نہیں ہوگی۔ (اس لئے کہ شروع ہی سے یہ بیع واقع نہیں ہوئی) کیونکہ ان کے وجود میں احتمال ہے (کہ گٹھلی اور بیج شاید موجود ہوں یا نہ ہوں)۔ جبکہ شہتیر تو ایک موجود چیز ہے (اس لئے اس پر ابتداءً بیع فاسد واقع ہوگی اور فساد کی وجہ زائل ہونے سے صحیح ہوگی)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: شکاری کے جال پھینکنے کی بیع ناجائز ہے۔ مصنفؒ نے وضاحت کی اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دفعہ جال پھینکنے سے جو بھی شکار اس میں سے نکلا (اسے بیچتا ہوں، تو یہ بیع صحیح نہیں ہے) کیونکہ یہ مبہم و نامعلوم ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں دھوکہ ہے۔

مسئلہ:۔ بیع مزابنہ ناجائز ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کھجور کے درخت پر موجود پھلوں کو ان کے تخمینی وزن کے برابر توڑی ہوئی کھجور کے بدلہ میں بیچنا۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع کیا ہے۔ مزابنہ کی تفصیل ہم نے ذکر کردی۔ محاقلہ یہ ہے کہ گندم کی بالی میں موجود گندم کو ان کے تخمینی وزن کے برابر دوسرے گندم کے بدلہ میں بیچنا۔ ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے ایک ناپ

---

[1] یعنی یہ معلوم نہ ہو کہ قمیص یا کرتے میں سے کس طرف سے ایک گز۔

[2] بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ اسے فسخ کیا جائے۔ اس لئے یہ قید لگائی کہ فسخ سے پہلے جو بیع فاسد ہے اگر اس طرح کرلیا جائے تو بیع صحیح ہوجائے گی اور فسخ کے بعد بیع ختم ہوجائے گی تو صحیح کیسے ہوگی۔

والی چیز کو اس کی جنس کی دوسری ناپ والی چیز کے بدلہ میں فروخت کیا اور یہ اندازہ سے بیچنا جائز نہیں ہے جیسا کہ اگر یہ دونوں قسم کے گندم زمین پر رکھے ہوں (اور وہ ایک کو دوسرے کے بدلہ میں اندازہ سے بیچے تو یہ جائز نہیں ہے)۔ اسی طرح انگور کو کشمش کے بدلہ میں اس طرح بیچنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پانچ وسق سے اگر کم ہوں تو (ان کو ایک دوسرے کے بدلہ میں بیچنا) جائز ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے مزابنہ سے منع کیا ہے اور عرایا میں رخصت دی ہے۔ عرایا یہ ہے کہ کھجور کے درخت میں لگے ہوئے پھلوں کو پانچ وسق [1] سے کم میں ان کا اندازہ کر کے توڑی ہوئی کھجور کے بدلہ میں بیچے۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ لغت میں عریّہ، عطیہ کے معنی میں ہے۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہبہ (عطیہ) لینے والا درخت پر لگے ہوئے پھل توڑی ہوئی کھجور کے بدلہ میں ہبہ کرنے والے کو بیچ دے، یہ مجازاً بیع ہے (حقیقت میں بیع نہیں ہے)، کیونکہ جس کو ہبہ کیا ہے وہ ان پھلوں کا مالک نہیں ہوا (اس لئے کہ اس نے قبضہ نہیں کیا اور ہبہ میں قبضے کے بغیر ملکیت نہیں آتی) تو یہ ابتداء سے احسان ہوگا۔ [2]

مسئلہ: ۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: مال پر کنکری مار کر سودا کرنا، ملامسہ اور

---

[1] وسق ایک پیمانہ ہے جو کہ ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ [2] حجاز میں یہ دستور تھا کہ ایک شخص اپنے باغ کے کچھ حصے کے درخت پر لگے ہوئے پھل کسی کو عطیہ (ہبہ) کر دیتا تھا۔ عطیہ لینے والا شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ درخت اور پھل کی دیکھ بھال کے لئے آتا رہتا تھا جس سے مالک کو اپنے باغ میں ان کے ہر وقت داخل ہونے سے حرج ہوتا تھا اور وہ مروّت کی وجہ سے منع نہیں کرتا تھا، تو ان پھلوں کا اندازہ کر کے ان کے بدلہ کھجور دے کر اسے راضی کر لیتا اور اپنے باغ کو اس سے خالی کروالیتا۔ یہ معاملہ اکثر پانچ وسق سے کم میں ہوتا تھا، تو راوی نے اسے کلیہ بنا کر اس طرح بیان کیا۔ اسے بیع نہیں کہہ سکتے، کیونکہ عطیہ لینے والے نے ابھی تک قبضہ نہیں کیا اور بیع کے لئے چیز کا ملکیت میں ہونا ضروری ہے، تو یہ ایک عطیہ کا دوسرے عطیہ کے ساتھ تبادلہ ہے۔

منابذہ۔ یہ تینوں بیع جائز نہیں ہیں۔ مصنفؒ نے فرمایا: یہ زمانہ جاہلیت کی بیع ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے کہ دو شخص کسی سامان کا سودا کرتے، اگر کسی خریدار نے اس سامان کو چھولیا یا بائع نے وہ سامان خریدار کی طرف پھینک دیا یا خریدار نے اس پر کنکر وغیرہ رکھ دیا تو بیع لازم ہو جاتی تھی (خواہ رضامندی ہو یا نہ ہو)۔ ان میں سے پہلی کا نام ملامسہ، دوسری کا نام منابذہ اور تیسری کا نام پتھر رکھنے یا کنکری مارنے کی بیع ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تحقیقی طور پر ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں بیع کو شرط اور تردّد کے ساتھ معلّق کرنا موجود ہے (جس کا نتیجہ قمار یعنی جُوا ہوتا ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ: دو (یا تین) کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی فروخت جائز نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ مبیع مبہم و نامعلوم ہے۔ اور اگر کہا کہ: اس شرط پر کہ ان میں سے جو اسے پسند ہو وہی کپڑا لینے کا اختیار ہے، تو یہ بیع بطور استحسان جائز ہے۔ ہم نے اس کی فروعات کو (خیار شرط میں) ذکر کر دیا ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: چراگاہ کی فروخت اور اس کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: چراگاہ سے مراد گھاس ہے [1] (زمین نہیں کیونکہ اس کی فروخت اور اجارہ جائز ہے)۔ فروخت اس لئے جائز نہیں کہ یہ غیر مملوک چیز پر واقع ہوگی (گھاس غیر مملوک ہے) اس لئے کہ حدیث نبوی کی بناء پر سب لوگ اس کی ملکیت میں برابر کے شریک ہیں [2] کرایہ پر دینا اس لئے جائز نہیں کہ کرایہ کا عقد

---

[1] اس سے مراد وہ گھاس ہے جو کسی کی مملوکہ زمین پر نہ ہو۔ اگر کسی نے اپنی مملوکہ زمین پر خود گھاس اُگائی تو وہ اس کی مملوک ہے اور وہ گھاس فروخت کر سکتا ہے۔

[2] یعنی یہ سب کی مشترکہ چیز ہے سب اس کے مالک ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لوگ تین چیزوں (کی ملکیت) میں برابر کے شریک ہیں، پانی، گھاس اور آگ"۔

ایک مباح چیز کو ضائع کرنے پر منعقد ہوگا (کیونکہ گھاس کا فائدہ اس کے کھانے سے حاصل ہوگا، اس کے باقی رہنے سے حاصل نہیں ہوگا جبکہ کرایہ ان چیزوں کا جائز ہے جن کی اصل باقی رکھتے ہوئے ان سے نفع حاصل کیا جائے)۔ اگر مملوک چیز کے ضائع کرنے پر کرایہ کا عقد کیا جائے کہ گائے کرایہ پر لی تاکہ اس کا دودھ پیئے، تو یہ جائز نہیں، تو چراگاہ کا کرایہ بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ تو غیر مملوک ہے۔

مسئلہ:۔ شہد کی مکھی کی فروخت جائز نہیں ہے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ایک جگہ محفوظ و مجتمع ہوں تو ان کی فروخت جائز ہے۔ یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ اس لئے کہ یہ حقیقت میں اور شرعی اعتبار سے نفع بخش حیوان ہے، تو اس کی فروخت بھی جائز ہے اگرچہ اسے کھایا نہیں جاتا جیسے خچر اور گدھا ہے (کہ انہیں کھایا نہیں جاتا مگر وہ نفع بخش جانور ہیں اور ان کی فروخت جائز ہے)۔ امام ابوحنیفہؒ و ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ: یہ اصل میں کیڑوں کی ایک قسم ہے، تو اس کی فروخت بھی جائز نہیں ہے جیسے بھڑیں۔ (امام محمدؒ نے جو فرمایا تھا کہ یہ نفع بخش جانور ہے، اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ) شہد کی مکھی سے جو شہد نکلتا ہے اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے، خاص شہد کی مکھی سے نفع حاصل نہیں کیا جاتا، تو شہد نکلنے سے پہلے یہ نفع بخش جانور نہیں ہوا۔ اگر شہد کا چھتہ جس میں شہد اور مکھیاں ہیں، ان کے سمیت فروخت کیا، تو ان مکھیوں کی فروخت شہد کے تابع ہو کر جائز ہے۔ علامہ کرخیؒ نے اس کو اسی طرح ذکر کیا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ریشم کے کیڑوں کی فروخت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بھی کیڑوں کی ایک قسم ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ: اگر ان میں ریشم ظاہر ہو جائے تو ریشم کے تابع ہو کر جائز ہے۔ جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک ہر حال میں جائز ہے، اس لئے کہ یہ کیڑا نفع بخش ہے۔

ریشم کے کیڑوں کے انڈوں کی فروخت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔اس لئے کہ اس کی ضرورت ہے۔کسی نے کہا کہ امام ابویوسفؒ، امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں، جیسا کہ ریشم کے کیڑوں کے بارے میں (جبکہ ان میں ریشم ظاہر نہ ہو) امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں۔

کبوتروں کی اگر تعداد معلوم ہو اور ان کا حوالہ کرنا ممکن ہو، تو ان کی فروخت جائز ہے۔اس لئے کہ یہ ایسا مال ہے جسے حوالہ وسپرد کرنے کی قدرت ہے۔

مسئلہ:۔ بھگوڑے غلام کی فروخت ناجائز ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے حوالہ کرنے کی قدرت نہیں ہے۔مگر یہ کہ ایسے شخص کو غلام فروخت کرے، کہ جس کے بارے میں یہ گمان ہے کہ غلام اس خریدنے والے کے پاس ہے۔ اس لئے کہ نہی خاص بھگوڑے غلام کے بارے میں ہے اور خاص بھگوڑا وہ ہے جو معاملہ کرنے والوں کے درمیان بھگوڑا ہو۔اور یہاں یہ غلام خریدار کے حق میں بھگوڑا نہیں ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ جب غلام خریدار کے پاس ہوگا تو حوالہ کرنے سے عاجزی معدوم ہوگی اور فروخت میں یہی (یعنی حوالہ کرنے سے عاجزی) مانع تھی (جب مانع دور ہوگیا تو فروخت جائز ہوگئی)۔

اگر غلام خریدار کے پاس ہو اور اس نے غلام لیتے وقت (جب وہ اس کے پاس بھاگ کر آیا تھا) گواہ قائم کر لئے تھے تو صرف بیع کا معاملہ کرنے ہی سے وہ غلام پر فروخت کا قبضہ کرنے والا نہیں ہوگا، اس لئے کہ غلام اس کے پاس امانت ہے (اور امانت کی ضمان نہیں ہوتی، اس لئے کہ) امانت کا قبضہ، فروخت کے قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوتا (کیونکہ فروخت کا قبضہ قابلِ ضمان ہوتا ہے)۔اگر خریدار نے غلام پکڑتے وقت گواہ قائم نہیں کئے تھے تو ضروری ہے کہ صرف عقد ہی سے وہ فروخت کا قبضہ

کرنے والا ہو۔اس لئے کہ (اس وقت غلام پر قبضہ) غصب کا قبضہ ہے (اور وہ قابلِ ضمان ہوتا ہے اور ایک قابلِ ضمان قبضہ دوسرے قابلِ ضمان قبضہ کا نائب ہوسکتا ہے)۔

اگر کسی نے کہا کہ: تمہارا غلام فلاں شخص کے پاس (بھاگ کر گیا) ہے، اور وہ تم مجھے فروخت کردو، مالک نے فروخت کردیا، تو یہ جائز نہیں ہے۔اس لئے کہ وہ غلام معاملہ کرنے والوں کے لحاظ سے بھگوڑا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مالک، غلام حوالہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اگر بھگوڑے غلام کو فروخت کیا (اور معاملہ طے ہوگیا، لیکن حوالہ نہیں کیا کیونکہ غلام موجود نہیں ہے) اتنے میں غلام واپس مالک کے پاس آ گیا، تو سابقہ عقد تام نہیں ہوگا (کہ بغیر ایجاب وقبول کے غلام اس کے حوالہ کردے، بلکہ نئے عقد کی ضرورت ہوگی)۔اس لئے کہ سابقہ عقد باطل تھا کیونکہ بیع کا محل (جو کہ غلام ہے) معدوم تھا جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پرندہ کو فروخت کرنا (اگر ہوا میں اڑتے ہوئے پرندہ کو فروخت کیا اور مجلس ختم ہونے سے پہلے اسے پکڑ کر حوالہ کیا تو یہ بیع صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بھی باطل ہے اور باطل پر نئے عقد کی بناء نہیں ہوسکتی ہے)۔امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ اگر سابقہ عقد فسخ نہیں کیا تھا تو غلام کے واپس آنے سے عقد تام ہوجائے گا (جدید عقد کی ضرورت نہیں ہے)۔اس لئے کہ (غلام کی) مالیت ہونے کی وجہ سے عقد منعقد ہوگیا تھا (لیکن مانع کی وجہ سے تام نہیں ہوا تھا)۔اور مانع دور ہوگیا جو کہ حوالہ کرنے سے عاجزی ہے جیسا کہ غلام فروخت کے بعد (قبضہ سے پہلے) بھاگ جائے (پھر مجلس بیع ختم ہونے سے پہلے واپس آجائے تو فروخت تام ہوجاتی ہے، جدید عقد کی ضرورت نہیں ہے)۔امام محمدؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: عورت کا دودھ جو پیالہ میں ہو، اس کی

فروخت ناجائز ہے۔(پستان میں اگر ہوتو بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہے جس طرح جانور کے تھن کے دودھ کی فروخت ناجائز ہے)۔مصنفؒ نے فرمایا: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی فروخت جائز ہے، اس لئے کہ یہ پاکیزہ مشروب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ انسان کا جزء ہے۔اور انسان اپنے تمام اعضاء سمیت معزز اور فروخت کی اہانت سے محفوظ ہے۔ظاہر الروایت میں آزاد اور باندی کے دودھ میں حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں (کہ دونوں کی فروخت ناجائز ہے)۔لیکن امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ باندی کے دودھ کی فروخت جائز ہے، اس لئے کہ فروخت کا معاملہ اس کی ذات پر کرنا جائز ہے، تو اسی طرح اس کے جزء پر بھی کرنا جائز ہے۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ: غلامی اس کی ذات پر داخل ہوتی ہے لیکن دودھ میں کوئی غلامی نہیں ہے۔اس لئے کہ غلامی ایسے محل کے ساتھ خاص ہے جس میں قوت (یعنی آزادی) ثابت ہو سکے جو کہ غلامی کی ضد ہے اور وہ محل زندگی ہے لیکن دودھ میں کوئی زندگی نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: خنزیر کے بال کی فروخت ناجائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ وہ ذاتی طور پر نجس ہے، تو اس کی فروخت ناجائز ہے تا کہ اس کی توہین ہو۔ضرورت کی بناء پر اس (کے بال) سے موزہ سینے کے لئے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اس لئے کہ یہ عمل اس کے بغیر نہیں ہو سکتا اور (فروخت پھر بھی جائز نہیں کیونکہ یہ) مباح الاصل ہونے کی بناء پر عام طور پر پایا جاتا ہے (جیسے گھاس اور آگ ہے)، تو اس کی فروخت کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر یہ بال تھوڑے پانی (جو دہ دردہ[1] سے کم ہو، اس) میں گر جائے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پانی کو خراب کر دے گا لیکن امام محمدؒ کے نزدیک خراب نہیں کرے گا، کیونکہ اس سے فائدہ اٹھانا مطلق ہے (کوئی خاص قید نہیں ہے) اور یہ اس

---

[1] 'دہ دردہ' وہ حوض جس کی لمبائی اور چوڑائی دس دس ہاتھ ہو۔

کے پاک ہونے کی دلیل ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں اطلاق ضرورت کی بناء پر ہے، تو استعمال کی حالت ہی میں اس کی ضرورت ظاہر ہوگی۔ اور پانی میں گرنے کی حالت، استعمال کی حالت سے الگ ہے۔

مسئلہ:۔ انسان کے بالوں کی فروخت اوران سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہے۔اس لئے کہ انسان قابل اکرام ہے، قابل توہین نہیں ہے، تو اس کے اجزاء میں سے کوئی جزء قابل اہانت نہیں ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک نے (نقلی) بال لگانے والی اور جس کے (سر پر نقلی) بال لگائے جائیں دونوں پر لعنت کی ہے، الخ۔ اونٹ کے اون سے جو بال بنائے جاتے ہیں ان کو (سر پر) لگانے کی اجازت دی گئی ہے، تو عورتوں کی چوٹیوں اور گیسو میں ان کو لگا سکتے ہیں۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: مردار کی کھال کی فروخت دباغت سے پہلے ناجائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اس سے شرعاً فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مردار کی کھال سے فائدہ نہیں اٹھاؤ۔ حدیث میں کھال سے مراد غیر مدبوغ ہے جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ میں اس کی تفصیل گزری۔ دباغت [1] کے بعد اس کو فروخت کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ مردار کی کھال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے۔ کتاب الصلوٰۃ میں ہم نے اسے ذکر کیا ہے (نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر وہ کھال جسے دباغت دے دی گئی ہو وہ پاک ہو جاتی ہے)۔

مردار کی ہڈیاں، پٹھے، اون، سینگ، بال اور گوبر کی فروخت کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ پاک ہیں، کیونکہ ان میں زندگی (کے آثار) نہ ہونے کی وجہ سے موت سرایت نہیں کرتی (اور جس میں موت

---

[1] دباغت سے مراد پکانا یعنی اس پر نمک لگانا یا زیادہ وقت کے لئے دھوپ میں ڈال دینا۔

سرایت کرتی ہے وہ چیز نجس ہو جاتی ہے)۔ ہم اس سے پہلے (کتاب الطہارۃ میں) اسے ثابت کر چکے ہیں۔ امام محمدؒ کے نزدیک ہاتھی بھی خنزیر کی طرح نجس العین ہے۔ شیخینؒ کے نزدیک یہ درندوں کی طرح ہے یہاں تک کہ اس کی ہڈی کو (جبکہ چربی سے صاف ہو) فروخت کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا، جائز ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر ایک شخص کی نچلی منزل اور دوسرے کی اس سے اوپر والی منزل ہو، اور دونوں منزلیں گر جائیں یا صرف اوپر والی منزل گر جائے، اور اوپر کی منزل والا اپنے اوپر کے حق کو فروخت کر دے، تو یہ جائز نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اوپر رہنے کا حق مال نہیں ہے کیونکہ مال اسے کہتے ہیں جسے محفوظ کرنا اور اس پر قبضہ کرنا ممکن ہو (اور حق کی حیثیت ایسی نہیں ہے)۔ اور مال ہی فروخت کا محل ہوتا ہے (اوپر کی منزل کی گرنے سے پہلے فروخت اس لئے جائز ہے کہ تعمیر موجود ہوتی ہے اور تعمیر مال ہے۔ پانی پینے کے حق کی فروخت جائز ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ) پانی کے حق کا حکم اس سے مختلف ہے کہ فقہ کی متفقہ روایات کے مطابق پانی پینے کے حق کی فروخت، زمین کی فروخت کی اتباع (طفیل) میں جائز ہے (کہ زمین مال ہے اور حق اس کے تابع ہوگا)، اور ایک روایت کے مطابق تنہا حق کی فروخت بھی جائز ہے۔ بلخ کے مشائخ کی مختار روایت یہی ہے، اس لئے کہ یہ حق پانی کا ایک حصہ ہے (کہ اس حق کی بناء پر پانی ملتا ہے تو گویا پانی فروخت کیا)۔ اور اسی وجہ سے اس کے ضائع کرنے کی صورت میں ضمان بھی ہے (کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے حق سے اپنی زمین کو سیراب کر دے تو ضامن ہوگا) اور اس حق کے لئے قیمت کا ایک حصہ بھی مقرر ہوتا ہے۔[1]

[1] اگر کسی شخص نے زمین اور اس کے حق کا دعویٰ کیا اور دو گواہ پیش کئے، ایک نے دونوں چیزوں کی گواہی دی اور دوسرے نے حق کے بارے میں سکوت کیا، تو اس کی گواہی ساقط ہو جائے گی، اس لئے کہ عوض میں دونوں کا اختلاف ہو گیا، کیونکہ دونوں چیزوں کی گواہی دینے والا زائد چیز ثابت کر رہا ہے اور سکوت کرنے والا کم چیز ثابت کر رہا ہے۔ اس مسئلہ سے ثابت ہوا کہ حقوق بھی مستقل ہیں۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: راستہ کی فروخت اور اس کا ہبہ جائز ہے اور پانی کی گزرگاہ کی فروخت اور اس کا ہبہ باطل ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں: اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ کہ راستہ اور پانی کی گزرگاہ کی جگہ کی فروخت، دوسری صورت یہ کہ راستہ سے گزرنے اور پانی بہانے کے حق کی فروخت۔ اگر مسئلہ میں پہلی صورت مراد ہے تو ان دونوں (یعنی راستہ کی فروخت جائز اور پانی کی گزرگاہ کی فروخت نا جائز، ان) میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ راستہ ایک معلوم ومعیّن چیز ہے، کیونکہ اس کا طول وعرض معلوم ہے جبکہ پانی کے بہنے کی جگہ مبہم ونامعلوم ہے، اس لئے کہ یہ معلوم نہیں کہ پانی کی کتنی مقدار اس کا احاطہ کرے (تو اس ابہام کی وجہ سے اس کی فروخت وہبہ نا جائز ہے)۔ اور اگر دوسری صورت (یعنی حق کی فروخت) مراد ہے تو راستہ سے گزرنے کے حق کی فروخت کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ان دو روایتوں میں سے (راستہ کے حق کی فروخت کے) جواز اور پانی کی گزرگاہ کے حق کے (فروخت کے عدم جواز کے) درمیان فرق کی وجہ یہ ہے کہ راستہ سے گزرنے کا حق معلوم ہے کیونکہ وہ معلوم جگہ سے متعلق ہے جو کہ راستہ ہے (تو ابہام نہ ہونے کی وجہ سے اس کی فروخت جائز ہے)۔ جبکہ پانی کا گزر زمین کی سطح پر ہوتا ہے (اور سطح ہَوا سے متعلق ہوتی ہے اور ہَوا مال نہیں ہے۔ اس لئے غیر مال سے متعلق ہونے کی وجہ سے اس کی فروخت نا جائز ہے) اور یہ اوپر رہنے کے حق کی نظیر ہے (اوپر رہنے کے حق کی فروخت تعمیر کے بغیر نا جائز ہے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ گزرگاہ زمین کی نامعلوم ومبہم مقدار پر ہوتی ہے کیونکہ پانی کے گزرنے کی جگہ (پانی کی قلت وکثرت کی وجہ سے) مبہم ہے۔ راستہ سے گزرنے کے حق کی دو روایتوں میں سے جواز کی روایت کی بناء پر اس حق کے اور اوپر رہنے کے حق (کی فروخت کے عدم جواز) کے درمیان فرق کی وجہ یہ ہے کہ اوپر

رہنے کا حق باقی نہ رہنے والی چیز سے متعلق ہے، جو کہ تعمیر ہے (کہ یہ منہدم ہو جاتی ہے) تو یہ حق، منافع کے مشابہ ہو گیا (کہ منافع بھی اپنی اصل کے ساتھ قائم ہوتے ہیں، اگر اصل ختم ہو گئی تو منافع بھی ختم۔ اور منافع کی اصل کے بغیر فروخت ناجائز ہے، اسی طرح اوپر رہنے کے حق کی فروخت تعمیر کے بغیر ناجائز ہے)۔ لیکن راستہ سے گزرنے کا حق باقی رہنے والی چیز سے متعلق ہے، جو کہ زمین ہے، تو یہ حق اصل چیز سے مشابہ ہو گیا۔[1]

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے باندی فروخت کی اور وہ غلام نکلا تو ان کے درمیان بیع معدوم ہو جائے گی۔ مصنفؒ نے فرمایا: اگر مینڈھا فروخت کیا اور وہ دنبی نکلی تو اس کا حکم اس سے مختلف ہے کہ یہاں بیع منعقد ہو جائے گی اور خریدار کو (بیع باقی رکھنے یا فسخ کرنے کا) اختیار ہوگا۔ ان دو مسئلوں میں فرق اس اصل پر مبنی ہے جو ہم نے کتاب النکاح میں ذکر کیا ہے، اور امام محمدؒ سے مروی ہے وہ اصل یہ ہے کہ کسی چیز کے نام کی صراحت کے ساتھ اگر اس کی طرف اشارہ بھی جمع ہو جائے (اور وہ دو چیزیں ہوں) تو دو مختلف جنسوں میں عقد اُس جنس سے متعلق ہوتا ہے جس کا نام (عقد میں) لیا ہے۔ اور اگر وہ جنس نہ ہو تو عقد بھی باطل ہو جاتا ہے، اور دو متحد جنسوں میں عقد اس جنس سے متعلق ہوتا ہے جس جنس کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس جنس کی موجودگی میں عقد منعقد ہو جاتا ہے، اور وصف (یعنی جنس) کے فوت ہونے کی صورت میں (واپس کرنے کا) اختیار حاصل ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے اس شرط پر غلام خریدا کہ وہ نانبائی ہے لیکن وہ کاتب نکلا (یہ متحد الجنس کی مثال ہے)۔ ہمارے اس مسئلہ میں انسانوں میں مرد اور

[1] راستہ سے گزرنے کے حق کی دو روایتیں ہیں ایک جواز کی اور دوسری عدم جواز کی جبکہ پانی کے گزرنے کا حق اور تعمیر کے بغیر اوپر رہنے کا حق، اس کی ایک ہی روایت عدم جواز کی ہے۔ حق ہونے میں تینوں برابر ہیں۔ اس لئے مصنف نے راستہ کے حق کی فروخت کے جواز اور بقیہ دو کے عدم جواز کے درمیان فرق واضح کیا۔

عورت دو مختلف جنس ہیں، اس لئے کہ ان کے اغراض ومقاصد میں تفاوت ہے لیکن حیوانوں میں مذکر ومؤنث ایک جنس ہیں، اس لئے کہ یہ اپنے اغراض ومقاصد میں قریب قریب ہیں (جانوروں کو کھاتے ہیں، ان پر سواری کرتے ہیں اور سامان لادتے ہیں، اس مقصد میں مذکر ومؤنث برابر ہیں)۔ جنس کو مختلف یا یکساں اور متحد قرار دینے میں ان کے اغراض ومقاصد ہی کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے، اصل ذات کو نہیں (جیسے سرکہ اور انگور کا پانی دو مختلف جنس ہیں (حالانکہ اصل دونوں کی ایک ہے) وذاری کپڑا (جو سمرقند میں بنتا ہے) اور زندنیجی کپڑا (جو بخارا کے زندگاؤں میں بنتا ہے)، مشائخ کے قول کے مطابق دو مختلف جنس ہیں حالانکہ ان کی اصل ایک ہے (جو رُوئی ہے)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے کوئی باندی ہزار درہم میں نقد یا ادھار خریدی اور اس پر قبضہ کرلیا پھر اسی خریدار نے قیمت ادا کرنے سے پہلے اسی بائع کو پانچ سو میں فروخت کردی، تو دوسری فروخت صحیح نہیں ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: دوسری فروخت جائز ہے اس لئے کہ قبضہ کرنے سے باندی میں ملکیت تام ہوگئی۔ تو بائع کو اور اس کے علاوہ کسی اور کو فروخت کرنا برابر ہے۔ اور یہ دوسری فروخت، پہلی قیمت کے بدلہ میں فروخت یا اس سے زائد قیمت میں فروخت یا سامان کے بدلہ میں فروخت کے مثل ہوگئی۔ [1] ہماری دلیل حضرت عائشہؓ کا قول [2] ہے، جو آپ نے اس عورت سے کہا

---

[1] یعنی اسی صورت میں کہ قیمت ادا کرنے سے پہلے وہی چیز اسی بائع کو پہلی قیمت یا اسے سے زائد قیمت یا ایسے سامان کے بدلہ میں فروخت کردے کہ اس سامان کی قیمت پہلی قیمت سے کم ہے، تو یہ بالاتفاق جائز ہے، تو اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی جائز ہونی چاہئے۔

[2] ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں نے ایک باندی حضرت زید بن ارقمؓ سے آٹھ سو میں ادھار خریدی اور ان کو چھ سو میں نقد فروخت کردی (یعنی انہیں دوسو روپے کا فائدہ ہوا) تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''تیری خرید وفروخت بُری ہے، زید بن ارقمؓ کو خبر دے دو کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو اللہ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس کے حج وجہاد کو باطل کردیا''۔ اس مسئلہ کی آسان تعبیر یہ ہے کہ بائع ایک چیز فروخت کرکے اس کی قیمت لینے سے پہلے وہی چیز اسی خریدار سے کم دام خرید لے۔

تھا جس نے (باندی) آٹھ سو میں خریدنے کے بعد چھ سو میں بیچ دی تھی، ''تیری خرید وفروخت بُری ہے، زید بن ارقمؓ کو یہ بات پہنچادے کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کے حج وجہاد کواللہ تعالیٰ باطل کردے گا''۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چیز کی قیمت بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوئی (کیونکہ خریدار نے ابھی ادا نہیں کی)، اور (فروخت کے بعد) مبیع دوبارہ اس کے پاس جائے گی تو مبیع کی پہلی اور دوسری قیمت کے درمیان تقابل ہوگا (پہلی قیمت ایک ہزار اور دوسری قیمت پانچ سو، تو پانچ سو کا مقابلہ پانچ سو سے ہوگا) اور پانچ سو روپے بائع کے لئے زائد باقی بچیں گے جو کہ بغیر کسی عوض کے ہیں (اور یہ غیر مضمون چیز کا نفع ہوگا جس سے نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے، امام شافعیؒ کے پیش کردہ نظائر کا جواب دیتے ہیں کہ) سامان کے بدلہ فروخت کرنے کا حکم اس سے مختلف ہے (کیونکہ وہاں یہ خرابی لازم نہیں آتی) اس لئے کہ (بغیر عوض کے) اضافہ جنس ایک ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے (لیکن یہاں جنس مختلف ہے، نیز پہلی قیمت پر فروخت کرنے میں اضافہ ہے ہی نہیں اور زائد قیمت پر فروخت کرنے میں اضافہ خریدار کو حاصل ہوتا ہے اور اس کے لئے یہ جائز ہے کیونکہ مبیع اس کی ضمان میں آ گئی تھی)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے پانچ سو روپے میں باندی خریدی، پھر یہی باندی ایک اور باندی کے ساتھ ملا کر (پہلی باندی کی) قیمت ادا کرنے سے پہلے اُسی بائع کو پانچ سو میں فروخت کردی تو اس باندی کی بیع جائز ہے جسے بائع سے نہیں خریدا تھا اور دوسری باندی کی بیع باطل ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ قیمت کا کچھ حصہ اس باندی کے مقابلہ میں کرنا ضروری ہے جسے خریدار نے بائع سے نہیں خریدا تھا (اور بائع نے ایک باندی پانچ سو میں فروخت کرکے وہی باندی اور اس کے ساتھ دوسری باندی پانچ سو میں خرید لی۔ اس میں کچھ حصہ دوسری باندی کی

قیمت ہوگئی مثلاً دوسوروپے اور بقیہ تین سوروپے پہلی باندی کی قیمت ہوگئی) تو بائع پہلی باندی کوفروخت کی قیمت سے کم میں خریدنے والا ہوگیا۔اور یہ صورت ہمارے نزدیک فاسد ہے۔فساد کی یہ وجہ دوسری باندی میں نہیں پائی جاتی (اس لئے اس کی فروخت صحیح ہے۔ یہاں دو چیزوں کا ایک سودا ہے،ان میں سے ایک میں بیع فاسد ہوگئی تو دوسری چیز میں بھی ہونی چاہئے،اس کا جواب دیا کہ) یہ فساد دونوں میں مشترک نہیں ہوگا۔اس لئے کہ یہ فساد پہلی باندی میں ضعیف ہے کیونکہ اجتہاد سے ثابت ہوا (اوراس میں اختلاف بھی ہے،تو یہ دوسرے کے فساد کا ذریعہ نہیں بنے گا) یا فساد سود کے شبہہ کی بناء پر ہے (کہ بائع کواصل چیز کے ساتھ زائد قیمت بھی مل جاتی ہےاور سود کے شبہہ کا اعتبار کیا جاتا ہے لیکن دوسری باندی میں اس شبہہ کا شبہہ ہے، اس کا اعتبار نہیں ہے) یا فساد (اصل سے نہیں بلکہ) بعد میں پیش آیا ہے کیونکہ (سودا ہونے کے بعد ہر باندی پر جب قیمت تقسیم کریں گے تو) یہ فساد قیمت کی تقسیم سے ظاہر ہوگا یا آپس کے مقابلہ سے ظاہر ہوگا،تو اس ضعف کی بناء پر فساد پہلی باندی کے علاوہ کسی اور میں سرایت نہیں کرے گا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگرکسی نے زیتون کا تیل اس شرط پر خریدا کہ بائع میرے برتن میں بھر کر وزن کرے گا،اور ہر مرتبہ برتن کے بدلہ پچاس رطل (میرے وزن کیے ہوئے تیل سے) الگ کرے گا تو یہ بیع فاسد ہے،اوراگراس شرط پر خریدا کہ برتن کے وزن کے بقدر الگ کرے گا تو یہ جائز ہے۔مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ پہلی شرط عقد کے منافی ہے (کیونکہ برتن کی مقدار معلوم نہیں کہ پچاس رطل ہے یا اس سے کم یا زائد) اوردوسری شرط عقد کے موافق ہے (اس لئے بیع صحیح ہے)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگرکسی نے ایک کپّے میں گھی خریدا (مثلاً

اس کا وزن مع گھی تیس رطل تھا) پھر خریدار نے (گھی نکال کر) کپا واپس کیا اور اس کا وزن دس رطل تھا (یعنی اس نے بیس رطل گھی لیا اور اس کی قیمت ادا کرنی چاہی) بائع نے کہا کہ: کپا اس کے علاوہ تھا اور اس کا وزن پانچ رطل تھا (یعنی پچیس رطل کی قیمت کا مطالبہ کیا) تو (اختلاف کی صورت میں) خریدار کا قول معتبر ہے (یعنی بیس رطل کی قیمت واجب ہوگی)۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اگر ہم اس اختلاف کو قبضہ کئے ہوئے (کُپّے) کی تعیین میں اختلاف مانیں، تو اس صورت میں قابض کا قول معتبر ہوتا ہے، خواہ اس پر ضمان ہو یا وہ امین ہو (یعنی ضمان نہ ہو اور یہاں قابض خریدار ہے)۔ اور گھی کی مقدار میں اختلاف مانیں، تو حقیقت میں یہ قیمت میں اختلاف ہے (کہ بائع زائد مقدار کی قیمت کا دعویٰ کرر ہا ہے اور خریدار انکار کرر ہا ہے) تو خریدار کا قول معتبر ہوگا اس لئے کہ زائد مقدار کا انکار کرر ہا ہے (اور منکر کا قول معتبر ہوتا ہے)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی مسلمان نے کسی نصرانی (یعنی غیر مسلم) کو شراب فروخت کرنے یا خریدنے کا حکم دیا (یعنی وکیل بنایا) اس نے اس طرح کیا تو یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے (لیکن مکروہ ہے)۔ لیکن صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ: مسلمان کے لئے جائز نہیں۔ مصنفؒ نے فرمایا: اسی اختلاف کے ساتھ خنزیر (کی خرید وفروخت کی وکالت) کا حکم ہے۔ اسی طرح اگر مُحرم (یعنی حالت احرام میں شخص) غیر محرم کو اپنے شکار کے (جو اس نے حالت احرام سے پہلے کیا تھا) فروخت کرنے کا وکیل بنائے، تو وہ بھی اسی اختلاف کے ساتھ ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مؤکل یعنی مسلمان کو (شرعی طور سے) یہ کرنے کا اختیار نہیں ہے تو وہ اپنے علاوہ کسی اور کو بھی اس کا اختیار نہیں دے سکتا (یعنی مؤکل جو کام شرعاً خود نہیں کر سکتا دوسرے کو بھی اس کا وکیل نہیں بنا سکتا)۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وکیل کے لئے جو حقوق ثابت ہوتے ہیں، وہ مؤکل کی طرف منتقل ہوتے ہیں، تو گویا مسلمان نے خود یہ کام

کیا، اس لئے یہ وکالت جائز نہیں ہے۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل اپنی اہلیت اور ولایت کی وجہ سے عقد کر رہا ہے (اور اس میں وہ دوسرے کا محتاج نہیں ہے۔ اس لئے عقد منعقد ہو گیا۔ اب ملکیت مسلمان کی طرف منتقل ہوتی ہے) اور حکم کرنے والے کی طرف ملکیت کا منتقل ہونا ایک حکمی امر ہے (اختیاری نہیں ہے) تو اسلام کی وجہ سے یہ ممنوع نہیں ہوگی جیسے شراب اور خنزیر کا وراثت میں مالک ہونا (کہ باپ اور بیٹا کافر تھے پھر باپ کے انتقال کے بعد بیٹا مسلمان ہو گیا)۔ پھر اس عقد کے بعد اگر مسلمان کی ملکیت میں شراب آ گئی، تو وہ اسے (دھوپ میں رکھ کر یا نمک ڈال کر) سرکہ بنا لے (اگر اس کی قیمت ہے تو صدقہ کر دے) اور اگر خنزیر ہے تو اسے چھوڑ دے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اگر کسی نے غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ خریدار سے آزاد کرے یا اسے مدبّر بنائے یا اسے مکاتب بنائے یا باندی فروخت کی اس شرط پر کہ خریدار اسے اُمّ ولد بنائے، تو (ان سب صورتوں میں) بیع فاسد ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ یہاں بیع اور شرط ہے اور نبی کریم ﷺ نے بیع وشرط سے منع فرمایا ہے۔

اس میں ہماری اصل یہ ہے کہ ہر وہ شرط جس کا عقد تقاضا کرتا ہے جیسے خریدار کے لئے ملکیت کی شرط، تو یہ عقد کو فاسد نہیں کرتی، کیونکہ یہ بات شرط کے بغیر بھی ثابت ہوتی ہے۔ اور ہر وہ شرط جس کا عقد تقاضا نہ کرے (یعنی عقد سے خود ثابت نہ ہوتی ہو، نہ عقد کے مناسب ہو، شریعت میں اس کا جواز نہ آیا ہو اور عرف میں نہ ہو) نیز اس شرط میں معاملہ کرنے والوں میں سے کسی ایک کی یا فروخت شدہ چیز کی منفعت ہو اور اس چیز کے لئے حق ثابت ہو سکتا ہو (یعنی انسان ہو) تو یہ شرط عقد کو فاسد کر دے گی جیسے یہ شرط لگانا کہ خریدار اس مبیع غلام کو فروخت نہ کرے۔ اس لئے کہ اس

میں یہ ایک ایسا اضافہ ہے جو عوض سے خالی ہے اور اس کا نتیجہ سود ہے، یا اس شرط کی وجہ سے جھگڑا ہوسکتا ہے، تو عقد اپنے مقصود (یعنی ملکیت ثابت ہونے) سے عاری ہو جائے گا مگر یہ کہ وہ شرط عرف عام میں جاری ہو (تو اس شرط سے عقد فاسد نہیں ہوگا) کیونکہ عرف کا فیصلہ قیاس پر غالب ہوتا ہے۔ اور اگر ایسی شرط ہے کہ عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا اور اس میں (بائع، مشتری اور مبیع میں سے) کسی ایک کا فائدہ بھی نہیں ہے، تو یہ شرط عقد کو فاسد نہیں کرے گی۔ یہی ظاہر روایت ہے، جیسے یہ شرط لگانا کہ خریدار مبیع جانور کو فروخت نہیں کرے گا، اس لئے کہ (جانور کی طرف سے) مطالبہ معدوم ہے (اور وہ عدم فروخت کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہے) تو اس شرط کا نتیجہ سود اور جھگڑا نہیں ہوگا۔

جب یہ اصول ثابت ہوگئے، تو ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا مسئلہ میں ان شرائط کا عقد تقاضا نہیں کرتا، اس لئے کہ بیع کا تقاضا مبیع کے استعمال وتصرّف میں آزادی اور اختیار ہے، نہ کہ ضروری طور پر کسی چیز کا لزوم، اور (ان مسائل میں) شرط اسی لزوم کا تقاضا کرتی ہے (اور فسخ کا اختیار ختم کرتی ہے)۔ نیز اس میں جس پر عقد کیا ہے (یعنی مبیع) اس کا فائدہ ہے۔ امام شافعیؒ اگر چہ آزاد کرنے کی شرط میں ہم سے اختلاف کرتے ہیں (یعنی ان کے نزدیک آزادی کی شرط پر غلام فروخت کرنا جائز ہے) اور وہ اسے غلام کو بطور نسمہ فروخت کرنے پر قیاس کرتے ہیں (یعنی کسی نے وصیت کی کہ میرا غلام ایسے شخص کو فروخت کیا جائے جو اسے آزاد کردے، یہ وصیت جائز اور بالاتفاق اسے نافذ کیا جائے گا، تو اسی طرح مختلف فیہ مسئلہ بھی جائز ہونا چاہئے) لیکن ان کے خلاف وہ دلیل ہے جس کا ہم ذکر کرچکے ہیں (منقولی دلیل، یعنی حدیث کہ آپؐ نے بیع وشرط سے منع فرمایا اور معقولی دلیل کہ عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا)۔ بطور نسمہ فروخت کرنے (کا جواب دیتے ہیں کہ اس) کی تفسیر یہ ہے کہ غلام

ایسے شخص کوفروخت کیا جائے جس کے بارے میں غالب گمان ہو کہ وہ اسے آزاد کردے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کی فروخت میں آزادی کی شرط لگائی جائے۔

اگر خریدار نے غلام کو آزادی کی شرط سے خریدنے کے بعد آزاد کردیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بیع صحیح ہوگی اور مقررہ قیمت لازم ہوگی۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ بیع اپنے فساد پر باقی رہے گی حتیٰ کہ خریدار پر (غلام کی) بازار کی مروجہ قیمت لازم ہوگی (مقررہ قیمت نہیں)، اس لئے کہ بیع فاسد واقع ہوئی ہے، اس لئے جواز میں تبدیل نہیں ہوگی، جیسے کہ (اسی صورت میں غلام آزاد ہونے کے بجائے) کسی اور وجہ سے ضائع ہوجائے (تو بیع فاسد رہتی ہے اور بازاری مروجہ قیمت لازم ہوتی ہے)۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آزادی کی شرط، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، عقد کے مناسب نہیں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے مناسب ہے، اس لئے کہ آزادی ملکیت کو پورا کرتی ہے، اور ہر چیز پوری ہونے پر ثابت و متحقق ہوجاتی ہے، اسی وجہ سے (اگر غلام خرید کر آزاد کردیا اور بعد میں اس میں عیب پایا تو) آزادی عیب کے نقصان (کو پورا کرنے) کے لئے رجوع کرنے سے مانع نہیں ہے (کیونکہ خریدار کے لئے ملکیت تام ہوچکی ہے اور وہ اپنے نقصان کی تلافی کراسکتا ہے)۔ اگر کسی اور وجہ سے غلام ضائع ہوجائے تو (اس سے ملکیت پوری نہیں ہوتی کیونکہ) اس صورت میں شرط کو بیع سے مناسبت نہیں رہتی، اور فساد (بیع) ثابت ہوجاتا ہے، لیکن جب آزادی پائی جاتی ہے تو مناسبت ثابت ہوجاتی ہے اور (آزادی کی صورت میں) جواز کی جانب کو (فساد کی جانب پر) ترجیح حاصل ہوتی ہے، اور اس (آزادی سے پہلے بیع کا حال موقوف رہے گا (یعنی فساد ثابت نہیں ہے" بلکہ فساد کی وجہ کے ختم ہونے، یا فساد ثابت ہونے کا امکان ہے")۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اسی طرح (ان صورتوں میں بھی بیع فاسد ہوتی ہے کہ) اگر غلام کو اس شرط پر فروخت کیا کہ وہ بائع کی ایک ماہ تک خدمت کرے گا، یا گھر اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع اس میں رہے گا، یا اس شرط پر کہ خریدار اسے ایک درہم قرض دے گا یا اسے کوئی ہدیہ دے گا۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ عقد اس شرط کا تقاضا نہیں کرتا، نیز اس میں معاملہ کرنے والوں میں سے کسی ایک کا فائدہ ہے، نیز نبی کریم ﷺ نے (ایک ساتھ) بیع وقرض (کا معاملہ کرنے) سے منع فرمایا ہے[1] مزید یہ کہ اگر خدمت اور سکونت کے مقابلہ میں کچھ قیمت دینی لازم ہوتی ہے تو یہ بیع کے اندر اجارہ (کرایہ) ہوگا اور اگر ان کے مقابلہ میں قیمت دینی لازم نہیں آتی ہے تو یہ بیع میں اعارہ ہو جائے گا (یعنی ایک سودے میں دو سودے) حالانکہ نبی کریم ﷺ نے ایک سودے میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا ہے۔[2]

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اگر کسی نے کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی کہ وہ خریدار کو وہ چیز ایک ماہ تک حوالہ نہیں کرے گا، تو بیع فاسد ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ ایسی مبیع جو عین چیز ہو، اس میں وقت مقرر کرنا باطل ہے لہٰذا یہ وقت کی شرط فاسد ہے، اس لئے کہ وقت کی تاخیر اور مہلت آسانی کے لئے مشروع ہوئی ہے لہٰذا وہ دیون[3] (یعنی روپے پیسے) کے ساتھ مناسب ہے، چیزوں کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔

---

[1] ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اُدھار اور بیع (ایک ساتھ کرنا) حلال نہیں ہے''۔

[2] امام احمدؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سودے میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا ہے۔

[3] فقہاء کی اصطلاح میں دیون سے مراد روپے پیسے دراہم ودنانیر ہیں اور عین سے مراد چیز ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے باندی کو اس کا حمل مستثنیٰ کر کے فروخت کیا، تو بیع فاسد ہے۔ اس سلسلہ میں اصل کلیہ یہ ہے کہ جس چیز کو تنہا عقد میں لانا صحیح نہیں ہے، اس کا عقد میں سے استثناء کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اور (پیٹ کا) حمل اسی قبیل میں سے ہے کیونکہ حمل حیوان کے ساتھ خلقی طور پر متصل ہونے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پاؤں کی طرح ہے، اور اصل (یعنی حیوان) کی فروخت (حمل کا ذکر کئے بغیر) حمل کو شامل ہوتی ہے، تو حمل کا استثناء عقد کے تقاضے کے خلاف ہے (کیونکہ عقد کے مطابق چیز مع اپنے اطراف کے عقد میں داخل ہوتی ہے) تو استثناء صحیح نہیں ہوا اور شرط فاسد ہوگئی اور اس سے بیع باطل ہو جاتی ہے۔

غلام کو مکاتب بنانا، کوئی چیز کرایہ پر دینا اور رہن رکھنا، یہ سب بیع کی طرح ہیں (یعنی جو احکام بیع کے ہیں وہی احکام ان کے ہیں) کیونکہ یہ معاملات بھی شرائط فاسدہ سے فاسد ہو جاتے ہیں البتہ مکاتبت کے معاملہ کو صرف وہ شرط فاسد کرے گی جو عقد کی ذات میں داخل ہو۔ (جیسے مسلمان اپنے غلام کو شراب یا خنزیر کے بدلہ مکاتب بنائے)۔ ہبہ، صدقہ، نکاح، خلع اور "قتل عمد کے خون کے بدلہ میں صلح"، یہ سب معاملات حمل کے استثناء سے باطل نہیں ہوتے بلکہ استثناء باطل ہو جاتا ہے، اس لئے کہ یہ معاملات شرائطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتے۔ اسی طرح وصیت بھی اس استثناءِ حمل سے باطل نہیں ہوگی لیکن استثناء کرنا صحیح ہوگا (مثلاً کوئی شخص اپنی باندی کی کسی کے لئے وصیت کرے اور اس کے حمل کا استثناء کر دے تو حمل میراث (میں وارثوں کو ملے گا) اور باندی وصیت کے طور پر موصیٰ لہ کی) ہوگی۔ یہاں استثناء اس لئے صحیح ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے (کہ دونوں میں ملکیت موت کے بعد حاصل ہوتی ہے) اور جو کچھ پیٹ میں حمل ہو اس میں بھی میراث جاری ہوتی۔ لیکن اگر باندی کی وصیت کر کے اس کی خدمت کا استثناء کیا (کہ خدمت کی وصیت نہیں ہے) تو اس کا حکم مختلف

ہے (کہ یہ استثناء صحیح نہیں ہے) کیونکہ اس میں میراث جاری نہیں ہوتی۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اگر کسی نے اس شرط پر کپڑا خریدا کہ بائع اسے کاٹ کر قمیص یا قبا سیئے گا، تو بیع فاسد ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ عقد اس شرط کا تقاضا نہیں کرتا اور اس میں معاملہ کرنے والوں میں سے کسی ایک کی منفعت ہے، نیز اس میں ایک سودے میں دوسرا سودا ہے، جیسا کہ اس کا بیان پہلے گذرا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے اس شرط پر جوتا خریدا کہ بائع اسے سی کر یا تسمہ لگا کر دے گا، تو بیع فاسد ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: متن کا مذکورہ مسئلہ قیاس کے اعتبار سے ہے اور اس کی وجہ ہم نے پہلے بیان کردی (کہ عقد اس شرط کا تقاضا نہیں کرتا)۔ استحسان کی رُو سے اس قسم کی شرط جائز ہے، اس لئے کہ اس پر لوگوں کا عمل جاری ہے تو یہ (شرط) کپڑا رنگائی کی طرح ہوگئی (کہ رنگریز کو کپڑا رنگنے کے لئے دے سکتے ہیں حالانکہ قیاس کی رو سے یہ جائز نہیں، کیونکہ اس میں رنگ کی فروخت اور عامل کی اجرت بھی ہے، لیکن تعامل ورواج کی وجہ سے جائز ہے)۔ نیز تعامل ہی کی وجہ سے ہم نے آرڈر پر مال تیار کرنے کو جائز قرار دیا ہے (حالانکہ قیاس کی رو سے یہ جائز نہیں)۔

مسئلہ:۔ نوروز،[1] مہرجان، نصارٰی کے روزے اور یہودیوں کی عید کی تاریخ بیع کے لئے مقرر کرنے سے جبکہ معاملہ کرنے والوں کو (ان تہواروں کے) معینہ دن معلوم نہ ہوں تو ایسی بیع فاسد ہوجاتی ہے۔ اس لئے کہ مدت میں ابہام ہے اور یہ ابہام جھگڑے کا سبب بنے گا کیونکہ جھگڑے کی بناء ٹال مٹول ہوتی ہے (کہ بائع

---

[1] نوروز اور مہرجان مجوسیوں کی خوشی کا دن ہے۔ نوروز موسم بہار میں اور مہرجان موسم خزاں میں آتا ہے کوئی تاریخ معین نہیں ہے۔ نصارٰی نوروز کے دن سے روزے شروع کرتے ہیں۔ یہود پورے رمضان روزے رکھ کر شوال میں بھی روزے رکھتے ہیں اور پچاس روزے پورے کرکے عید کرتے ہیں تو تاریخ میں فرق واقع ہوجاتا ہے۔

قیمت لینے کا جلدی مطالبہ کرتا ہے اور خریدار تاخیر کرتا ہے، اگر دن مقرر نہ ہوگا تو یہی جھگڑا ہوگا) مگر جبکہ معاملہ کرنے والوں کو معینہ دن کا علم ہو (تو بیع فاسد نہیں ہوگی)، اس لئے کہ وہ دن انہیں معلوم ہے۔ یا نصاریٰ کے روزوں کی ابتداء کے بعد ان کی عید تک تاریخ مقرر کی جائے (تو بھی بیع فاسد نہیں ہوگی) کیونکہ ان کے روزوں کے ایام کی مدت معلوم ہے (جو کہ پچاس دن ہیں)، تو اس میں کوئی ابہام نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ حاجیوں کے آنے کے دن کا وعدہ کر کے (ادھار پر) بیع کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح (ادھار بیع کے لئے) کھیتی کاٹنے کا وقت، غلہ کو گاہنے کا وقت، پھل توڑنے کا وقت اور جانوروں کے بال اتارنے کا وقت مقرر کرنے سے بھی بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ چیزیں کبھی جلدی اور کبھی دیر سے ہوتی ہیں (کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے) لیکن ان مذکورہ اوقات تک اگر کوئی قرضہ کا کفیل وضامن بن گیا تب جائز ہے، کیونکہ معمولی ابہام کفالت میں قابل برداشت ہے اور اس معمولی ابہام کا تدارک ممکن ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ کا ایسا معمولی ابہام باقی رکھنے میں اختلاف ہے (حضرت عائشہؓ کے نزدیک جائز ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک ناجائز ہے)۔ نیز ان امور (کے سال میں کسی نہ کسی وقت واقع ہونے) کی اصل معلوم ہے (کہ یہ ضرور کبھی نہ کبھی واقع ہوں گے، لیکن مخصوص وقت معلوم نہیں) جہاں تک کفالت کا تعلق ہے) اگر قرض کی اصل (مقدار) میں ابہام ہو تو کفالت میں یہ بھی قابل برداشت ہے کہ جیسے کسی شخص نے اس طرح کفالت لی کہ جو بھی فلاں پر واجب ہے اس کا کفیل وضامن بنتا ہوں تو یہ جائز ہے، تو اگر وصف میں (ابہام ہو تو) بدرجہ اولی جائز ہوگا۔ لیکن بیع کی حیثیت اس سے مختلف ہے۔ اس لئے کہ بیع میں اصل قیمت کا ابہام قابل برداشت نہیں ہے تو اس کے وصف میں بھی اسی طرح حکم ہوگا (کہ ابہام قابل برداشت نہیں ہوگا)۔ اگر ادھار بیع کا بغیر کسی تاریخ وغیرہ کے معاملہ

کیا، پھر ان مذکورہ اوقات تک قیمت کی ادائیگی کی تاریخ مقرر کی تو اس کا حکم مختلف ہے کہ یہ جائز ہے، اس لئے کہ یہ قرض کی ادائیگی کی تاریخ مقرر کرنا ہے اور قرض کی ادائیگی کی مدت میں یہ ابہام کفالت کی طرح قابل برداشت ہے لیکن اصل عقد میں یہ شرط مقرر کرنے کی حیثیت اس طرح نہیں ہے، کیونکہ عقد شرط فاسد مقرر کرنے سے باطل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر ان (مذکورہ بالا) اوقات کی تاریخ مقرر کر کے بیع کی (جو کہ فاسد ہے) پھر بائع و مشتری، اس سے پہلے کہ لوگ کھیتی کاٹیں اور خرمن کو گاہیں اور حاجی آئیں، اس مدت کے ساقط کرنے پر راضی ہو گئے تو بھی بیع جائز ہو جائے گی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہوگی، کیونکہ بیع، فاسد حالت میں واقع ہوئی ہے، لہٰذا وہ جواز میں تبدیل نہیں ہوگی اور (بیع میں مدت ساقط کرنا تمہاری اصل کے مطابق) ایسا ہو گیا جیسے مؤقت (عارضی) نکاح میں مدت ساقط کرنا (اگر مؤقت نکاح کیا پھر مدت ساقط کر دی تو امام زفرؒ اور بقیہ تینوں کے نزدیک بھی نکاح صحیح نہیں ہے، تو امام زفرؒ الزامی جواب دیتے ہیں کہ جس طرح نکاح میں مدت ساقط کرنے سے وہ صحیح نہیں ہوتا اسی طرح بیع میں بھی ہونا چاہئے)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہاں بیع جھگڑے کے احتمال کی وجہ سے فاسد قرار دی گئی تھی اور اب یہ فساد ثابت ہونے سے پہلے دور ہو گیا۔ نیز یہ ابہام اضافی شرط میں ہے اصل عقد میں نہیں ہے تو اس کو ساقط کرنا ممکن ہے۔ (اگر اصل عقد میں ابہام و فساد ہو جیسے) ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ میں فروخت کا معاملہ کیا (جو کہ ناجائز ہے)، پھر (جواز کے لئے) زائد درہم کو ساقط کر دیا تو اس کا حکم مختلف ہے (کہ یہ جائز نہیں ہوگا)، کیونکہ یہاں اصل عقد میں فساد آ گیا ہے اور (نکاح کی جو نظیر پیش کی تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ) مؤقت نکاح کی حیثیت بھی اس سے مختلف ہے، کیونکہ مؤقت نکاح در حقیقت متعہ ہے اور یہ نکاح کے عقد کے علاوہ دوسری طرح کا عقد ہے

(اور ہم یہ نہیں کہتے کہ عقد کے فساد کو دور کرنے سے وہ دوسرا عقد ہو جائے گا، اس لئے موقت نکاح یعنی متعہ کی مدت ساقط کرنے سے وہ نکاح نہیں ہوگا)۔ علامہ قدوریؒ کا یہ فرمانا کہ ''پھر وہ دونوں راضی ہوگئے'' اتفاقی ہے، اس لئے کہ جس کے لئے مدت مقرر کی ہے، وہ مدت ساقط کرنے میں منفرد ہے کیونکہ یہ اس کا خالص حق ہے (اس لئے دونوں کی رضامندی ضروری نہیں)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اگر کسی نے آزاد وغلام کو یا ذبح کی ہوئی اور اور مردار بکری کو یکجا کر کے ایک ساتھ فروخت کیا، تو ان دونوں (غلام وآزاد، یا مردار وذبح کی ہوئی بکری) کی بیع باطل ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ فرماتے ہیں کہ: اگر ہر ایک کی الگ الگ قیمت بیان کی تو غلام اور ذبح کی ہوئی بکری کی بیع جائز ہے (یعنی اگر قیمت الگ الگ بیان نہیں کی تو دونوں میں ناجائز) اگر غلام اور مدبّر کو یا اپنے اور دوسرے کے غلام کو جمع کر کے ایک ساتھ فروخت کیا، تو غلام میں اس کی قیمت کے بقدر تینوں علماء (امام صاحب اور صاحبین) کے نزدیک بیع صحیح ہو جائے گی۔ لیکن امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں (یعنی غلام اور مدبّر یا اپنے اور دوسرے کے غلام) میں بیع فاسد ہوگی۔ (واضح ہو کہ) جس جانور کو ذبح کرتے وقت تسمیہ قصداً چھوڑی ہے وہ مُردار کے حکم میں ہے اور مکاتب واُمّ ولد باندی، مدبّر کے حکم میں ہے۔ امام زفرؒ نے اس مسئلہ (یعنی غلام ومدبّر) کو پہلے مسئلہ (یعنی غلام وآزاد) پر قیاس کیا ہے (جس میں امام صاحبؒ کے نزدیک دونوں میں بیع فاسد ہے۔ جو دلیل امام صاحب کی اس مسئلہ میں ہے وہی دلیل امام زفرؒ کی دونوں مسئلوں میں ہے۔ (قیاس کی وجہ) اس لئے کہ مجموعہ بیع کا محل نہیں ہے (بلکہ دونوں مسئلوں میں جزء محلِ بیع ہے)۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ فساد، وجہ فساد کے بقدر ہوگا تو (مدبّر اور آزاد میں محلِ بیع نہ ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی لیکن) یہ فساد

مکمل غلام میں متعدی نہیں ہوگا جیسے کوئی شخص اجنبی عورت اور اپنی بہن کو (ایک ہی) عقد نکاح میں جمع کر کے نکاح کرے (مثلاً کہے کہ میں نے تم دونوں سے نکاح کیا تو اجنبیہ سے نکاح ہو جائے گا لیکن بہن سے نہیں ہوگا)۔ لیکن (اگر غلام و آزاد کو جمع کر کے فروخت کے وقت) ہر ایک کی الگ الگ قیمت بیان نہیں کی تو اس کا حکم مختلف ہے (کہ دونوں میں بیع فاسد ہوگی) کیونکہ قیمت مبہم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں مسئلوں (یعنی غلام و آزاد اور غلام و مدبّر) میں فرق ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ (پہلے مسئلہ میں) آزاد تو عقد میں داخل ہی نہیں ہوا کیونکہ وہ مال نہیں ہے اور یہاں سودا ایک ہی ہے، تو گویا غلام کو فروخت کرنے میں آزاد (جو کہ مال نہیں ہے اس) کو قبول کرنے کی شرط لگائی گئی اور یہ شرط فاسد ہے۔ نکاح (کی جو نظیر صاحبین نے پیش کی تھی اس کا جواب یہ ہے اس) کی حیثیت مختلف ہے، کیونکہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا (بلکہ شرط ساقط ہو جاتی ہے)۔ اور دوسرے مسئلہ میں بیع موقوف ہے کیونکہ وہ (یعنی مدبّر اور دوسرے کا غلام وغیرہ) مالیت ہونے کی وجہ سے عقد میں داخل ہو گئے۔ اسی مالیت کی بناء پر دوسرے کے غلام میں اس کی اجازت سے اور مکاتب میں صحیح روایت کے مطابق اس کی رضامندی سے اور مدبّر میں قاضی کے فیصلہ سے بیع منعقد ہو جائے گی۔ اسی طرح اُمِ ولد میں بھی قاضی کے فیصلہ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیع منعقد ہو جائے گی۔ (کیونکہ صحابہ کرامؓ کا اُمِ ولد کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے اس لئے گنجائش ہے)، مگر (دوسرے کا غلام، مدبّر، مکاتب اور اُمِ ولد کے عقد میں داخل ہونے کے باوجود فساد اس لئے ہے کہ) ان میں مالک مبیع میں اپنا حق ثابت کر کے اور اور یہ (یعنی مدبّر، مکاتب اور اُمِ ولد) اپنی جان و آزادی کا حق ثابت کر کے بیع ردّ کریں گے۔ اور یہ ردّ کرنا ان میں بیع کے منعقد ہونے اور باقی رہنے کی طرف اشارہ ہے (اس لئے کہ انعقاد کے بغیر ردّ صحیح نہیں ہے

اور بیع ہونے ہی کی وجہ سے انہیں خود ردّ کرنے کی ضرورت پڑی)، جیسے کسی نے دو غلام خریدے اور قبضہ سے پہلے ایک ہلاک ہوگیا (تو ایک غلام میں بیع صحیح ہو جائے گی)۔ (اعتراض ہوا کہ مدبّر، مکاتب اور اُمِ ولد وغیرہ کو جو کہ مبیع نہیں ہیں، انہیں مبیع کے قبول کے لئے شرط مقرر کیا گیا اور یہ شرط فاسد ہے نیز اس میں بیع بالحصہ لازم آتی ہے یعنی غلام کو مدبّر کے ساتھ فروخت کرنے میں مدبر کی بیع رد ہو جائے گی اور غلام کی صحیح ہوگی اور غلام کے حصہ کی قیمت (دینی) لازم ہوگی اور بیع بالحصہ صحیح نہیں ہے، اس کا جواب دیا کہ) یہ مبیع قبول کرنے کے لئے غیر مبیع کو قبول کرنے کی شرط نہیں ہے اور نہ بیع بالحصہ ابتدائی معاملہ میں ہے (بلکہ بیع کے انجام میں ہے جو کہ جائز ہے)، اسی وجہ سے اس مسئلہ میں ہر ایک کی قیمت بیان کرنے کی شرط نہیں ہے۔

فصل فی احکامه

بیع کے احکام کا بیان

مسئلہ:۔ اگر خریدار نے بیع فاسد میں بائع کی (صریح یا دلالۃً) اجازت سے مبیع پر قبضہ کرلیا اور حال یہ ہے کہ عقد میں دونوں عوض مال ہیں (مردار، خون وغیرہ نہیں ہیں) تو خریدار مبیع کا مالک ہو جائے گا اور اس کے ذمہ مبیع کی بازار میں مروّج قیمت [1] لازم ہوگی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ مالک نہیں ہوگا اگرچہ قبضہ کرلے، اس لئے کہ یہ ممنوع طریقہ ہے تو اس کے ذریعہ سے ملکیت کی نعمت حاصل نہیں ہوگی۔ نیز (امام

[1] فقہاء کی اصطلاح میں ثمن اور قیمت میں فرق ہے۔ ثمن سے مراد مبیع کی وہ قیمت ہے جو بائع اور مشتری آپس میں طے کریں۔ اور قیمت سے مراد مبیع کی وہ قیمت ہے جو بازار میں رائج ہے، خواہ وہ باہمی طے شدہ قیمت سے زائد ہو یا کم۔

شافعیؒ کی اصل کے مطابق) کسی حکم کی نہی اس کی مشروعیت کو منسوخ کر دیتی ہے (اور مشروعیت بالکل ختم ہو جاتی ہے) کیونکہ مشروعیت اور نہی میں تضاد ہے۔ اسی بناء پر مبیع پر قبضہ سے پہلے یہ بیع ملکیت کے لئے مفید نہیں ہے اور بیع فاسد، بیع باطل کی طرح یعنی مردار کے بدلہ میں فروخت یا شراب کو دراہم کے بدلہ میں فروخت کی طرح ہو گئی (اور بیع باطل میں ملکیت حاصل نہیں ہوتی، اگر چہ قبضہ کر لے)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بیع کا رُکن ایسے آدمی سے صادر ہوا ہے جو اس کا اہل ہے اور بیع کے محل (یعنی مال) کی طرف منسوب ہے، تو اس کو منعقد کہنا ضروری ہے۔ (اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں) اہلیت اور محل ہونے میں تو کوئی پوشیدگی نہیں ہے اور بیع کا رکن مال کا مال سے تبادلہ ہے اور اسی میں اختلاف و تفصیل ہے۔ (ہمارے نزدیک) کسی چیز کی نہی اس کی مشروعیت کو ثابت کرتی ہے کیونکہ نہی اس کے تصوّر کا تقاضا کرتی ہے (مطلب یہ ہے کہ کسی بھی چیز کے اندر جو صلاحیت ہوتی ہے، اسی سے امر و نہی متعلق ہوتے ہیں، اگر صلاحیت نہ ہو تو امر و نہی بے کار ہے جیسے نابینا سے یہ کہنا بے کار ہے کہ وہ نہ دیکھے، بلکہ جسے نہ دیکھنے کا حکم ہوتا ہے، اس میں دیکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اسی طرح تمام شرعی اوامر و نواہی ہیں)۔ تو نفس بیع مشروع ہے اور اسی مشروعیت کی وجہ سے ملکیت کی نعمت حاصل ہوتی ہے اور (مذکورہ مسئلہ میں) ممانعت، بیع کے ساتھ پڑوس کی طرح متصل ہے جیسا کہ جمعہ کی اذان کے وقت بیع میں (ممانعت پڑوس میں ہوتی ہے اصل عقد میں نہیں ہوتی، اسی بناء پر بیع مکروہ ہوتی ہے اور یہاں اس اتصال کا تعلق بیع کی صفت سے ہے اس لئے یہ مکروہ سے بڑھ کر فاسد ہے)۔ اور بیع فاسد میں قبضہ سے پہلے ملکیت (ثابت نہ ہونے کی جو نظیر امام شافعیؒ نے پیش کی تھی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ملکیت) اس لئے ثابت نہیں ہوتی تاکہ وہ متصل فساد کے ثابت ہونے کا ذریعہ نہ بن جائے کیونکہ قبضہ کے بعد بھی مبیع واپس لے کر بیع فاسد کو دور کرنا ضروری ہے، تو

(قبضہ سے پہلے ملکیت ثابت نہ کرکے) خریدار کو مبیع کے مطالبہ سے روکنا زیادہ اولیٰ ہے (کیونکہ ملکیت ثابت ہونے کے بعد خریدار مبیع کا مطالبہ کرے گا اور پھر بعد میں بائع فساد دور کرنے کے لئے اس سے مبیع کی واپسی کا مطالبہ کرے گا تو یہ عمل عبث ہوگا)۔ نیز بیع فاسد میں ملکیت کا سبب ضعیف ہوگیا، کیونکہ قبیح (یعنی ممنوع شرعی) کے ساتھ سبب متصل ہے، تو حکم (یعنی ملکیت کا) فائدہ دینے میں اس کی قوت کے لئے قبضہ کی شرط مقرر کی، ہبہ کی طرح (کہ اس میں بھی قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہوتی ہے)۔ مردار (کو فروخت کرنے کی جو نظیر امام شافعیؒ نے دی تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ملکیت اس لئے ثابت نہیں ہوتی کہ وہ) مال نہیں ہے، تو بیع کا رکن معدوم ہوگیا (اور رکن کی غیر موجودگی میں بیع باطل ہوتی ہے کیونکہ محلِ بیع نہیں ہے)۔ شراب (کی نظیر کا جواب یہ ہے کہ) اگر وہ مبیع ہے تو اس کا جواب ہم نے دے دیا (کہ اسے مبیع بنانے میں اس کا اعزاز ہے حالانکہ شریعت نے اس کی توہین کا حکم دیا ہے، اس لئے اس میں بیع باطل ہے) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ (روپے پیسے کے بدلہ) شراب خریدنے کی صورت میں (شراب کے بجائے) اس کی قیمت واجب ہوتی ہے اور قیمت ثمن بن سکتی ہے مبیع نہیں بن سکتی (حالانکہ یہاں اسے مبیع بنایا گیا تھا، تو اس خلاف وضع کی وجہ سے بیع باطل ہے)۔

مسئلہ میں یہ شرط مقرر کی ہے کہ قبضہ بائع کی اجازت سے ہو اور یہ شرط ظاہر الروایت میں ہے مگر یہ کہ بطور استحسان دلالۃً بھی اجازت کافی ہے، جیسے مبیع پر عقد کی مجلس میں (بائع کے سامنے اس کے کہے بغیر) قبضہ کرلے۔ اور یہی صحیح روایت ہے۔ اس لئے کہ بیع کی وجہ سے خریدار کو بائع کی طرف سے مبیع پر قبضہ کرنے کا تسلّط واختیار حاصل ہوجاتا ہے۔ تو جب خریدار نے بائع کی موجودگی میں باہم جدا ہونے سے پہلے مبیع پر قبضہ کیا اور بائع نے اسے منع نہیں کیا، تو سابقہ تسلّط کی وجہ سے قبضہ

ثابت ہو جائے گا۔ اسی طرح ہبہ کی مجلسِ عقد میں قبضہ کا حکم ہے کہ (اگر ہبہ کرنے والے کے سامنے چیز پر قبضہ کیا اور اس نے منع نہیں کیا تو) وہ بطور استحسان صحیح ہے۔

اس مسئلہ میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ عقد میں ہر ایک عوض مال ہوتا کہ بیع کا رکن ثابت ہو جائے، جو کہ مال کا مال کے بدلہ میں تبادلہ ہے۔ تو اسی اصول پر مردار، خون، آزاد اور ہوا کے بدلہ میں بیع کا اور ثمن کی نفی کے ساتھ بیع کا حکم نکال سکتے ہیں (کہ ان صورتوں میں عوض مال نہیں ہے، اس لئے بیع باطل ہے)۔[1]

علامہ قدوریؒ کا یہ فرمانا کہ "اس کی قیمت لازم ہے" اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ چیزیں جن کی صرف قیمت مقرر ہو سکتی ہے (جیسے جانور وغیرہ) ان کی قیمت دینی لازم ہوگی لیکن جو چیزیں ایسی ہیں جن کی مثل مِل سکتی ہے (جیسے ماپ اور وزن کی جانے والی چیزیں) تو ان کی مِثل دینی لازم ہوگی۔ اس لئے کہ بیع فاسد میں قبضہ کے بعد مبیع کی مالیت قابلِ ضمان ہے (ثمن اور قیمت کا اعتبار نہیں ہے) اور یہ غصب شدہ چیز کے مشابہ ہے (کہ اگر وہ ضائع ہوگئی تو اس کی مِثل ورنہ اس کی قیمت دینی لازم ہوگی) اور چیز کی مِثل دینا اس لئے لازم ہے کہ صورت و معنی میں مِثل (نائب) صرف معنی میں مِثل سے بہتر ہے (اور قیمت صرف معنی میں مِثل ہوتی ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: معاملہ کرنے والوں میں سے ہر ایک بیع فاسد کو فسخ کر سکتا ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: تا کہ فساد دور ہو جائے۔ یہ حکم مبیع پر قبضہ سے پہلے تو ظاہر ہے، اس لئے کہ بیع کا حکم یعنی ملکیت کا فائدہ حاصل نہیں ہوا، تو فسخ حکم سے روکنے کے معنی میں ہوگا (یعنی فسخ اصلی معنی میں نہیں کہ ایک چیز ثابت ہونے کے

---

[1] ہوا کے بدلہ میں بیع کی صورت یہ ہے کہ میں یہ چیز اس ہوا کے بدلہ میں فروخت کرتا ہوں جو تمہارے مکان کے شمال جانب سے آتی ہے۔ ثمن کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ چیز کی فروخت کے وقت اس کی قیمت کی نفی کر دی۔ باطل اس لئے ہے کہ عوض نہیں پایا گیا۔

بعداسے فسخ کیا جائے) اوراسی طرح قبضہ کے بعد بھی (فسخ کرنے کا اختیار ظاہر ہے) جبکہ فساد عقد کی ذات میں ہو، کیونکہ فساد یہاں قوی ہے (اور کسی ایک کا دوسرے پر حق متعلق نہیں ہوا، اس لئے ہر ایک کو فسخ کرنے کا اختیار ہے)۔ اگر بیع میں فساد کسی اضافی شرط کی بناء پر ہے، تو جس کے لئے شرط مقرر کی گئی ہے، اسے فسخ کرنے کا اختیار ہے نہ کہ وہ جس کے خلاف مقرر کی گئی (اسے یہ اختیار حاصل نہیں)، اس لئے کہ یہاں عقد (ذات کے اعتبار سے) قوی ہے مگر جس کے لئے شرط مقرر کی گئی ہے، اس کے حق میں باہمی رضامندی ثابت نہیں ہوئی، (اس لئے عقد میں کچھ ضعف کی بناء پر ایک فریق فسخ کرسکتا ہے دوسرا نہیں کرسکتا)۔

مسئلہ:۔ اگر خریدار نے اس مبیع کو (آگے) فروخت کردیا تو اس کی فروخت نافذ ہوگی۔ اس لئے کہ خریدار مبیع کا (قبضہ کے بعد) مالک ہوگیا، تو وہ اس میں تصرّف واستعمال کرسکتا ہے اور بائع کا مبیع واپس لینے کا حق ساقط ہوگیا، اس لئے کہ غلام (یعنی مبیع) کا دوسرے خریدار کے ساتھ حق متعلق ہوگیا (اور یہ حقوق العباد میں سے ہے) اور پہلی بیع کو توڑنا شرعی حق ہے اور بندہ کا حق اس کی حاجت کی وجہ سے مقدّم ہے (اس لئے اب پہلی بیع کو نہیں توڑ سکتے) نیز پہلی بیع وصف کے بجائے صرف اپنی اصل کے اعتبار سے مَشْرُوع ہے اور دوسری بیع اصل اور وصف دونوں کے اعتبار سے مَشْرُوع ہے، تو وصف (کی خرابی والی بیع) دوسری بیع سے معارض نہیں ہوگی۔ نیز دوسری بیع پہلے بائع کی طرف سے مبیع پر تسلّط دینے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے (کہ اس نے قبضہ کی اجازت دی، تو بائع کی طرف سے واپسی کا مطالبہ اپنے ہی امر کی مخالفت کرنا ہوگا)۔ اعتراض ہوا کہ یہاں دوسری بیع کے بعد مبیع میں دوسرے کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے پہلا بائع فسخ نہیں کرسکتا، تو گھر خریدنے کے بعد خریدار اگر اس گھر کو فروخت کردے تو شفیع یعنی پڑوسی کو اس بیع کے فسخ کا حق حاصل نہیں ہونا

چاہئے کیونکہ دوسرے کا حق متعلق ہوگیا ہے، حالانکہ اسے یہ حق حاصل ہے، تو جواب میں فرماتے ہیں کہ جس گھر میں شفعہ کا مطالبہ ہوا ہے، اس میں خریدار کے تصرّف کی حیثیت مختلف ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک بندہ کا حق ہے (کہ ایک طرف پڑوسی کا حق ہے اور دوسری طرف دوسرے خریدار کا حق ہے) اور مشروعیت میں دونوں برابر ہیں (کسی ایک کو ترجیح حاصل نہیں ہے) نیز خریدار نے جو تصرّف کیا ہے وہ شفیع کی طرف سے تسلّط اور اجازت سے حاصل نہیں ہوا (اس لئے وہ مطالبہ کرسکتا ہے لیکن اگر اس کی اجازت سے ہو تو اس کا مطالبہ باطل ہو جائے گا)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے غلام کو شراب یا خنزیر کے بدلہ میں خریدا اور اس پر قبضہ کر کے اسے آزاد کر دیا یا فروخت کر دیا یا ہبہ کر کے حوالہ کر دیا تو اس کے یہ تمام تصرفات جائز ہیں اور اس کے ذمّہ (شراب یا خنزیر کے بجائے) غلام کی قیمت لازم ہوگی۔ مصنفؒ نے فرمایا: وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی کہ خریدار غلام کا قبضہ کرنے کے بعد مالک ہوگیا تو اس کے تصرفات نافذ ہوں گے اور آزاد کر کے (گویا کہ) غلام کو ضائع کر دیا (کیونکہ اس کی غلامی ختم ہوگئی) تو اس پر قیمت لازم ہوگی (جیسے غصب شدہ چیز کو ضائع کرنے میں قیمت لازم ہوتی ہے)۔ فروخت کرنے اور ہبہ کرنے سے واپسی کا حق ختم ہوگیا جیسا کہ اس کی وجہ پہلے گزری (کہ دوسرے کا حق متعلق ہوگیا وغیرہ)۔

غلام کو مکاتب بنانا یا رہن میں رکھنا یہ بھی بیع کی طرح ہیں (یعنی مکاتب بنانے یا رہن میں رکھنے کے بعد اب بیع فاسد کو فسخ نہیں کر سکتے) کیونکہ یہ دونوں معاملات بھی لازم ہیں (ان کو نافذ کرنا ضروری ہے)۔ مگر یہ کہ اگر مکاتب (بدلِ کتابت کی ادائیگی کرنے سے) عاجز و ناکام ہو جائے یا (قرضہ ادا کر کے) رہن چھڑا لیا جائے تو (پہلے بائع کے لئے مبیع کی) واپسی کا حق دوبارہ لوٹ آئے گا کیونکہ

ممانعت ختم ہوگئی۔ یہ حکم اجارہ (یعنی کرایہ کے معاملہ) سے مختلف ہے (یعنی بیع فاسد کے ذریعہ غلام یا کوئی اور چیز خرید کر اسے کرایہ پر دے دیا تو بائع فسخ کر کے واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے) کیونکہ اجارہ کو عذر کی بناء پر فسخ کر سکتے ہیں اور بیع کے فساد کو دور کرنا بھی ایک عذر ہے۔ نیز اجارہ وقتاً فوقتاً منعقد ہوتا ہے یعنی اجارہ کا انعقاد مدت معیّنہ تک نہیں ہوتا بلکہ جب تک کرایہ دار کے پاس چیز موجود ہوگی اجارہ کا ہر وقت انعقاد ہوتا رہے گا اور جب چیز واپس لی جائے گی تو انعقاد ختم ہوجائے گا) تو چیز کی واپسی اجارہ کے انعقاد میں مانع ہوگی۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: بیع فاسد میں بائع مبیع اس وقت تک واپس نہیں لے سکتا جب تک کہ وہ مبیع کی قیمت خریدار کو واپس نہ کرے۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ مبیع قیمت کے مقابلہ میں ہے تو وہ قیمت کی وجہ سے محبوس ہوجائے گی جیسے رہن ہے (کہ رہن میں رکھی ہوئی چیز قرض کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور جب تک قرض ادا نہ کیا جائے تو چیز واپس نہیں کی جاتی)۔ اگر بائع کا انتقال ہوگیا تو خریدار اس مبیع کا زیادہ حق دار ہے یہاں تک کہ وہ (ادا کی ہوئی) قیمت حاصل کرلے، کیونکہ خریدار بائع پر بائع کی زندگی میں مقدّم ہے تو اسی طرح بائع کی وفات کے بعد وہ اس کے ورثاء اور اس کے قرض خواہوں پر مقدّم ہوگا جیسے راہن ہوتا ہے (یعنی گروی رکھا کر قرض لینے والا، اگر وہ مرجائے تو جس کے پاس چیز گروی ہے اور اس نے قرضہ دیا وہ اس گروی رکھی ہوئی چیز کا راہن کے ورثاء اور قرض خواہوں سے زیادہ حق دار ہے یہاں تک کہ اپنا قرضہ وصول کرلے)۔

بیع فاسد میں اگر مبیع کی ادا کی ہوئی قیمت کی رقم بعینہٖ موجود ہے، تو خریدار وہی معیّنہ رقم لے گا اس لئے کہ بیع فاسد میں رقم متعین ہوجاتی ہے اور یہی صحیح روایت ہے کیونکہ (بائع کے قبضہ میں قیمت) غصب شدہ چیز کی طرح ہے (اور غصب شدہ چیز

کو بعینہٖ واپس کرنا ہوتا ہے بشرطیکہ وہ موجود ہو)۔ اور اگر وہ رقم ضائع ہوگئی تو اس کی مثل لے گا اسی وجہ سے جو ہم نے بیان کی (کہ یہ غصب کی طرح ہے اور غصب شدہ چیز اگر برباد ہوجائے تو اس کی مثل دینی ہوتی ہے)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے گھر بیع فاسد کے ساتھ فروخت کیا، پھر خریدار نے اس پر تعمیر کی تو خریدار کے ذمہ اس کی بازار کی مروّجہ قیمت دینا لازم ہوگی۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ یعقوب یعنی امام ابویوسفؒ نے امام صاحبؒ سے جامع صغیر میں اسے روایت کیا ہے۔ پھر اس کے بعد انہوں نے اس روایت (کے سُننے میں) میں تردّد کیا (کہ میں نے اُن سے سنایا نہیں)۔ صاحبینؒ نے فرمایا: (نئی) تعمیر توڑ کر (پہلا) گھر واپس کردیا جائے گا۔ اگر اسی گھر میں درخت لگالئے تو اس کا حکم بھی اسی اختلاف کے ساتھ ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شفیع کا حق بائع کے حق سے کمزور ہے یہاں تک کہ شفیع اپنے حق کے لئے قاضی کے فیصلہ کا محتاج ہے (لیکن بائع محتاج نہیں ہے) نیز حق شفعہ کے مطالبہ میں تاخیر سے حقِ شفعہ باطل ہوجاتا ہے جبکہ بائع کا حق اس سے مختلف ہے (کہ وہ تاخیر سے باطل نہیں ہوتا جب یہ ثابت ہوگیا تو) جو ضعیف حق ہے وہ تو (اگر خریدار گھر خرید کر تعمیر شروع کردے) تعمیر سے باطل نہیں ہوتا، تو جو قوی حق ہے (یعنی بائع کا حق) وہ بدرجۂ اولیٰ باطل نہیں ہوگا۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ (گھر کی) تعمیر کرنے اور (اس میں) درخت لگانے سے مقصود ہمیشگی ہوتی ہے (اس لئے یہ تصرّف کرتے ہیں) اور اس تصرّف کی اجازت بائع کی طرف سے تسلّط دینے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، تو بائع کا واپس لینے کا حق ختم ہوجائے گا جیسے فروخت کرنے کا حکم ہے (کہ اگر خریدار چیز فروخت کردے تو بائع کا واپسی کا حق ختم ہوجاتا ہے)۔

شفیع کے حق کی حیثیت اس سے مختلف ہے اس لئے کہ خریدار کو شفیع کی

جانب سے تسلّط حاصل نہیں ہوا۔ اوراسی بناء پر اگر خریدار گھر کسی کو ہبہ کردے یا فروخت کردے تو بھی اس سے حق شفعہ باطل نہیں ہوگا (جبکہ بائع کا حق باطل ہوجاتا ہے)۔ اسی طرح خریدار کی تعمیر سے بھی حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ یعقوب یعنی امام ابو یوسفؒ نے امام صاحبؒ سے اس روایت کے سُننے اور حفظ کرنے میں شک کیا ہے جبکہ امام محمدؒ نے کتاب الشفعہ میں اختلاف کی صراحت کی ہے۔ چنانچہ شفعہ کا حق اس پر مبنی ہے کہ خریدار کی تعمیر کرنے سے بائع کا (واپسی کا) حق ختم ہوجائے گا اور شفعہ (کے حق) کے ثبوت میں (امام صاحب اور صاحبین میں) اختلاف ہے (اور یہ فرع ہے تو جب فرع میں اختلاف ہے تو اس کی اصل یعنی بائع کا حق اس میں بھی اختلاف ہوگا)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے بیع فاسد کے ذریعہ باندی خرید کر اس پر قبضہ کرلیا اور پھر اسے فروخت کردیا اور اس میں نفع حاصل ہوا، تو وہ یہ نفع صدقہ کردے اور پہلے بائع کو جو نفع حاصل ہوا ہے وہ اس کے لئے پاک ہے۔ (پہلے بائع کا نفع پاک اور خریدار کی فروخت کا نفع خبیث وناپاک (ان میں) فرق کی وجہ یہ ہے کہ باندی ایسی چیز ہے جو متعین ہوجاتی ہے تو عقد بھی اس سے متعلق ہوگیا (اور عقد فاسد تھا تو باندی میں فساد کا حصہ آ کر اس سے حاصل ہونے والے) نفع میں خباثت آ گئی جبکہ دراہم ودنانیر (یعنی روپے پیسے) عقود میں متعین نہیں ہوتے تو دوسرا عقد ان معیّنہ دراہم سے متعلق نہیں ہوا (جو بیع فاسد میں ادا کئے گئے تھے اور ان میں فساد نہیں آیا) تو حاصل ہونے والے نفع میں خبث نہیں آیا، پس صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ تفصیل وحکم اس خبث میں ہے جس کا سبب ملکیت کا فاسد ہونا ہے (جیسا کہ بیع فاسد میں تھا) اگر خباثت (ناپاکی) ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے ہو (جیسے غصب شدہ اور امانت کی چیز یا رقم سے نفع حاصل کیا) تو امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کے نزدیک یہ خباثت دونوں نوع (یعنی متعین ہونے والی جیسے اشیاء اور متعین نہ ہونے والی جیسے روپے پیسے، ان) سے متعلق ہوگی۔ کیونکہ جو چیز متعین ہوجاتی ہے،

حقیقت میں عقد اسی سے متعلق ہوتا ہے اور جو چیز متعین نہیں ہوتی (جیسے رقم) اس سے خباثت اس شبہ سے متعلق ہوتی ہے کہ اس سے مبیع کا حوالہ یا قیمت کا اندازہ ہوتا ہے (مثلاً غصب شدہ یا امانت کے مال سے چیز خریدی تو غیر مملوک مال کے ذریعہ چیز حاصل ہوئی یا چیز خریدتے وقت غیر مملوک مال کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے قیمت ادا کروں گا اور معاملہ ہونے کے بعد قیمت اپنے مال سے ادا کی لیکن اندازہ غیر مملوک مال سے ہوا، تو ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے متعینہ اشیاء میں خباثت کی حقیقت اور غیر متعینہ میں خباثت کا شبہ آ گیا) جبکہ ملکیت فاسد ہونے کی صورت میں خباثت کی حقیقت (جو متعینہ اشیاء میں ہوتی ہے، حقیقت سے اُتر کر) شبہ میں بدل جاتی ہے اور خباثت کا شبہ (جو غیر متعینہ یعنی رقم میں ہوتا ہے) اُتر کر شبہ کے شبہ میں بدل جاتا ہے (کیونکہ فاسد میں ملکیت موجود ہے اور باطل میں نہیں۔ اس لئے یہ فرق ہے) اور (معاملات کے صحیح وفاسد ہونے میں) شبہ کا اعتبار ہے شبہ کے شبہ کا اعتبار نہیں ہے۔[1]

---

[1] متعین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے وہ چیز فروخت کی تو وہی چیز حوالہ کرنی ہوگی اور وہ متعین ہوگئی اور متعین نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہی چیز ضروری نہ ہو اور یہ روپے پیسے یعنی رقم کی صفت ہے اگر کچھ رقم کی طرف اشارہ کیا کہ قیمت میں یہ ادا کروں گا تو وہی ادا کرنا ضروری نہیں ہے، دوسری رقم بھی ادا کر سکتا ہے۔ فساد کی دو قسمیں ہیں: (۱) کسی چیز یا رقم کا مالک نہ ہو اور وہ چیز فروخت کردے یا اس رقم سے کوئی چیز خرید لے۔ (۲) چیز یا رقم کا مالک ہے لیکن عقد فاسد ہے۔ پھر یہ فساد چیز سے حقیقت میں متعلق ہو جاتا ہے اور رقم سے اس شبہ پر کہ وہ رقم خریدنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اور فاسد چیز یا رقم کے ذریعہ جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ نفع بھی فاسد ہے، اس لئے اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے، لیکن فساد کی پہلی قسم قوی اور دوسری ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ملکیت ہے چنانچہ فساد کی دوسری قسم میں حقیقی فساد شبہ میں اور شبہ والا فساد شبہ کے شبہ میں بدل جاتا ہے۔ اور معاملات میں شبہ کا تو اعتبار ہے لیکن شبہ کے شبہ کا اعتبار نہیں، بلکہ آسانی کے لئے معاف ہے ورنہ حرج وتنگی لازم آئے گی۔ یہ فرق امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کے نزدیک ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غیر مملوک کا فساد ضمانت ادا کرنے کے بعد فسادِ ملک کی طرح ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اسی طرح اگر کسی نے دوسرے شخص پر مال کا دعویٰ کر دیا اور دوسرے شخص نے وہ مال اس دعویٰ کرنے والے کو ادا کر دیا پھر دونوں نے اس کی تصدیق کی کہ مدعی کا دوسرے شخص پر کوئی مال نہیں تھا (اور دعویٰ جھوٹا تھا) اور مدعی نے اس مال سے نفع حاصل کیا تو اس مدعی کے لئے یہ نفع پاک ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ خباثت یہاں ملکیت کے فساد کی وجہ سے ہے (عدمِ ملک کی بناء پر نہیں ہے)۔ اس لئے کہ قرض دعویٰ کرنے سے واجب ہو گیا۔ پھر آپس کی تصدیق (کہ مدعی کا دوسرے شخص پر کوئی مال نہیں ہے اور مدعی نے اس کا اقرار کر لیا تو اس) سے یہ دوسرا شخص اس قرضہ کا مستحق ہوا (جو اس نے مدعی کو ادا کیا تھا) اور قرضہ مستحقہ کا بدل (جو مدعی ادا کرے گا وہ) مدعی کا مملوک ہے (کیونکہ وہ اپنے مال سے ادا کرے گا، جو مال اس نے دوسرے شخص سے لیا تھا وہ اس نے خرچ کر دیا، تو یہاں یہ فساد عقد میں ہے عدمِ ملک کا فساد نہیں ہے) تو جو متعین نہیں ہوتا (یعنی رقم) اس میں اس فساد کا کچھ اثر ظاہر نہیں ہوگا (کیونکہ یہ شبہہ کا شبہہ ہے)۔

☆☆☆

فصل فیما یکرہ

مکروہ خرید وفروخت کا بیان

مسئلہ: ۔علامہ قدوریؒ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے نجش سے منع فرمایا ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں: نجش یہ ہے کہ (ایک خریدار چیز کی قیمت لگائے تو دوسرا شخص آئے اور) وہ (خریدار کی لگائی ہوئی) قیمت میں اضافہ کرے (کہ میں اس سے زیادہ میں خریدتا ہوں) لیکن اس کی خریدنے کی نیت نہ ہو بلکہ اضافہ اس لئے کیا تاکہ اس کے علاوہ (یعنی اُسی خریدار) کو رغبت پیدا ہو (کہ اگر میں نے جلدی سے معاملہ نہیں کیا تو بائع اس زائد قیمت والے کو دے دے گا، اس لئے وہ خریدار جلدی خرید لے گا۔ بائع اس مقصد کے لئے ایک آدمی رکھتا ہے تاکہ اس کی فروخت ہو، اور یہ صحیح نہیں ہے)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: باہم نجش کا معاملہ نہ کرو۔[1]

علامہ قدوریؒ نے فرمایا: آپؐ نے دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ لگانے سے بھی منع فرمایا۔ مصنفؒ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کے بھاؤ پر اپنا بھاؤ نہ لگائے اور نہ اپنے بھائی کے نکاح کے پیغام پر اپنا پیغام دے۔[2]

نیز اس طرح کرنے میں دوسرے کے دل میں وحشت ڈالنا اور اسے نقصان پہنچانا پایا جاتا ہے (اور یہ دونوں چیزیں صحیح نہیں ہیں)۔ یہ ممانعت اس وقت ہے جبکہ معاملہ کرنے والے بھاؤ میں کسی قیمت پر راضی ہو گئے ہوں، لیکن اگر کسی ایک کا دوسرے کی طرف میلان نہیں ہوا (اور کسی قیمت پر راضی نہیں ہوئے) تو ایسی

---

[1] حضرت ابوہریرہؓ سے متفق علیہ حدیث مروی ہے۔ [2] یہ ابن عمرؓ سے متفق علیہ حدیث ہے۔

صورت میں دوسرے کا بھاؤ لگانا، زیادہ قیمت لگا کر فروخت کرنا ہے (جو کہ نیلام کی صورت ہے) اور اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ ہم اسے بیان کریں گے۔ ممانعت کے جو معنی بیع میں ہم نے ذکر کئے یہی معنی نکاح میں بھی ہیں (کہ اگر لڑکے اور لڑکی والے راضی ہو گئے تو دوسرا آدمی پیغام نہ دے لیکن اگر ابھی لڑکی والے راضی نہیں ہوئے تو دوسرا شخص پیغام دے سکتا ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: آپؐ نے تلقی جلب سے بھی منع فرمایا۔ (اس کی صورت یہ ہے کہ گاؤں سے ایک شخص اناج وغیرہ لایا اور شہر کے آدمی نے اس سے مل کر سارا اناج خرید لیا تا کہ اپنی مرضی کے دام پر فروخت کرے، جیسا کہ آج کل آڑھت ہے)۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ شہر والوں کو اس سے نقصان پہنچے (کہ شہر میں اناج کی کمی ہو یا وہ بہت زیادہ قیمت میں فروخت کرے) اگر شہر والوں کو اس سے نقصان نہ ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر شہری نے گاؤں سے اناج وغیرہ لانے والوں پر منڈی کے نرخ پوشیدہ رکھے (اور صحیح نرخ نہیں بتلائے بلکہ منڈی کے نرخ سے کم میں خریدا) تو اس وقت یہ بیع مکروہ ہے اس لئے کہ اس صورت میں دھوکہ اور نقصان ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے شہری کو گاؤں والوں کے لئے فروخت کا معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شہری گاؤں والے کے لئے فروخت نہ کرے (الحدیث)۔ یہ کراہت اس وقت ہے جبکہ شہر والے قحط اور تنگی میں ہوں اور شہری گاؤں والے سے زیادہ قیمت کے لالچ میں (سارا اناج) خرید لے (اور پھر اپنی مرضی سے زیادہ دام پر فروخت کرے) تو شہریوں کو اس سے تکلیف پہنچے گی۔ اگر قحط اور اناج کی تنگی کی صورت نہ ہو، تو اس خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ (اناج کی کثرت کی وجہ

سے قیمتوں میں توازن ہوگا اور اس میں) شہریوں کے ضرر و تکلیف کی صورت معدوم ہے۔[1]

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: جمعہ کی اذان کے وقت بیع مکروہ ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ.

(اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو)۔ (الجمعۃ: ۹)

نیز اذان کے وقت بعض صورتوں میں خرید و فروخت کرنے کی وجہ سے اس دوڑ میں خلل واقع ہوتا ہے جو کہ واجب ہے۔

اس مسئلہ میں (جمعہ کی دو اذانوں میں سے) جو اذان معتبر ہے (کہ اس وقت خرید و فروخت بند کردی جائے) وہ ہم نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کردی ہے (کہ زوال کے بعد پہلی اذان معتبر ہے اس اذان کے بعد خرید و فروخت مکروہ ہے)۔

علامہ قدوریؒ نے فرمایا: ان سارے مسائل میں (جو اس فصل میں اب تک آئے ہیں) بیع مکروہ ہے، اسی وجہ سے جو ہم نے ہر مسئلہ کے ساتھ ذکر کی ہے، بیع فاسد نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ ان مسائل میں فساد اور ممانعت زائد اور

---

[1] ایک چیز کو جتنی دفعہ فروخت کیا جائے گا تو اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا جائے گا، جو کہ مہنگائی کا سبب بنے گا۔ خاص کر جبکہ چیز کی قلت ہو اور اس کی طلب زیادہ ہو، تو اس کی قیمت بے تحاشا بڑھ جاتی ہے جو کہ عوام کی تکلیف کا سبب بنتی ہے۔ اس لئے اس سے منع کیا گیا، لیکن جب چیز وافر مقدار میں موجود ہو تو متعدد بار فروخت کرنے سے بھی چیز کی قیمت تیزی سے نہیں بڑھتی اور اس میں توازن رہتا ہے، اس لئے اس میں کراہت نہیں ہے۔

خارجی معنی کی وجہ سے ہے، یہ فساد نہ عقد کی ذات میں داخل ہے اور نہ اس کی صحت کی شرائط میں (اس لئے باطل اور فاسد نہیں ہے)، بلکہ صرف مکروہ ہے)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: ''کون اس سے زیادہ قیمت میں خریدتا ہے'' یہ آواز لگا کر فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (آج کل یہ نیلام کہلاتا ہے)۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس کی تفسیر ہم نے پہلے ذکر کردی ہے (کہ یہ اس وقت ہے جبکہ خریدار و بائع کا میلان نہ ہو جائے کیونکہ میلان کے بعد دوسرے آدمی کا بھاؤ لگانا مکروہ ہے۔ نیلام کا جواز اس لئے ہے کہ) نبی کریم ﷺ سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے پیالہ اور چٹائی نیلام کر کے فروخت کی۔ نیز یہی فقیروں کی خرید و فروخت ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے۔

مسئلہ:۔ مکروہ میں سے ایک قسم یہ ہے کہ جو کوئی شخص ایسے دو چھوٹے غلاموں کا مالک ہوا کہ ان میں سے ایک دوسرے کا محرم (رشتہ دار) ہے تو ان دونوں میں تفریق نہ کرے (کہ ایک کو فروخت کردے اور دوسرے کو فروخت نہ کرے، اس طرح کرنا مکروہ ہے) اور یہ حکم اس صورت میں بھی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بڑا ہو۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس مسئلہ میں اصل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جس کسی نے ماں اور اس کے بچے (کو الگ الگ کر کے بیچا اور اس طرح ان) کے درمیان جدائی ڈالی تو اللہ اس کے اور اس کے احباء کے درمیان قیامت کے دن جدائی ڈالے گا (الحدیث)۔ نیز نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو دو چھوٹے غلام جو بھائی تھے، ہبہ کئے، بعد میں آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تم نے ان غلاموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو انہوں نے فرمایا: کہ میں نے ان میں سے ایک کو فروخت کردیا۔ تو آپ نے فرمایا: ''اُس کو لو، اُس کو لو''۔ اور بعض روایت میں یہ ہے کہ آپ نے

فرمایا" اُسے واپس لو اُسے واپس لو" (الحدیث)۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک چھوٹا بچہ دوسرے چھوٹے بچہ سے بھی مانوس ہوتا ہے اور بڑے سے بھی مانوس ہوتا ہے، اور بڑا چھوٹے بچّے کی نگہداشت کرتا ہے اور اس کا خیال رکھتا ہے۔ تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو فروخت کرنے میں اُنس کو ختم کرنا اور نگرانی میں رکاوٹ ڈالنا پایا جاتا ہے نیز اس میں بچّوں پر ترکِ شفقت بھی پائی جاتی ہے۔ حالانکہ اس سے ڈرایا گیا ہے (آپ کا فرمان ہے کہ جس نے ہمارے بڑوں کی عزّت نہیں کی، ہمارے بچّوں پر شفقت نہیں کی اور ہمارے علماء کی قدر نہ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے (الحدیث)۔ جُدائی اور تفریق کی اس ممانعت کی علّت وہ رشتہ داری ہے جو آپس کے نکاح کو حرام کرتی ہے، چنانچہ اس ممانعت میں وہ محرم داخل نہیں ہوگا جو رشتہ دار نہ ہو (جیسے رضاعی بھائی وغیرہ) اور وہ رشتہ دار بھی جو محرم نہ ہو (جیسے تایازاد یا ماموں زاد بھائی وغیرہ) نیز اس ممانعت میں میاں بیوی داخل نہیں ہوں گے، ان کے درمیان تفریق کرنا جائز ہے، اس لئے کہ ممانعت کی حدیث خلافِ قیاس وارد ہوئی ہے (جبکہ قیاس کے اعتبار سے یہ تفریق صحیح ہے) تو حدیث جن کے بارے میں وارد ہے انہی میں منحصر ہوگی (اور وہ دو بھائی تھے)۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دونوں بھائی ایک ملکیت میں ایک ساتھ جمع ہوں، جو حدیث ہم نے ذکر کی اس کی وجہ سے، (کہ اس میں بھی دو بھائی ایک ملکیت میں ایک ساتھ جمع تھے)۔ چنانچہ دو بچوں میں سے اگر ایک بھائی اس کی ملکیت میں ہو اور دوسرا بھائی اس کے علاوہ کسی اور شخص کی ملکیت میں ہو، تو ان میں سے کسی ایک کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر دونوں بھائیوں میں جدائی کسی حق دار کے حق کی وجہ سے ہوئی ہے جیسے اُن میں سے کسی ایک بچہ کو جرم کی بناء پر (قاضی یا صاحب حق کے) حوالہ کر دیا یا اُسے قرض کے مطالبہ میں (جو اس نے لے رکھا تھا) بیچ دیا یا

اس میں عیب کی وجہ سے بائع کو واپس کردیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ (جدائی کرنے میں اب) مقصد یہ ہے کہ بچہ کے علاوہ دوسرے شخص (یعنی مولیٰ) سے نقصان وضرر کو دور کیا جائے۔بچے کو نقصان پہنچانا مقصد نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اگر اس نے (دو چھوٹے بھائیوں میں) جدائی کردی (اور ایک کو فروخت کردیا) تو یہ مکروہ ہے لیکن عقد جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ولادت کی رشتہ داری (یعنی باپ بیٹے) میں تفریق کی تو یہ جائز نہیں ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کی رشتہ داری میں جدائی کی تو یہ جائز ہے۔ہم نے جو حدیث روایت کی ہے،اس کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کے مطابق تمام قسم کی رشتہ داری میں تفریق جائز نہیں ہے، کیونکہ ''پانے'' اور ''واپس لینے'' کا حکم بیع فاسد ہی میں ہوتا ہے۔امام صاحبؒ وامام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ بیع کا رکن اس کے اہل (یعنی عاقل آزاد انسان) سے صادر ہوکر اس کے محل (یعنی مال) میں واقع ہوا ہے (اس لئے ارکان موجود ہونے کی وجہ سے بیع منعقد ہوگی)۔ اور اس میں کراہت صرف اس ممانعت کی وجہ سے ہے جو اس کے ساتھ متصل ہے (اس کی ذات وصفت میں داخل نہیں ہے اس لئے بیع باطل یا فاسد نہیں ہے)۔اور اس معاملہ کی کراہت ایک شخص کے بھاؤ لگانے پر دوسرے شخص کے بھاؤ لگانے کی کراہت کے مشابہہ ہوگئی۔

اگر وہ دونوں مملوک بڑے (یعنی بالغ) ہوں تو ان میں جدائی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس لئے کہ حدیث میں جو ممانعت وارد ہوئی ہے، وہ اس میں نہیں پائی جاتی۔صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ماریہؓ اور سیرینؓ کے درمیان جدائی کردی تھی[1] اور یہ دونوں باندیاں (بڑی اور) بہنیں تھیں۔

[1] یعنی ماریہؓ کو خود رکھ لیا اور سیرینؓ کو کسی اور کے حوالہ کردیا۔

باب الاقالۃ

اقالہ کا بیان

خرید و فروخت میں پہلی قیمت کے بدلہ چیز کا اقالہ[1] (یعنی اسے واپس) کرنا جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا[2]: ''جس نے ایسے شخص سے اقالہ کیا جو اپنی خرید میں نادم ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزش کو زائل کر دے گا''۔

نیز بیع کا معاملہ بائع و خریدار کا حق ہے تو دونوں اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے بیع ختم کرنے کے مالک ہیں۔

مسئلہ:۔ اگر سابقہ قیمت سے زائد یا کمی کی شرط لگائی تو شرط باطل ہو جائے گی اور سابقہ قیمت کے برابر بائع واپس کرے گا۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ: اصل میں لفظ اقالہ کے ذریعہ چیز واپس کرنا معاملہ کرنے والوں کے حق میں فسخ (بیع) اور ان کے علاوہ تیسرے شخص کے حق میں نئی بیع ہے، اگر فسخ کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اقالہ باطل ہے[3]۔

---

[1] اقالہ کے معنی رفع کرنا اور دور کرنا یعنی جو بیع قائم ہو چکی ہے اُسے دور کرنا یا منسوخ کرنا۔

[2] یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔

[3] لفظ اقالہ کے ذریعہ چیز واپس کرنے کی نوعیت کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف ہے جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے حکم کے مطابق اس کی مثال یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے سے گھر خریدا اور قبضہ کر لیا، پھر وہ گھر اسے پسند نہیں آیا اور اس نے بائع کو واپس کر دیا تو جو بیع ان کے درمیان پہلے ہوئی تھی، اقالہ کے ذریعہ وہ فسخ ہو گئی لیکن خریدار کا پڑوسی شفعہ کا دعویٰ کر سکتا ہے کیونکہ اس کے حق میں یہ ایسا ہے گویا کہ خریدار نے بائع کو مکان فروخت کر دیا۔ فسخ بنانا ممکن نہ ہو تو وہ باطل ہے اس کی صورت یہ ہے کہ خریدار نے حاملہ بکری خریدی اور خریدار کے پاس اس نے بچہ جنا۔ پھر خریدار نے اقالہ کیا، تو یہ اقالہ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اصل چیز میں وہ اضافہ جو اصل سے الگ ہو، بیع فسخ کرنے میں مانع ہے۔

یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابویوسفؒ کے نزدیک اقالہ معاملہ کرنے والوں کے حق میں بیع ہے۔ اگر بیع بنانا ممکن نہ ہو تو فسخ[1] ہے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو باطل ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک اقالہ دراصل فسخ ہوتا ہے اگر اس کو فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو اس کو بیع بنایا جائے گا، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو یہ باطل ہو جائے گا۔[2] امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اقالہ فسخ اور رفع کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی سے یہ لفظ نکلا ہے کہ "اَقِلْنِیْ عَثْرَتِیْ" "میری لغزش کو دور فرما۔ تو لفظ جس معنی کا تقاضا کر رہا ہے اس کی پوری رعایت کی جائے گی۔ اور جب اس کی رعایت ناممکن ہو جائے تو جس معنی کا وہ احتمال رکھتا ہے وہ مراد لیں گے اور وہ معنی بیع ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہ تیسرے اجنبی شخص کے حق میں بیع ہے۔ امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اقالہ میں دونوں فریق کی رضامندی کے ساتھ ایک مال کا دوسرے مال سے تبادلہ ہوتا ہے اور یہی بیع کی تعریف ہے، اور نیز اسی وجہ سے سامان کے تلف ہو جانے کی صورت میں

---

[1] اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی منقولی چیز خریدی اور اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کا اقالہ کیا، تو چونکہ ان کے نزدیک اقالہ بیع ہے لیکن منقول چیز کی قبضہ کرنے سے پہلے بیع صحیح نہیں ہے۔ اس لئے یہ فسخ ہو جائے گا اور فسخ نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ خریدی ہوئی چیز ضائع ہونے کے بعد اقالہ کریں یا منقولی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی پہلی قیمت کے علاوہ پر اقالہ کریں تو یہ باطل ہے کیونکہ منقولی چیز کی قبضہ سے پہلے بیع صحیح نہیں ہے اور فسخ سابقہ قیمت پر ہوتا ہے اور یہاں قیمت بدل گئی ہے۔

[2] ان کے نزدیک ابتداء میں فسخ ہے اگر فسخ نہ ہو سکے تو بیع ہے جیسے منقولی چیز پر قبضہ کرنے کے بعد پہلی قیمت سے زائد پر اقالہ کریں تو یہ بیع ہو جائے گا کیونکہ فسخ کے لئے سابقہ قیمت ہونی چاہئے اور بیع نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ سامان ضائع ہونے کے بعد اقالہ کریں تو یہ نہ فسخ ہے اور نہ بیع بلکہ باطل ہے یا جیسے چیز پر قبضہ سے پہلے سابقہ قیمت کے علاوہ پر اقالہ کرے تو یہ فسخ اور بیع نہیں ہے۔
خلاصہ یہ کہ امام صاحبؒ کے نزدیک پہلے فسخ پھر باطل، امام ابویوسفؒ کے نزدیک پہلے بیع پھر فسخ پھر باطل اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلے فسخ پھر بیع پھر باطل ہے۔

اقالہ باطل ہوجاتا ہے۔ اور (اگر خریدار کے پاس چیز میں عیب پیدا ہوجائے اور وہ اقالہ کرے اور بعد میں (واپس لینے والے) بائع کو اس عیب کی اطلاع ہو تو) عیب کی بناء پر وہ چیز (خریدار کو) واپس کی جائے گی۔ اور اقالہ سے شفعہ بھی ثابت ہوتا ہے اور یہی بیع کے احکام ہیں۔ امام ابوحنیفہ ؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اقالہ فسخ اور رفع کے معنی میں ہے جیسا کہ ہم نے (امام محمد ؒ کی دلیل میں) بیان کیا اور اصل یہ ہے کہ لفظ کے حقیقی معنی میں عمل کیا جائے (اس لئے یہ ابتداء میں فسخ ہے، بیع نہیں ہے) اور یہ لفظ عقدِ بیع کی ابتداء کا احتمال نہیں رکھتا کہ فسخ ممکن نہ ہونے کی صورت میں اقالہ کو بیع کے معنی میں لیا جائے (جیسا کہ امام محمد ؒ نے فرمایا) کیونکہ فسخ بیع کی ضد ہے اور لفظ سے اس کے ضد کے معنی مراد نہیں لے سکتے، تو (فسخ نہ ہونے کی صورت میں) باطل ہونا متعین ہوگیا۔ اور (امام ابویوسف ؒ و محمد ؒ نے جو نظائر پیش کی تھیں، ان کا جواب یہ ہے کہ) اقالہ کا تیسرے شخص کے حق میں بیع ہونا ضرورت ہے کیونکہ فسخ ہونے سے بیع کا حکم ثابت ہوجاتا ہے جو کہ ملکیت ہے (کہ خریدار سے ملکیت ختم ہوتی ہے تو خود بخود بائع کے لئے ثابت ہوجاتی ہے) لفظ اقالہ کے تقاضے کی بناء پر نہیں (کیونکہ بیع میں ملکیت قصداً ثابت ہوتی ہے اور یہاں ضرورت سے ثابت ہورہی ہے تو تیسرے شخص کے حق میں فسخ نہیں ہوسکتی) کیونکہ انہیں اپنے علاوہ کسی دوسرے پر اختیار نہیں ہے (تو لفظ کے تقاضے کی بناء پر ان کے حق میں فسخ اور اس کے حکم کا اعتبار کرکے تیسرے شخص کے حق میں بیع ہوجائے گی)۔

جب یہ اصول ثابت ہوگیا تو اب ہم مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں کہ اگر اقالہ کرنے میں سابقہ قیمت سے زائد کی شرط مقرر کی تو اقالہ سابقہ قیمت ہی پر ہوگا کیونکہ زائد قیمت پر فسخ بنانا متعذر (ناممکن) ہے۔ اس لئے کہ (فسخ میں موجود چیز کو

اٹھانا ہوتا ہے اور) غیر موجود غیر ثابت کو دور کرنا محال ہے (اور زائد قیمت پہلے سے ثابت نہیں، اس لئے فسخ نہیں کر سکتے) تو شرط باطل ہو جائے گی کیونکہ اقالہ شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔ بیع کا حکم اس سے مختلف ہے (کہ وہ شرط فاسد سے فاسد ہو جائے گی جیسے ایک روپے کو دو روپے کے بدلہ میں فروخت کیا کیونکہ یہاں بیع کے معنی ہو سکتے ہیں) اس لئے کہ عقد بیع میں زائد کو ثابت کرنا ممکن ہے (کیونکہ بیع میں غیر موجود کو ثابت کیا جاتا ہے اور بیع ہونے کی صورت میں) سود ثابت ہو جائے گا (جو کہ حرام ہے اس لئے اس شرط سے بیع باطل ہو جائے گی) لیکن فسخ کرنے اور رفع کرنے میں زائد کو ثابت کرنا ممکن نہیں ہے (تو وہاں زائد کی شرط خود ساقط و باطل ہو جاتی ہے)۔ اسی طرح اگر اقالہ میں سابقہ قیمت سے کم کی شرط مقرر کی (تو بھی شرط فاسد ہو جائے گی) وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی (کہ اقالہ فسخ ہے اور کسی چیز کا فسخ اس کی صفت کے ساتھ ہوتا ہے اور کم کی شرط مقرر کرنے میں وہ صفت نہیں پائی جائے گی تو فسخ نہیں ہوگا)۔ مگر یہ کہ (خریدار کے پاس) مبیع میں عیب پیدا ہو جائے تو اس وقت سابقہ قیمت سے کم میں اقالہ کرنا جائز ہے کیونکہ عیب کی وجہ سے جو اس میں صفت فوت ہوئی ہے اس کے مقابلہ میں کم کی ہوئی مقدار آ جائے گی۔ صاحبینؒ کے نزدیک سابقہ قیمت سے زیادہ کی شرط میں اقالہ بیع ہو جائے گا۔ اس لئے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقالہ کی اصل بیع ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک (اگرچہ فسخ ہے لیکن) اسے بیع بنانا ممکن ہے (کیونکہ ان کے نزدیک فسخ کے بعد بیع کا نمبر ہے)۔ تو جب خریدار نے قیمت میں اضافہ کیا تو وہ اس سے بیع کا ارادہ کر رہا ہے۔ اسی طرح امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی سابقہ قیمت سے کم کی شرط میں بیع ہو جائے گا اس لئے کہ بیع ہی اُن کے نزدیک اصل ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک (اس صورت میں) پہلی

قیمت کے بدلہ میں فسخ ہوگا۔ اس لئے کہ (کم کرنا ایسا ہے کہ) پہلی قیمت کے کچھ حصہ سے سکوت کرنا، اگر خریدار کل قیمت سے سکوت کر کے اقالہ کرے (کہ قیمت کا تذکرہ نہ کرے اور بائع قبول کرلے) تو وہ فسخ ہوتا ہے (اور سابقہ قیمت لازم ہوتی ہے) تو یہ بدرجۂ اولیٰ فسخ ہوگا (کیونکہ اس میں کچھ قیمت کا تذکرہ بھی ہے)۔ قیمت میں اضافہ کا حکم وحیثیت اس سے مختلف ہے (جیسا کہ اس کا بیان ہوا)۔ اگر مبیع (خریدار کے پاس) عیب دار ہوجائے (اور سابقہ قیمت سے کم میں اقالہ کیا جائے) تو یہ کم قیمت کے بدلہ ہی میں فسخ ہوگا، اُس وجہ سے جو ہم نے بیان کی (کہ کمی عیب کے مقابلہ میں آجائے گی)۔

اگر سابقہ قیمت کی جنس کے علاوہ کے بدلہ میں اقالہ کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سابقہ قیمت ہی کے بدلہ میں فسخ ہوگا اور دوسری چیز کا ذکر لغو و بے کار کردیا جائے گا۔ صاحبینؒ کے نزدیک یہ بیع ہے، اُس وجہ سے جو ہم نے بیان کی (کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اصل بیع ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک فسخ نہیں ہوسکتا تو بیع ہے اور بیع کے معنی یعنی مبادلہ بالتراضی موجود ہیں)۔

اگر خریدی ہوئی چیز (مثلاً بکری) نے بچہ جنا۔ پھر دونوں نے اقالہ کیا، تو امام صاحبؒ کے نزدیک اقالہ باطل ہے اس لئے کہ بچہ (جو کہ اضافہ منفصلہ ہے) فسخ میں مانع ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ بیع ہوجائے گی۔ منقولی وغیر منقولی چیزوں پر قبضہ کرنے سے پہلے ان کا اقالہ کرنا امام صاحبؒ و امام محمدؒ کے نزدیک فسخ ہے اور اسی طرح امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منقولی چیز میں فسخ ہے کیونکہ بیع متعذر (ناممکن) ہے (اس لئے کہ منقولی چیز کی قبضہ سے پہلے بیع بالاتفاق ناجائز ہے) اور زمین کا اقالہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیع ہوگا کیونکہ بیع ممکن ہے اس لئے کہ قبضہ سے پہلے زمین کی

فروخت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: قیمت کا تلف ہونا اقالہ کے صحیح ہونے میں مانع نہیں ہے اور خریدی ہوئی چیز (یعنی مبیع) کا تلف ہونا اس کے صحیح ہونے میں مانع ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ بیع کا دور کرنا اپنے قیام کا طالب ہے (یعنی بیع موجود ہو تو اُسے دور کیا جائے گا اگر موجود ہی نہیں ہے تو دور کیسے کیا جائے گا) اور بیع قیمت کے بجائے مبیع کے ساتھ قائم ہوتی ہے (قیمت تو واسطہ ہوتی ہے)۔

اگر مبیع کا کچھ حصہ تلف ہوگیا تو مبیع کے بقیہ حصہ میں اقالہ جائز ہے۔ اس لئے کہ اُس بقیہ حصہ میں بیع قائم ہے۔ اگر خریدار و بائع نے سامان کے بدلہ سامان فروخت کیا تھا تو دونوں سامانوں میں سے کسی ایک کے تلف ہونے کے بعد بھی اقالہ جائز ہے اور کسی ایک کے تلف ہونے سے اقالہ باطل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک مبیع ہے تو گویا کہ بیع باقی ہے (اور تلف شدہ سامان کے بدلہ اس کی قیمت آجائے گی)۔ واللہ اعلم بالصواب

باب المرابحة والتولية

بیع مرابحہ اور بیع تولیہ کا بیان

مسئلہ:۔ بیع مرابحہ یہ ہے کہ کوئی شخص وہ سامان جس کا وہ سابقہ عقد کی وجہ سے مالک ہوا ہے، اُس سامان کو سابقہ قیمت کے بدلہ میں نفع کے اضافہ کے ساتھ فروخت کرے۔ اور بیع تولیہ یہ ہے کہ جس سامان کا وہ سابقہ عقد کی وجہ سے مالک ہوا ہے، اس سامان کو سابقہ قیمت کے بدلہ نفع کے اضافہ کے بغیر فروخت کرے۔

بیع کی یہ دونوں قسمیں جائز ہیں، کیونکہ ان میں جواز کی تمام شرائط موجود ہیں اور اس قسم کی بیع کی ضرورت بھی ہے۔ اس لئے کہ غبی (کم عقل) جسے تجارت کی سمجھ بوجھ نہیں ہوتی (اور بازار کے نرخ معلوم نہیں ہوتے، تو) وہ تجارت کی سمجھ بوجھ رکھنے والے عقل مند شخص کے فعل پر اعتماد کرنے کا محتاج ہوتا ہے اور وہ اس بات سے خوش اور مطمئن ہو جاتا ہے کہ ایسا کوئی ہوشیار آدمی کوئی چیز خرید کر اپنی قیمت خرید پر ہی اس کے ہاتھ بیچ دے (جو بیع تولیہ کہلائے گی) یا اس پر کچھ نفع کا اضافہ کر کے اس کے ہاتھ فروخت کر دے (جو بیع مرابحہ کہلائے گی)۔ تو ان دونوں قسموں کے جواز کا حکم ضروری ہوا۔ اسی وجہ سے ان دونوں قسم کی بیع کی بنیاد امانت پر اور خیانت اور اس کے شبہہ سے احتراز پر ہے۔ صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے دو اونٹ خریدے (ایک اپنے لئے اور ایک آپؐ کے لئے) تو نبی کریم ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ ان میں سے ایک مجھے بیع تولیہ کے ساتھ فروخت کر دو، اس پر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: وہ آپ کے لئے بغیر کسی معاوضہ اور قیمت کے ہے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ یہ قیمت کے بغیر مجھے قبول نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ: بیع مرابحہ اور تولیہ صرف ایسی صورت میں صحیح ہے جبکہ عوضِ اوّل ذوات الامثال سے ہو،[1] کیونکہ اگر اس سامان کا مِثل نہیں ہوگا تو جب دوسرا خریدار اس سامان کا مالک بنے گا تو اس کی قیمت کے بدلہ میں مالک ہوگا حالانکہ قیمت مبہم ہے۔[2]

مسئلہ:۔ اگر خریدار نے وہی غیر مثلی چیز ایسے شخص کو فروخت کی جو غیر مثلی کے بدل کا مالک ہے اور اُسے ایک روپیہ نفع یا ماپ والی معیّن چیز کے نفع کے ساتھ فروخت کی، تو یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ جو چیز اس نے اپنے اوپر لازم کی ہے اس کے ادا کرنے پر قادر ہے [3] اور اگر اُسی چیز کو اُس کی قیمت کے دسویں حصہ کے نفع کے بدلہ میں فروخت کیا تو یہ جائز نہیں ہے (یعنی اگر اس چیز کی قیمت دس روپے ہے تو نفع ایک روپیہ اور اگر قیمت بیس روپے ہے تو نفع دو روپے، لیکن چیز کی اصل قیمت مبہم ہے)۔ اس لئے کہ اس صورت میں اُس نے چیز کو اصل سرمایہ (رأس المال) اور اس کی قیمت کے کچھ حصہ کے بدلہ میں فروخت کیا۔ کیونکہ وہ رأس المال ذوات الامثال

---

[1] ذوات الامثال وہ اشیاء ہیں جو ماپ کر یا تول کر فروخت کی جاتی ہیں۔

[2] اس کی صورت یہ ہے کہ کسی نے جانور بیع مرابحہ پر خریدنے کا معاملہ کیا اور جانور قبضہ میں لے لیا لیکن قیمت کی تعیین نہیں ہوئی۔ خریدار کے پاس جانور ہلاک ہوگیا اور بائع وخریدار کے درمیان نزاع بھی ہوگیا تو اس صورت میں جانور واپس کرنا تھا لیکن وہ ہلاک ہوگیا اور اس کی مثل نہیں ہے اور قیمت مبہم ہے جسے اندازہ سے متعین کیا جائے گا اور خیانت کا شبہ آجائے گا۔ اس لئے غیر مثلی چیزوں میں یہ بیع صحیح نہیں ہے۔

[3] اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کپڑے کے بدلہ غلام خریدا اور بائع نے کپڑے پر اور خریدار نے غلام پر قبضہ کرلیا۔ پھر اس بائع نے اِس کپڑے کا کسی تیسرے شخص کو مالک بنادیا اور خریدار نے یہ غلام اِس تیسرے شخص کو اسی کپڑے اور ایک روپیہ یا ایک سیر اناج کے نفع کے بدلہ فروخت کردیا۔ تو اگرچہ اس میں غیر مثلی چیز فروخت کی گئی لیکن اس کا عوض تیسرے شخص کے قبضہ میں ہے اور ادا کرنے پر قادر ہے۔

میں سے نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ سرمایہ یعنی چیز کی اصل قیمت کے ساتھ دھلائی، نقش ونگار، رنگائی، بٹائی اور اناج منتقل کرنے کی اجرت ملا کران کی قیمت میں اضافہ کرنا جائز ہے اس لئے کہ عرف عام میں سرمایہ (یعنی قیمت) کے ساتھ ان چیزوں (کے خرچہ) کو مِلانا تاجروں کی عادت ہے۔ نیز ہر وہ چیز جس سے مبیع میں یا اس کی قیمت میں اضافہ ہو، اُسے مبیع کی قیمت کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے۔ یہ ایک اصول ہے اور جو چیزیں ہم نے شمار کی ہیں، ان کی یہی صفت ہے اس لئے کہ رنگ اور اُس جیسی چیزیں چیز کی ذات میں اضافہ کرتی ہیں اور سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے اس کی قیمت میں اضافہ ہوجاتا ہے کیونکہ جگہ کے اختلاف سے قیمت بھی مختلف ہوجاتی ہے۔

ایسی صورت میں فروخت کے وقت یہ کہنا چاہئے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی اور یہ نہیں کہنا چاہئے کہ یہ میں نے اتنے میں خریدی ہے۔ تاکہ جھوٹا نہ ہوجائے۔ مویشیوں کو ہانک کر (دوسری جگہ لے جانا) سامان منتقل کرنے کی طرح ہے کہ اس کا خرچہ ان کی قیمت میں شامل کیا جائے گا۔ چرواہے کی اجرت اور سامان کی حفاظت کے لئے گودام کے کرایہ کی حیثیت اس سے مختلف ہے (کہ اس کا خرچہ قیمت میں نہیں لگایا جائے گا)۔ اس لئے کہ اس سے چیز کی ذات اور معنی (یعنی قیمت) میں اضافہ نہیں ہوتا۔ (غلام کو) تعلیم دلانے کی اجرت کی بھی یہی صورت ہے (کہ اس وجہ سے بھی غلام کی قیمت میں اضافہ درست نہیں) کیونکہ اس میں اضافی صفت کا ثبوت اس خاص صفت کی وجہ سے ہوا جو اس میں پہلے سے موجود ہے یعنی اس کی ذہانت (تعلیم صرف سبب بنی ہے)۔

مسئلہ:۔ اگر بیع مرابحہ میں خریدار کو خیانت کی اطلاع ہوجائے (کہ بائع نے قیمت غلط بتائی) تو اسے اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو پوری (بیان کی ہوئی)

قیمت کے بدلہ میں خرید لے، اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اور اگر بیع تولیہ میں خیانت کی اطلاع ہو تو (خیانت کے بقدر) اضافہ کو ساقط کردے (اور اصل قیمت ادا کردے)۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ (ایسی صورت میں) بیع کی دونوں قسموں (یعنی تولیہ اور مرابحہ) میں اضافہ کو کم کردے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں قسموں میں اُسے (لینے یا نہ لینے کا) اختیار ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل اعتبار بیان کی ہوئی قیمت کا ہے کیونکہ وہ معلوم ہے۔ اور بیع تولیہ ومرابحہ سامان کی ترویج وترغیب کے لئے مشروع ہوئی ہیں۔ تو بیع میں یہ قابل رغبت صفت ہوئی جیسے کہ چیز کے سالم ہونے کی صفت کی حیثیت ہے (کہ سالم چیز مرغوب ہوتی ہے اگر خریدنے کے بعد سالم نہ نکلے تو قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے)۔ تو اُس صفت کے فوت ہونے کی صورت میں اسے (قبول کرنے یا نہ کرنے کا) اختیار دیا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مذکورہ بیع میں اصل یہ ہے کہ بیع تولیہ یا مرابحہ ہو۔ اور اسی وجہ سے یہ بیع اس قول کہ ''میں نے تم سے سابقہ قیمت کے بدلہ بیع تولیہ کی'' یا ''میں نے سابقہ قیمت پر نفع کے ساتھ یہ چیز تمہیں فروخت کی'' ان الفاظ سے منعقد ہو جاتی ہے بشرطیکہ سابقہ قیمت معلوم ہو۔

(جب یہ بات ہے) تو سابقہ قیمت پر اس عقد کی بناء ضروری ہے اور یہ ضرورت زائد مقدار کم کرنے ہی سے پوری ہوگی مگر (اتنا فرق ہے کہ) بیع تولیہ میں سرمایہ میں سے خیانت کے بقدر کمی کی جائے گی اور بیع مرابحہ میں نفع وسرمایہ میں سے کمی کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بیع تولیہ میں اگر زائد مقدار کی کمی نہیں کی جائے گی تو بیع تولیہ نہیں رہے گی اس لئے کہ اس زائد مقدار کا اضافہ سابقہ قیمت پر ہوگا (اور بیع تولیہ میں سابقہ قیمت پر اضافہ نہیں ہوتا) تو بیع تولیہ کا تصرّف (وعمل)

تبدیل ہوجائے گا۔اس لئے اِس میں کم کرنا متعین ہوگیا اور بیع مرابحہ میں اگر کمی نہیں کی گئی تب بھی بیع مرابحہ باقی رہے گی اگرچہ نفع میں فرق آجائے گا (کہ نفع زیادہ ہوگیا) لیکن بیع مرابحہ کا تصرّف تبدیل نہیں ہوا تو اس میں اختیار دینے کا قول ممکن ہوگیا۔

اور اگر چیز واپس کرنے سے پہلے وہ چیز (خریدار کے پاس) ضائع ہوگئی یا اس میں ایسی تبدیلی آگئی جو فسخ میں مانع ہے (مثلاً جانور حاملہ تھا اور اس نے بچہ جَن دیا) تو روایات ظاہرہ کے مطابق خریدار پر پوری (بیان کی ہوئی) قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی۔اس لئے کہ یہ صِرف اختیار ہے اس کے مقابلہ میں قیمت نہیں آتی جیسے خیارِ رؤیت وخیارِ شرط کی حیثیت ہے (کہ یہ محض اوصاف ہیں اور ان کے مقابلہ میں قیمت نہیں ہوتی کہ اس میں کمی کی جاسکے بلکہ یہ اصل چیز کے تابع ہوتے ہیں)۔خیار عیب کی حیثیت اس سے مختلف ہے (کہ اس کے مقابلہ میں ثمن ہوتی ہے جس میں بقدرِ عیب کے کمی آجاتی ہے)۔اس لئے کہ خیارِ عیب (کا مقصد) فوت شدہ چیز حوالہ کرنے کا مطالبہ ہے، تو جب مطلوبہ چیز حوالہ کرنا ممکن نہ ہو تو جو چیز اس کے مقابلہ میں ہے (یعنی اس کے بقدرِ ثمن) وہ ساقط ہوجائے گی۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے کپڑا خرید کر اُسے نفع میں فروخت کیا پھر وہی کپڑا خریدا۔اب اگر اِسی کپڑے کو بیع مرابحہ پر فروخت کرے تو جو نفع (اس کپڑے پر) اس سے پہلے حاصل کیا تھا وہ اس کپڑے کی قیمت میں سے کم کردے۔اگر وہ نفع کپڑے کی دوسری پوری قیمتِ (خرید) کے برابر ہو تو اس کپڑے کو بیع مرابحہ پر فروخت نہیں کرسکتا۔یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ آخری قیمت پر بیع مرابحہ کرے۔مصنفؒ نے فرمایا کہ: اس مسئلہ کی

صورت یہ ہے کہ اگر کپڑا دس روپے میں خریدا اور اُسے پندرہ روپے میں فروخت کیا۔ پھر اُسی کپڑے کو دس روپے میں (دوبارہ) خریدا تو اسے پانچ روپے پر مرابحہ پر فروخت کرے اور یہ کہے کہ یہ کپڑا مجھے پانچ روپے میں پڑا ہے۔ اگر اُس نے اِس کپڑے کو شروع میں دس روپے میں خرید کر اُسے بیس روپے میں نفع کے ساتھ فروخت کیا (اور دس روپے نفع ہوا) پھر اسی کپڑے کو دس روپے میں خریدا تو اِس کپڑے کو بیع مرابحہ پر بالکل نہیں فروخت کرسکتا (کیونکہ یہ کپڑا اُسے بلا قیمت پڑ گیا)۔ صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں دس روپے پر مرابحہ کے ساتھ فروخت کرے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ دوسرا عقدِ بیع نیا عقد ہے اور پہلے عقد کے احکام سے منقطع اور جدا ہے (اس کے لئے مستقل حکم ہے)۔ تو اس نئے عقد پر مرابحہ کی بناء کرنا جائز ہے جیسا کہ اگر ان دونوں عقدوں کے درمیان تیسرے شخص کا عقد آ جائے [1]

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ پہلے عقد (یعنی پندرہ یا بیس روپے میں فروخت کرنے) سے نفع حاصل کرنے کا شبہہ دوسرے عقد (یعنی دس روپے میں خریدنے) سے ثابت (و مستحکم) ہوگیا۔ اس لئے کہ یہ (پانچ یا دس روپے کا) نفع عیب ظاہر ہونے سے ساقط ہوسکتا تھا (کہ دوسرا خریدار کپڑا واپس کر کے اپنی رقم پندرہ یا بیس روپے لے سکتا تھا) لیکن دوبارہ خریدنے سے وہ نفع مؤکد ہوگیا (کہ اب واپسی کی کوئی صورت نہیں ہے)۔ اور بیع مرابحہ میں (خیانت کے) شبہہ کو بھی احتیاطاً حقیقت کا درجہ حاصل ہے اور اسی بناء پر صلح میں حاصل ہونے والی چیز کو مرابحہ پر

---

[1] مثلاً دس روپے میں کپڑا خرید کر بیس روپے میں فروخت کردیا پھر اس دوسرے خریدار نے یہ کپڑا تیسرے شخص کو فروخت کردیا اور پہلے خریدار نے اِس تیسرے شخص سے وہی کپڑا دس روپے میں خرید لیا تو یہ بالاتفاق دس روپے پر مرابحہ کے ساتھ فروخت کرسکتا ہے۔

فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں بھی کمی کا شبہ ہے۔[1] تو پہلے خریدار کا معاملہ ایسا ہو گیا کہ گویا اس نے پانچ روپے والے کپڑے کو دس روپے کے بدلہ میں خریدا، تو پانچ روپے کم کر دیئے جائیں گے (کیونکہ پانچ روپے پانچ کے مقابلہ میں آ گئے)۔ اگر کوئی تیسرا شخص اس معاملہ میں داخل ہو جائے (کہ وہ سامان خرید کر پہلے خریدار کو فروخت کر دے) تو پھر حکم مختلف ہے اس لئے کہ نفع میں تاکید پہلے خریدار کے علاوہ کسی اور سے حاصل ہوئی ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ: اگر تجارت کی اجازت حاصل کئے ہوئے غلام نے ایک کپڑا دس روپے میں خریدا، اور غلام پر اتنا قرضہ ہے جو اس غلام کی قیمت کے برابر ہے اور اِس نے یہ کپڑا اپنے مالک (آقا) کو پندرہ روپے میں فروخت کر دیا، تو مالک اس کپڑے کو دس روپے پر مرابحہ کے ساتھ فروخت کرے گا۔ اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ مالک نے کپڑا خریدا اور غلام کو فروخت کر دیا۔

مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اس عقد میں عقد کے منافی (یعنی غلام آقا کا مملوک ہے، اس) کی موجودگی میں عدم جواز کا شبہ ہے (کہ اس صورت کا نتیجہ اپنے آپ سے خریدنا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے لیکن چونکہ غلام پر قرضہ ہے جس کی بناء پر ملکیت میں ضعف آ گیا اور شبہہ پیدا ہو گیا) تو مرابحہ کے حکم میں عقد کو معدوم اعتبار کیا (گویا عقد ہوا ہی نہیں اور مالک نے غلام سے کچھ نہیں خریدا) اور پہلے عقد (یعنی غلام نے جو دس روپے کا کپڑا خریدا تھا، اس) کے لئے صحیح اعتبار کیا۔ تو عقد اس طرح ہو گیا گویا

---

[1] اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر مثلاً سو روپے کا دعویٰ کیا پھر بعد میں کسی چیز پر صلح کر لی کہ وہ چیز لے کر دعویٰ واپس لے لیا۔ اب یہ شخص اس چیز کو سو روپے پر مرابحہ کے ساتھ نہیں فروخت کر سکتا۔ کیونکہ یہاں خیانت کا شبہہ ہے۔

کہ پہلی صورت (یعنی غلام نے خرید کر مالک کو فروخت کیا۔اس) میں غلام نے مولیٰ کے لئے دس روپے کا کپڑا خریدا اور دوسری صورت (یعنی مالک نے خرید کر غلام کو فروخت کیا۔اس) میں گویا مالک نے غلام کے لئے خریدا۔تو پہلی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر مضارب[1] کے پاس دس درہم (مضاربت کے) ہوں اس شرط پر کہ نفع آدھا آدھا ہوگا۔مضارب نے ایک کپڑا دس روپے میں خرید کر (سرمایہ کے) مالک کو پندرہ روپے میں فروخت کردیا تو مالک اس کپڑے کو مرابحہ پر ساڑھے بارہ روپے میں فروخت کرسکتا ہے۔مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اس بیع (یعنی مضارب مالک کو فروخت کرے۔اس) کا اگر چہ ہمارے نزدیک نفع نہ ہونے کی صورت میں جائز ہونے کا حکم دیا گیا ہے باوجود اس کے کہ مالک نے اپنے ہی مال کے بدلہ اپنا مال خریدا ہے (جو کہ عدم جواز کی صورت ہے جیسا کہ) امام زفرؒ کا اس میں اختلاف ہے (کہ نفع نہ ہونے کی صورت میں یہ بیع جائز نہیں ہے لیکن جواز) اس لئے ہے کہ اس بیع سے صاحب مال کو اپنے مال میں تصرّف کرنے کا اختیار حاصل ہوگا (کیونکہ مضارب کو مال دینے کے بعد مالک اس میں تصرّف نہیں کرسکتا تھا،اب تصرّف کرسکتا ہے) اور بیع کا مقصد بھی یہی ہے۔نیز بیع کا انعقاد فائدہ کے تابع ہوتا ہے (اور یہاں فائدہ پایا گیا تو جواز ہے لیکن) اس میں عدم جواز کا بھی شبہ ہے۔کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مضارب پہلی بیع (یعنی کسی اجنبی سے دس روپے کا کپڑا خریدنے میں) ایک اعتبار سے مالک کی طرف سے وکیل ہے (اور وکیل مؤکل کو وہی چیز فروخت نہیں کرسکتا جس کے خریدنے کا اسے وکیل بنایا ہے) تو دوسری (یعنی مالک کے ساتھ ہونے والی) بیع نصف نفع کے حق میں معدوم معتبر کی

[1] مضارب وہ شخص جو دوسرے کے سرمایہ سے نفع ونقصان کی شراکت پر تجارت کرے۔

جائے گی۔[1]

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے باندی خریدی اور وہ کانی ہوگئی یا اس سے جماع کیا جبکہ وہ ثیبہ تھی تو جائز ہے کہ اُسے مرابحہ پر فروخت کرے اور ان اوصاف کو بیان نہ کرے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ مالک نے کوئی ایسی چیز باندی میں سے اپنے پاس نہیں رکھی جس کے مقابلہ میں قیمت (دینی یا کم کرنی لازم) آئے۔ کیونکہ (کانی نہ ہونا وغیرہ یہ ایسے) اوصاف ہیں جن کے مقابلہ میں قیمت نہیں آتی۔ اسی بناء پر اگر باندی حوالہ کرنے سے پہلے اس میں سے کوئی صفت فوت ہوجائے تو (اس کے مقابلہ میں) قیمت ساقط نہیں ہوتی۔ اسی طرح شرمگاہ کے منافع ہیں کہ اس کے مقابلہ میں قیمت نہیں آتی۔ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ جماع سے باندی میں کوئی کمی نہ آئے (کہ وہ پہلے سے ثیبہ ہے لیکن اگر وہ کنواری تھی پھر اس سے جماع کیا تو مسئلہ مختلف ہے)۔ امام ابو یوسفؒ سے پہلی صورت (یعنی کانی ہوجانے

---

[1] ان مسائل میں چند اصولوں کی رعایت کی گئی ہے اور وہ یہ ہیں کہ بیع میں اصل یہ ہے کہ اپنے مال کے بدلہ دوسرے کا مال خریدنا اور اس پر تصرّف کا اختیار حاصل کرنا، اسی لئے آقا اپنے غلام سے اور مالک اپنے مضارب سے بیع نہیں کرسکتا کیونکہ غلام اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ آقا کی ملکیت ہے، اسی طرح مضارب کے پاس جو کچھ ہے وہ سرمایہ کے مالک کی ملکیت ہے۔ لیکن غلام پر اس کی قیمت کے بقدر قرضہ ہونے کی وجہ سے مالک اجنبی کی طرح ہوگیا کیونکہ غلام کو قرضہ کے بدلہ میں فروخت کردیا جائے گا یا آقا ادا کرے گا اس لئے یہ بیع جائز ہوئی۔ اسی طرح مالک مضارب کو مال دے کر اسے استعمال نہیں کرسکتا تو گویا اس مال سے وہ اجنبی ہوگیا اور خریدنے کے بعد وہ اس خریدی ہوئی چیز کو استعمال کرسکتا ہے۔ اس فائدہ کے پیش نظر یہ بیع جائز ہے۔ نیز اس میں یہ بات بھی ہے کہ مضارب مالک کی طرف سے خرید وفروخت میں وکیل ہوتا ہے اور وکیل اپنے مؤکل کو وہی چیز فروخت نہیں کرسکتا جس کے خریدنے کے لئے اسے وکیل بنایا ہے۔ نیز یہاں آدھا نفع مالک کا بھی ہے۔ اس لئے آقا وغلام اور مالک ومضارب کی صورتوں میں جواز وعدم جواز کی وجوہ کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا کہ بیع کا معاملہ صحیح ہے لیکن نفع کے حق میں بیع نہیں ہے۔

کے بارے) میں یہ روایت ہے کہ وہ اس عیب کے بیان کے بغیر مرابحہ پر فروخت نہ کرے (اور یہ بیان کرے کہ میں نے جب خریدی تھی تو کانی نہیں تھی بعد میں کانی ہوگئی) جیسے اگر اُس کے فعل سے کوئی صفت ضائع ہوجائے (تو اس میں بالاتفاق بیان ضروری ہے)۔یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔

اگر مشتری باندی کی آنکھ خود پھوڑ دے یا کسی اجنبی نے پھوڑ دی اور اس نے تاوان لے لیا، تو اس عمل کے بیان کے بغیر مرابحہ پر فروخت نہیں کرسکتا۔اس لئے کہ وصف کو ضائع کرنے کی وجہ سے وہ مقصود بن چکا ہے اس لئے اس کے مقابلہ میں قیمت میں سے کچھ حصہ (دینا یا کم کرنا لازم) آئے گا۔اسی طرح اگر باندی سے جماع کیا اور وہ کنواری تھی (تو اس وصف کو بیان کرنا ضروری ہے)۔اس لئے کہ کنوارپن ذات کا ایک جزء ہے جس کے مقابل قیمت کا کچھ حصہ لازم آتا ہے، اور مالک نے اس جزء کو روک لیا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے کپڑا خریدا اور اُسے چوہے نے کُتر لیا یا آگ کی چنگاری لگ گئی تو اس عیب کی تفصیل بیان کیئے بغیر مرابحہ پر فروخت کرسکتا ہے اور اگر کپڑا اُس کے کھولنے اور لپیٹنے کی وجہ سے پھٹ گیا تو تفصیل بیان کیئے بغیر مرابحہ پر فروخت کرنا جائز نہیں۔دلیل وہی ہے جو ہم نے بیان کی (کہ اوصاف کے مقابلہ میں قیمت نہیں آتی لیکن تلف کرنے یا توڑنے پھوڑنے سے وہ مقصود بن جاتا ہے)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے غلام ایک ہزار رپے میں ادھار خریدا اور اُسے سو روپے نفع کے ساتھ فروخت کردیا اور بیان نہیں کیا (کہ میں نے ادھار خریدا ہے)، بعد میں خریدار کو علم ہوا تو اسے غلام واپس کرنے اور قبول کرنے کا اختیار ہے۔مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ مدت (یعنی میعاد) کی مبیع کے ساتھ

مشابہت ہے۔ کیا یہ نہیں معلوم کہ میعاد کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے اور بیع
مرابحہ میں شبہہ حقیقت کے ساتھ ملحق ہوتا ہے (تو میعاد بھی مبیع ہوگئی) اور ایسا ہو گیا کہ
گویا اُس نے دو چیزیں خریدیں اور ان میں سے ایک کو دونوں کی قیمت کے بدلہ میں
فروخت کر دیا۔ اور مرابحہ کرنے کا عمل اس جیسی خیانت سے سلامتی کا تقاضا کرتا ہے
اور جب خیانت ظاہر ہوگئی تو اسے اختیار دیا جائے گا، (کہ خریدے یا نہ خریدے)
جیسا کہ عیب ظاہر ہونے کے وقت حکم ہے۔

اگر خریدار نے خریدی ہوئی چیز کو تلف کر دیا، اس کے بعد اُسے حقیقت کا
علم ہوا (کہ بائع نے یہ ایک ہزار پر ادھار خریدی تھی تو فسخ نہ ہونے کی وجہ سے) اس پر
وہ چیز گیارہ سو کے عوض لازم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ میعاد اور مدت کے مقابل
قیمت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر اس نے وہی (ادھار خریدی ہوئی) چیز
قیمتِ خرید پر (یعنی بیع تولیہ کے طور پر) کسی خریدار کو دی اور اُس سے ادھار خریدنے
کی حقیقت بیان نہیں کی، تو خریدار چیز واپس کر سکتا ہے۔

مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ بیع تولیہ (یعنی قیمتِ خرید پر فروخت) میں
خیانت بیع مرابحہ میں خیانت کی طرح ہے (کہ شبہہ خیانت بھی حقیقت کے درجہ میں
ہے) کیونکہ اس بیع کی بنیاد سابقہ قیمت پر ہے۔

اگر خریدار نے اسی چیز کو (بیع تولیہ میں لینے کے بعد) تلف کر دیا پھر اُسے
علم ہوا (کہ وہ تو بیچنے والے نے ادھار خرید کر اس کے ہاتھ بیچی ہے)، تو نقد ہزار
روپے اس کے عوض اس پر لازم ہوگی۔ وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی (کہ مدت
ومیعاد کے مقابل قیمت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا)۔ امام ابو یوسفؒ سے یہ مروی ہے کہ
(چیز ضائع ہونے کے بعد) اُس کی بازار میں مروجہ قیمت (بائع کو) ادا کرے اور اپنی

ادا کی ہوئی پوری قیمت واپس لے لے اور یہ حکم اس کی نظیر ہے کہ ایک شخص نے (کسی کو) کھرے سکے (ادھار دیئے تھے اور اس) کے بجائے کھوٹے سکے (لاعلمی میں) لے لئے اور خرچ کرنے کے بعد اس حقیقت کا علم ہوا (تو اس کا حکم بھی یہی ہے) اور اس کی تفصیل ان شاء اللہ اس کے بعد (متفرق مسائل میں) آئے گی۔ ابو جعفر ہندوانیؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں ادھار قیمت کا اندازہ کیا جائے گا اور ان کے درمیان جو اضافی فرق ہے اس کو واپس لے گا۔ اگر چہ عقد میں میعاد مشروط نہ ہو (کہ اتنی میعاد میں قیمت ادا کی جائے گی)۔ لیکن (ادھار میں زیادہ) قیمت کی ادائیگی قسط وار کرنے کا رواج ہے (کہ تاجر ادھار مال کی زیادہ قیمت لگاتے ہیں اور تھوڑا تھوڑا کر کے وصول کر لیتے ہیں اگر چہ میعاد مقرر نہ کریں۔ اس لئے اضافی مقدار واپس لے گا)۔

بعض نے کہا کہ (ادھار کے بارے میں) بتانا ضروری ہے اس لئے کہ جو چیز عرف عام میں ہو وہ مشروط کے درجہ میں ہوتی ہے (اگر چہ شرط بظاہر نہ لگائی جائے، تو گویا زیادہ قیمت کی شرط لگائی اس لئے اس کا بیان کرنا ضروری ہے)۔ کسی نے کہا کہ وہ (ادھار خرید کر) بیع تولیہ پر فروخت کر سکتا ہے، بیان کرنا ضروری نہیں اس لئے کہ قیمت نقد ہے، (کیونکہ میعاد کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے وہ نقد معتبر ہو گی)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے کوئی چیز جتنے میں پڑی ہے اتنے ہی میں کسی کو بیع تولیہ پر دی حالانکہ خریدار کو یہ معلوم نہیں کہ کتنے میں پڑی ہے، تو بیع فاسد ہو گی۔ کیونکہ قیمت مبہم و مجہول ہے۔ اگر اسی مجلس میں بائع نے خریدار کو بتلا دیا (کہ اتنے میں پڑی ہے)، تو خریدار کو چیز لینے یا چھوڑنے کا اختیار ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ فساد ثابت و مستحکم نہیں ہوا۔ اور جب مجلس میں علم حاصل ہو گیا تو اسے ابتداء عقد کی طرح کر دیا گیا (کہ گویا ابھی عقد کی ابتداء کی ہے) نیز یہ ایسا ہو گیا کہ بیع

کے قبول کو اختتامِ مجلس تک مؤخر کردیا لیکن مجلس (میں علم نہ ہوا تو اس) کے افتراق (مجلس سے اٹھ جانے) کے بعد فساد ثابت ہوگیا اور اب اس معاملہ کی اصلاح نہیں ہوسکتی (وہ بدستور فاسد رہے گا)۔ اس کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے نشان[1] والی قیمت پر فروخت کرنا جبکہ مجلس میں (اس نشان کی قیمت کا) علم ہوجائے (تو یہ معاملہ کرنا درست ہوگا ورنہ نہیں) خریدار کو (لینے نہ لینے کا) اختیار اس لئے دیا جائے گا کہ خریدار کو اس کی اصل قیمت کا علم ہونے سے پہلے رضامندی کامل نہیں ہوئی تھی، تو اُسے اختیار دیا جائے گا جیسا کہ خیارِ رؤیت میں اختیار حاصل ہوتا ہے (کہ چیز دیکھنے سے پہلے رضامندی کامل نہیں ہوتی تو دیکھنے کے بعد اختیار ملتا ہے)۔

(فصل)

قبضہ میں لینے سے پہلے مبیع میں تصرّف کرنا

مسئلہ:۔ اگر کسی نے کوئی منقولی چیز خریدی تو اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی فروخت جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے غیر مقبوض چیز کی فروخت سے منع کیا ہے۔ نیز اس میں چیز کے تلف ہونے کے مدّ نظر عقد کے فسخ ہونے کا بھی دھوکہ ہے (اور اس میں خریدار کا نقصان ہے)۔

زمین کی فروخت اس پر قبضہ کرنے سے پہلے امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، لیکن امام محمدؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔ انہوں نے حدیث کے مطلق ہونے کی طرف رجوع کیا (کہ اس میں منقولی و غیر منقولی کا فرق نہیں ہے) نیز

---

[1] نشان سے مراد وہ علامت ہے جو تاجر بعض اوقات مخصوص قیمتوں کی پہچان کے لئے لگاتے ہیں اور ان کا علم خریداروں کو نہیں ہوتا۔

منقولی چیز کے حکم پر قیاس کیا (کہ چیز ہونے میں دونوں برابر ہیں اور منقولی کو بغیر قبضہ کے فروخت نہیں کر سکتے تو اسی طرح زمین کا بھی حکم ہونا چاہئے)۔ اور یہ حکم اجارہ کی طرح ہو گیا (کہ زمین کو قبضہ میں لینے سے پہلے کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے تو فروخت بھی جائز نہیں ہونی چاہئے کیونکہ فروخت و کرایہ دونوں میں ایک کے بدلہ دوسری چیز کا تبادلہ ہوتا ہے)۔ امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بیع کا رکن (یعنی ایجاب) اُس کے اہل (یعنی عاقل بالغ) سے صادر ہو کر بیع کے محل (یعنی مال) میں واقع ہوا ہے۔ (دھوکہ کا جو احتمال تھا اس کا جواب یہ ہے کہ) اس میں کوئی دھوکہ نہیں ہے، کیونکہ زمین کا تلف ہونا نادر ہے (اور نادر معدوم کے درجہ میں ہوتا ہے) جبکہ منقولی چیز کی حیثیت اس سے مختلف ہے (کہ وہ تلف ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے دونوں کا حکم مختلف ہے)۔ نیز (مطلق دھوکہ مراد نہیں ہے بلکہ) جو دھوکہ ممنوع ہے وہ عقد کے فسخ ہونے کا دھوکہ ہے (جو کہ چیز کے ضائع اور تلف ہونے سے واقع ہو سکتا ہے لیکن زمین کا تلف ہونا نادر ہے۔ اس لئے اس میں یہ دھوکہ نہیں ہے)۔ حدیث کی ممانعت (بھی عام نہیں ہے بلکہ اس) کی علت یہی عقد کے فسخ ہونے کا دھوکہ ہے، کیونکہ (قبضہ سے پہلے زمین کی فروخت کے) جواز کے دلائل اس علت کی دلیل ہیں۔ (اجارہ پر جو قیاس کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ) بعض کہتے ہیں کہ اجارہ کے حکم میں بھی یہی اختلاف ہے (کہ امام محمدؒ کے نزدیک گھر کو قبضہ میں لینے سے پہلے اُسے کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے لیکن بقیہ دونوں اماموں کے نزدیک جائز ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر قیاس نہیں کر سکتے)۔ اگر تسلیم کر لیا جائے (کہ اختلاف نہیں ہے، تو کرایہ و بیع میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ) اجارہ میں فوائد و منافع (سے متمتع ہونے) پر عقد ہوتا ہے اور ان کا تلف ہونا نادر نہیں (بلکہ کثیر) ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی نے کوئی ماپ والی چیز خرید کر اُسے ماپ لیایاوزن والی چیز خرید کروزن کرلیا۔ پھراس چیز کوماپ کریاوزن کر کے فروخت کردیا تو نئے خریدار کے لئے اس چیز کوفروخت کرنا یا کھانا (یعنی استعمال کرنا) اس وقت تک جائزنہیں ہے جب تک کہ یہ نیاخریدار دوبارہ اس چیز کوماپ نہ لے یاوزن نہ کرلے۔

مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اناج کی فروخت سے منع کیا ہے جب تک کہ اس میں دوصاع (پیمانے) جاری نہ ہوجائیں۔ ایک صاع (پیمانہ) بائع کااور دوسراخریدار کا۔ (یعنی بائع وخریدار ہرایک اس کوماپ لے یاوزن کرلے)۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ مشروط ومقررہ مقدار سے چیز زیادہ ہوجائے اور یہ اضافہ بائع کا ہوتا ہے (جوخریدار واپس کرتا ہےتو اگر دوبارہ وزن کرنے سے پہلے تصرّف کیاتو دوسرے کے مال میں تصرّف ہوجائے گا)۔ جبکہ دوسرے کے مال میں (بغیراجازت) تصرّف کرناحرام ہے،تواس سے بچناواجب ہے۔ (اگرتخمینہ وانداز ہ سے چیز خریدی تو اسے ماپے بغیراستعمال کرسکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتائی کہ) انداز ہ وتخمینہ سے فروخت کرنے کی حیثیت اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ (بائع نے جوانداز ہ کیاتھااس پر جواضافہ ہے یہ) اضافہ خریدار کا ہے (بائع کانہیں، اس لئے خریدار بغیر ماپےاستعمال کرسکتا ہے)۔ اسی طرح اگرکپڑا گز کے اعتبار سے فروخت کیاتو اس کی حیثیت بھی مختلف ہے (یعنی اگرکپڑا اس شرط پرفروخت کیا کہ یہ تمام کپڑا اتنے گز اتنے کا ہےتو استعمال کے لئے دوبارہ ناپناضروری نہیں ہے) اس لئے کہ (اگراس میں اضافہ (ہوگا تو وہ) خریدار کا ہے، کیونکہ گز کی حیثیت کپڑے میں وصف کی ہے (کہ اس کے مقابلہ میں قیمت نہیں آتی، اس لئے مشروط سے زیادہ یا کم ہونے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا) لیکن مقدار کی حیثیت مختلف ہے (کہ اس کے مقابلہ میں قیمت

آتی ہے اور مقدار میں کمی یا اضافہ ہونے سے قیمت میں بھی فرق واقع ہوتا ہے۔اس لئے اگر کوئی چیز تول کر خریدی ہے تو استعمال سے پہلے دوبارہ تولنا ضروری ہے)۔

اگر بائع نے سودا کرنے سے پہلے چیز کو ماپا، یا وزن کیا تو اس کا (خریدار کے لئے) کوئی اعتبار نہیں ہے اگرچہ خریدار کے سامنے تولا ہو، کیونکہ یہ تول بائع وخریدار کی حیثیت سے نہیں ہے حالانکہ شرط یہی ہے۔اسی طرح سودا کرنے کے بعد خریدار کی غیر موجودگی میں بائع کے وزن کرنے کا اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ چیز کو تولنا بھی چیز کو حوالہ کرنے کے عمل کا ایک حصہ ہے کیونکہ تولنے سے مبیع (یعنی فروخت شدہ چیز) معلوم ومتعین ہوجاتی ہے (اور پھر حوالہ کی جاتی ہے) اور خریدار کی موجودگی ہی میں چیز حوالہ کی جاتی ہے (اس لئے اس کی موجودگی میں تولنا ضروری ہے)۔اگر سودا کرنے کے بعد بائع نے خریدار کی موجودگی میں چیز تولی تو بعض نے کہا کہ یہ (خریدار کے تول کی) کفایت نہیں کرے گا کیونکہ حدیث کا ظاہر مفہوم یہی ہے کہ اس میں دو مستقل صاع (پیانہ) کا اعتبار کیا ہے، لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ کفایت کرے گا۔ کیونکہ ایک دفعہ تولنے سے مبیع معلوم ومتعین ہوجائے گی اور سپرد کرنا ثابت ہوجائے گا۔حدیث (کے بارے میں جواب یہ ہے کہ یہ) دوسودوں کے یکجا طے کرنے کے بارے میں ہے (کہ اگر دوسودے ہوں تو دودفعہ تولنا ضروری ہے) جیسا کہ ہم اسے ان شاء اللہ بیع سلم کے باب میں بیان کریں گے۔

اگر شمار کی جانے والی اشیاء شمار کر کے فروخت کیں (جیسے انڈے وغیرہ) تو امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ کی روایت کے مطابق اس کا حکم ناپی جانے والی چیز کی طرح ہے (کہ شمار کرنا ضروری نہیں ہے کمی بیشی معاف ہے) اس لئے کہ وہ ایسا مال نہیں ہیں جن کی کمی وزیادتی یا ادھار کی صورت میں ان پر سود کا حکم جاری ہوتا ہے یعنی ان میں سود ثابت نہیں ہوتا) کیونکہ تولی جانے والی چیزوں میں سود ثابت ہوتا ہے) لیکن امام

ابوحنیفہ ؒ کی روایت کے مطابق وہ وزن کی جانے والی چیز کے حکم میں ہے (کہ شمار کرنا ضروری ہے) اس لئے کہ مقررہ مقدار سے زیادہ (یا کم) حلال نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ قیمت کو قبضہ میں لینے سے پہلے استعمال کرنا جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ جواز کی وجہ موجود ہے جو کہ ملکیت ہے۔ نیز قیمت میں تلف ہونے کے اندیشہ کی بنا پر فسخ ہونے کا بھی دھوکہ نہیں ہے [1] (جیسا کہ چیز میں یہ اندیشہ ہے) کیونکہ قیمت متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتی، مبیع کی حیثیت اس سے مختلف ہے (کہ وہ تعیین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے)۔

مسئلہ:۔ خریدار بائع کے لئے (سودا طے ہو جانے کے بعد اسی مجلس میں) قیمت میں اضافہ کر سکتا ہے، نیز بائع بھی خریدار کے لئے مبیع میں اضافہ کر سکتا ہے اور بائع قیمت میں کمی بھی کر سکتا ہے۔ اور (مبیع یا قیمت کا) حق اس تمام اضافہ سے متعلق ہوتا ہے۔[2] ہمارے (یعنی احناف کے) نزدیک اضافہ اور کمی اصل عقد سے لاحق ہوتے ہیں (گویا عقد ابتداء میں اسی طرح منعقد ہوا تھا) لیکن امام زفرؒ وشافعیؒ کے نزدیک (اضافہ و کمی کو اصل عقد سے) لاحق کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ بطور احسان

---

[1] چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ احتمال ہے کہ چیز اگر تلف ہو گئی تو عقد فسخ ہو جائے گا اور خریدار پر اس کی ضمان لازم ہو گی لیکن قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے بائع اس میں تصرّف کر سکتا ہے کہ وہ رقم کسی چیز کے بدلہ میں دے دے یا اس رقم کے بدلہ کوئی اور چیز لے لے، کیونکہ اس میں تلف ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ نیز یہ متعین نہیں ہوتی۔ ایک قیمت کے بدلہ دوسری قیمت دی جا سکتی ہے (یعنی درہم یا دینار دوسرے دیئے جا سکتے ہیں)۔

[2] یعنی اگر دو سیر چیز پر سودا ہوا تھا پھر بائع نے مثلاً ایک چھٹانک کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا تو خریدار قیمت اس وقت تک نہیں دے گا جب تک کہ یہ اضافی مقدار نہ لے۔ اسی طرح اگر سو روپے مقرر ہوئی تھی پھر خریدار نے اپنی طرف سے پانچ روپے کا اضافہ کر دیا تو بائع مبیع روک سکتا ہے جب تک کہ ایک سو پانچ روپے نہ لے لے۔

کے ہیں۔ ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ (قیمت مقرر ہو جانے کے بعد اس میں) اضافہ کو قیمت بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ (خریدار قیمت مقرر ہونے کے بعد مبیع کا مالک ہو گیا۔ اگر بعد کے اضافہ کو قیمت بنائیں گے تو) اپنی مملوک چیز (یعنی مبیع) کے بدلہ میں اپنی مملوک چیز (یعنی اضافی قیمت) ہو جائے گی (جو کہ صحیح نہیں ہے)، تو اصل عقد سے (اس اضافہ کو) لاحق نہیں کر سکتے۔ یہی حال کمی کا بھی ہے۔ کیونکہ تمام قیمت کل مبیع کے مقابل آ گئی ہے، تو (قیمت کم کر کے اسے مقابلہ سے) نکالنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے عقد کے بعد یہ (کمی یا اضافہ) ابتدائی احسان ہو جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بائع وخریدار کمی واضافہ کر کے عقد کو ایک مشروع وناجائز وصف سے نکال کر دوسرے جائز وصف میں تبدیل کر رہے ہیں اور وصف یہ ہے کہ عقد نفع بخش ہو یا اس میں خسارہ ہو یا برابر سرابر ہو۔ اور یہ دونوں (یعنی بائع وخریدار) عقد سرے سے ختم کر سکتے ہیں تو اس میں تبدیلی بدرجۂ اولیٰ کر سکتے ہیں۔ اور یہ معاملہ اس کے مشابہ ہو گیا کہ دونوں نے (اختیار کی شرط کے ساتھ سودا کیا تھا پھر بعد میں) اختیار ساقط کر دیا یا (بغیر اختیار کے سودا کیا تھا لیکن اسی مجلس میں) عقد کے بعد اختیار کی شرط لگا لی (اور اس طرح کی تبدیلی جائز ہے)۔ پھر جب (کمی یا اضافہ کر کے صفت میں اس طرح تبدیلی کرنا) صحیح ہے تو یہ تبدیلی اصل عقد کے ساتھ لاحق ہو گی کیونکہ کسی بھی چیز کی صفت اُسی چیز کے ساتھ قائم وموجود ہوتی ہے خود بخود موجود نہیں ہوتی (اس لئے دوسری صفت کو اصل عقد سے لاحق کرنا ضروری ہے)۔

لیکن (اگر تمام قیمت ساقط کر دی تو یہ اصل عقد سے لاحق نہیں ہو گی، اس کا جواب یہ ہے کہ) تمام قیمت یا مبیع ساقط کرنے کی حیثیت اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ یہ تو اصل چیز میں تبدیلی کرنا ہے اس کی صفت میں تبدیلی نہیں ہے تو یہ تبدیلی اصل سے

لاحق نہیں ہوگی۔ (جب کمی یا زیادتی کا اصل عقد سے لاحق کرنا ثابت ہوگیا تو) لاحق ہونے کے اعتبار سے قیمت میں اضافہ اپنی مملوک کے عوض میں نہیں ہوگا (جیسا کہ امام زفرؒ وشافعیؒ نے اپنی دلیل میں فرمایا ہے، کیونکہ اضافہ ابتداء سے شمار ہوگا۔ گویا کہ چیز کی قیمت اضافہ کے ساتھ ابتداء میں مقرر کی گئی اور اِس کامل قیمت کے عوض چیز مملوک ہوگی)۔ کمی یا اضافہ کا اصل سے لاحق کرنے کا حکم بیع تولیہ اور مرابحہ میں ظاہر ہوگا کہ اگر قیمت میں اضافہ کیا ہے تو خریدار اِس اضافی قیمت پر اور کم کرنے کی صورت میں بقیہ قیمت پر تولیہ یا مرابحہ کرے گا۔ [1] اور شفعہ میں بھی اس کا حکم ظاہر ہوگا کہ اگر قیمت کم کی ہے تو بقیہ قیمت کے بدلہ میں شفیع مکان لے گا، لیکن اگر قیمت میں اضافہ کیا ہے تو شفیع اضافی قیمت کے بغیر سابقہ قیمت کے بدلہ میں مکان لے گا۔ کیونکہ اضافہ کرنے سے شفیع کا ثابت حق باطل ہوگا اور بائع وخریدار دونوں کسی کے ثابت حق کو باطل کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ [2]

ظاہر الروایت کے مطابق مبیع (یعنی فروخت شدہ چیز) تلف ہونے کے بعد قیمت میں اضافہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مبیع اس حالت میں نہیں ہے کہ اس کا عوض یا قیمت بنانا صحیح ہو۔ کیونکہ (کوئی بھی) چیز پہلے خود ثابت ہوتی ہے پھر اس کی

---

[1] یعنی اگر شروع میں قیمت مثلاً سو روپے طے ہوئی پھر اپنی طرف سے خریدار نے دس روپے زائد دے دیئے تو یہ خریدار بیع تولیہ ومرابحہ کے وقت نئے خریدار کو بتائے گا کہ میں نے یہ چیز ایک سو دس روپے میں خریدی ہے اور اگر سو روپے طے ہونے کے بعد بائع نے دس روپے کم کر دیئے تو خریدار یہ کہے گا کہ میں نے یہ چیز نوے روپے میں خریدی ہے۔

[2] یعنی مثلاً گھر کی قیمت ایک لاکھ روپے ہوئی اور سودا طے ہوگیا پھر بعد میں خریدار نے شفیع سے بچنے کے لئے دس ہزار روپے اور زائد کر دیئے، تو اس کا یہ حیلہ صحیح نہیں ہے کیونکہ شفیع کا حق شفعہ شرعاً ثابت ہے، تو شفیع ایک لاکھ کے عوض گھر لے سکتا ہے۔

طرف دوسری چیز منسوب ہوتی ہے (اور یہاں مبیع تلف ہوگئی اس لئے اس کی طرف قیمت منسوب نہیں ہوسکتی)۔ لیکن قیمت کم کرنے کا حکم مختلف ہے (کہ مبیع تلف ہونے کے بعد اس کی مقررہ قیمت میں کمی کرسکتے ہیں)۔ کیونکہ مبیع اس حال میں ہے کہ بدل (یعنی قیمت) جو اس کے مقابلہ میں ہے اس کا نکالنا ممکن ہے (اس لئے کہ کمی کرنا بھی ساقط کرنا ہے جو کہ تلف ہونے سے مناسبت رکھتا ہے) تو اصل عقد سے اس کمی کی نسبت لاحق ہوگی۔

مسئلہ: ۔علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر کسی نے کوئی چیز نقد قیمت پر فروخت کی پھر قیمت (ادا کرنے) کی مدت مقرر کردی تو یہ ادھار بیع ہوگی۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ قیمت بائع کا حق ہے تو جس کے ذمہ قیمت ہے (یعنی خریدار) اس پر آسانی کے لئے بائع قیمت مؤخر کرسکتا ہے۔ کیا یہ نہیں معلوم کہ بائع قیمت بغیر کسی قید وشرط کے ساقط کرسکتا ہے لہٰذا وہ اس کا وقت بھی مؤخر کرسکتا ہے۔ اگر اس نے مبہم ونامعلوم مدت وتاریخ مقرر کی، تو اگر ابہام کھلا ہوا اور ظاہر ہے جیسے تیز ہوا چلنے کا دن مقرر کیا تو یہ جائز نہیں ہے اور اگر ابہام معمولی اور ضبط کے قریب ہے جیسے کھیتی کاٹنے یا اناج روندنے کا دن مقرر کیا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ قیمت مؤخر کرنا کفالت کی طرح ہے (اور اس میں معمولی ابہام قابل برداشت ہے) اور اسے ہم پہلے (یعنی بیع فاسد میں) ذکر کرچکے ہیں۔

مسئلہ: ۔ ہر مالی ذمہ داری جس کی ادائیگی فوراً واجب ہے اگر اس کا مالک یعنی مطالبہ کرنے والا، اس کے لئے وقت مقرر کردے تو وہ میعادی ہوجائے گی (اور میعاد سے پہلے مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہوگا)۔ اس وجہ سے جو ہم نے (اس مسئلہ

سے) پہلے ذکر کی، مگر قرض [1] کا حکم اس سے مختلف ہے کہ اس کی میعاد مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ قرض کی حقیقت ابتداء میں عاریت اور احسان ہے (کیونکہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہوتی)، حتیٰ کہ لفظ اعارہ (عاریت) کے ذریعہ بھی قرض کا لین دَین صحیح ہے۔ (مثلاً ایک نے دوسرے سے کہا کہ مجھے سو روپے بطور اعارہ دے دو اور دینے والے نے بعد میں مطالبہ کرلیا تو یہ قرض ہو جائے گا)۔ نیز جو شخص (شرعاً) احسان نہیں کرسکتا وہ قرض بھی نہیں دے سکتا جیسے نابالغ بچہ اور (میت کا) وصی (یعنی وکیل، یہ دونوں صدقہ اور احسان نہیں کرسکتے اور قرضہ بھی نہیں دے سکتے۔ معلوم ہوا کہ قرض بھی احسان ہے)، اور اختتام میں معاوضہ ہے (کہ دی ہوئی رقم کے بدلہ میں رقم لی جاتی ہے۔ جب قرض کی دو حیثیتیں ہوئیں) تو اپنی ابتدائی حیثیت (یعنی احسان) کی وجہ سے اس میں میعاد لازم نہیں ہوگی جیسا کہ اعارہ پر دی ہوئی چیز کا حکم ہے۔ کیونکہ احسان میں جبر و زیادتی نہیں ہوتی اور اپنی اختتامی حیثیت (یعنی معاوضہ) کے اعتبار سے میعاد مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ روپے کی روپے کے بدلہ میں ادھار فروخت ہو جائے گی جو کہ سود ہے۔ (اس لئے میعاد مقرر کرنا صحیح نہیں ہے)۔ یہ حکم اس سے مختلف ہے کہ اگر اپنے مال میں سے کسی کو ایک سال کی میعاد پر ہزار روپے قرض دینے کی وصیت کی تو یہ وصیت اِس کے تہائی مال میں سے اس کے وارثوں پر لازم ہوگی کہ وہ اس کو قرض دیں اور میعاد (یعنی سال) ختم ہونے سے پہلے اس رقم کا مطالبہ نہ کریں۔ اس لئے کہ احسان کرنے کی وصیت ایسی ہے جیسے

---

[1] بیع کا معاملہ کرنے کے بعد خریدار پر چیز کی قیمت فوراً ادا کرنا لازم ہوتا ہے اگر بائع اس قیمت کو مؤخر کرکے اس کی میعاد مقرر کردے تو یہ فقہاء کی اصطلاح میں دَین کہا جاتا ہے اور بغیر کسی معاوضہ کے رقم دے تو یہ قرض کہلاتا ہے۔

کسی کی خدمت کرنے یا مکان میں رہائش دینے کی وصیت کرنا (اور یہ دونوں وصیتیں صحیح ہیں) اس لئے وصیت کرنے والے کے حق کی وجہ سے وارثوں پر لازم ہوگی (کہ وہ اس کو پورا کریں)۔

باب الربوٰا

سود کا بیان

علامہ قدوریؒ نے فرمایا: ہر ماپ والی اور تول والی چیز کو جب اسی کی جنس کے بدلہ میں اضافہ کے ساتھ فروخت کیا جائے تو (یہ اضافہ سود ہے اور) سود حرام ہے۔

مصنفؒ نے فرمایا: سود ثابت ہونے کی ہمارے (یعنی احناف کے) نزدیک علت کیل مع الجنس یا وزن مع الجنس ہے۔[1] مصنفؒ نے فرمایا کہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ حرمت کی علت مقدار مع الجنس ہے اور یہ علت (اپنی تمام جزئیات کو) زیادہ شامل اور جامع ہے (کیونکہ مقدار میں ماپ اور وزن دونوں آگئے)۔

سود کے باب میں اصل نبی کریم ﷺ کا یہ مشہور قول ہے کہ "گندم کو گندم کے بدلہ میں برابر سرابر اور ہاتھ در ہاتھ (یعنی نقدا نقد) فروخت کرو اور اس میں اضافہ سود ہے"۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے اس حکم کے ساتھ چھ چیزیں ذکر فرمائیں، گندم، جو، کھجور، نمک، سونا اور چاندی، (کہ ہر ایک چیز کو اسی چیز کے بدلہ میں برابر

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ماپ والی چیز کو اُسی چیز کے بدلہ میں یا وزن سے بکنے والی چیز کو اُسی چیز کے بدلہ میں اضافہ کے ساتھ فروخت کیا جائے مثلاً ایک طرف پانچ سیر آٹا اور دوسری طرف سوا پانچ سیر آٹا، تو یہ اضافہ سود ہے۔ اگر جنس بدل جائے یا چیز ماپ نہ کی جاتی ہو تو اس میں اضافہ جائز ہے مثلاً ایک من آٹا کے بدلہ سوا من چاول ہو، یا ایک کٹورہ تیل کے بدلہ ڈیڑھ کٹورہ گھی ہو تو یہ تبادلہ اور فروخت جائز ہے۔

سرابراور ہاتھ در ہاتھ فروخت کرو)۔ یہ حدیث مَثَلٌ کے پیش (رفع) اور زبر (نصب) دونوں کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔ اگر پیش کے ساتھ ہو تو حدیث کا مطلب یہ ہے گندم کی گندم کے بدلہ میں برابر سرابر فروخت جائز ہے۔ اور اگر زبر کے ساتھ ہو تو مطلب یہ ہے کہ گندم کو گندم کے بدلہ میں اس طرح فروخت کرو کہ برابر سرابر ہو (حاصل دونوں کا ایک ہی ہے)۔

حدیث میں جو حرمت کا حکم آیا ہے وہ (صرف ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ) کسی نہ کسی علت سے معلول ہے، اس پر فقہاء اور ارباب قیاس کا اجماع ہے۔ (البتہ اس کی علت میں ان کا اختلاف ہے)۔ ہمارے نزدیک علت وہی ہے جو ہم نے ذکر کی (کہ ان دو اشیاء کا مقداری اور ہم جنس ہونا)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک جو چیزیں کھائی جاتی ہیں، ان کا کھانے کے قابل ہونا اور (جو چیزیں نہیں کھائی جاتیں، ان کا) قابل قیمت (ثمنیت) ہونا نیز ان کا ہم جنس ہونا، ہر ایک (یعنی کھانے اور قیمت) کے لئے شرط ہے اور مساوات کے ساتھ بیع کرنا اس سود سے چھٹکارے کا ذریعہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک (ان میں) اصل اصول حرمت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث نے دو شرطیں بیان کی ہیں، قبضہ اور برابری اور ان میں سے ہر ایک مذکورہ چیزوں کی عزت اور اہمیت کی نشاندہی کر رہی ہیں جیسے نکاح میں گواہوں کی موجودگی کی شرط (عورت کے ناموس کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے ساتھ شرط لگانے سے اس کی اہمیت بڑھ جاتی) تو ان میں کوئی ایسی علت نکالی جائے گی جو کہ اہمیت اور عزت کے اظہار کے مناسب ہو۔ وہ علت کھانے کے قابل ہونا ہے۔ یہ اہم اس لئے ہے کہ انسان کی بقاء اسی پر ہے، اور دوسری علت قابل قیمت (ثمنیت) ہونا ہے، کیونکہ مال کی بقاء اسی پر ہے اور مال پر ہی انسان کی مصلحتوں اور منافع کا دارومدار ہے (اس لئے یہ دونوں وصف

علت بن گئے اور عوضین کا ہم جنس ہونا علت نہیں ہے کیونکہ) اہمیت اور عزت میں عوضین کی ہم جنسیت کا کوئی اثر نہیں ہوتا (یعنی اس سے چیز کی عزت میں کچھ فرق واقع نہیں ہوگا) اس لئے ہم نے اِسے (علت کے بجائے) شرط بنادیا۔ اور حکم (میں ہم جنس ہونے کی وجہ سے جو فرق واقع ہوتا ہے حالانکہ وہ علت نہیں ہے، تو اس کا یہ جواب ہے کہ حکم) کا مدار کبھی شرط پر بھی ہوتا ہے (کہ شرط کی وجہ سے حکم واقع ہوتا ہے ورنہ نہیں)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث نے بیع میں مماثلت یعنی برابری اور ایک جیسا ہونے کو شرط قرار دیا ہے اور حدیث کے بیان کا مقصود بھی یہی ہے، کیونکہ بیع کے معنی اِسی سے ثابت ہوتے ہیں اس لئے کہ بیع تقابل یعنی تبادلہ کی علامت ہے (کہ ایک مال کا دوسرے مال سے تبادلہ ہو) اور تبادلہ تماثل (یکسانیت) اور برابری کے ذریعہ ہی ہوتا ہے۔ یا تماثل کا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کے مال ضائع ہونے سے محفوظ ہوں، (کیونکہ اگر اعلیٰ مال کے بدلہ میں ادنیٰ مال ہوگا تو اعلیٰ مال ضائع ہوگا اور ایک جیسا ہونے سے اس سے حفاظت ہوگی) یا مبیع کی سپردگی کو تماثل کے ساتھ وابستہ کرنے سے بیع کا فائدہ تام و پورا ہوگا (کہ اگر ایک چیز ادنیٰ اور دوسری اعلیٰ ہوگی تو ادنیٰ لینے والے کو زیادہ فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لئے بیع کے ساتھ تماثل لازم ہوا)۔ اور تماثل فوت ہونے کی صورت میں سود کی حرمت لازم ہوگی۔

(اتنا ثابت ہونے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ) دو چیزوں کے درمیان مماثلت صورت (یعنی ذات) اور معنی میں معتبر ہوتی ہے۔ جبکہ مقدار سے ذات کی مماثلت اور جنسیت سے معنوی مماثلت ثابت ہوتی ہے تو مقدار اور جنس دونوں کی وجہ سے اضافہ کا اظہار ہوگا اور سود ثابت ہوگا۔ (اگر مقدار و جنس میں سے کوئی ایک نہیں ہوگا تو اضافہ کا اظہار نہیں ہوگا۔ کیونکہ مماثلت سے زائد کو ہی اضافہ کہتے ہیں اور مماثلت ان دونوں چیزوں سے ظاہر ہوتی ہے جب مماثلت ثابت نہیں ہوگی تو اضافہ

بھی ظاہر نہیں ہوگا اضافہ ہی دراصل سود ہے) کیونکہ سود یہ ہے کہ عقد کرنے والوں میں سے کوئی ایک ایسے اضافہ کا مستحق ہو جو کہ عوض سے خالی ہو اور اس کی شرط مقرر کی گئی ہو (یہی اضافہ سود ہے)۔ اس حکم مماثلت میں چیز کے وصف (یعنی اعلیٰ وادنیٰ ہونے) کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ عرف عام میں اسے تفاوت شمار نہیں کیا جاتا بلکہ ایک ہی چیز شمار ہوتی ہے نیز اس کا لحاظ کرنے سے خرید و فروخت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اس حکم ربوا میں چیز کی اعلیٰ وگھٹیا قسم برابر ہے۔

(امام شافعیؒ کی دلیل کا یہ جواب ہے کہ) کھانے کے قابل اور قابلِ قیمت ہونا یہ تو چیزوں کے بڑے منافع میں سے ہیں اور ان جیسی چیزوں کے بارے میں صحیح راستہ یہ ہے کہ ان میں پوری طرح وسعت اور گنجائش اور چھوٹ ہونی چاہئے (کوئی قید نہیں ہونی چاہئے) کیونکہ لوگ ان منافع کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان میں تنگی کرنا صحیح نہیں ہے۔ (اگر انہی منافع کو سود کی حرمت کی علت قرار دیں گے تو تنگی پیدا ہوگی) اس لئے امام شافعیؒ نے جو علت ذکر کی ہے اس کا اعتبار نہیں ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر ماپ یا وزن سے بکنے والی چیز کو اُسی کی ہم جنس چیز کے بدلہ میں برابر سرابر فروخت کیا تو وہ بیع جائز ہے۔ کیونکہ جائز ہونے کی شرط موجود ہے جو کہ مقدار میں مماثلت ہے۔ کیا آپ اس روایت کی طرف نہیں دیکھتے کہ جس میں 'مثلاً بمثلٍ' کے بجائے "کَیلاً بِکَیلٍ" اور سونے کو سونے کے بدلہ میں "وَزناً بِوَزنٍ" آیا ہے (یعنی مماثلت کے بجائے کیل اور وزن آیا ہے یعنی دونوں ایک ہی چیز ہوئیں)۔ اگر اس صورت میں اضافہ ہو جائے تو یہ بیع جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح سود ثابت ہو جائے گا۔ جن چیزوں میں سود ثابت ہوتا ہے (یعنی مقدار مع الجنس ہو) ان کی گھٹیا قسم کو اعلیٰ قسم کے بدلہ میں برابر سرابر کے علاوہ (کم یا زیادہ کر کے) فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ وصف کے تفاوت کو اس معاملہ میں ختم

کر دیا گیا ہے (اور اس کا اعتبار نہیں ہے)۔

مسئلہ:۔ ایک مٹھی (گندم) کی دو مٹھی (گندم) کے عوض فروخت جائز ہے۔ نیز ایک سیب کی دو سیب کے عوض فروخت بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ برابری مقدار (ماپ تول) کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے اور یہاں مقدار نہیں ہے (نہ ماپ ہے اور نہ تول) تو اضافہ ثابت نہیں ہوگا۔

مقدار نہ ہونے کی وجہ سے اگر یہ گندم یا سیب (لینے والے کے پاس) ضائع ہوگیا تو اس کی قیمت (ادا کرنی) لازم ہوگی (اگر یہاں مقدار ہوتی تو اتنی ہی مقدار کی چیز لازم ہوتی)۔ امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ علت طعمیت (یعنی کھانے کے قابل ہونا) ہے اور سود سے بچنے کیلئے برابری کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، اس لئے اس صورت میں یہ بیع ان کے نزدیک حرام ہوگی۔ (کیونکہ یہاں گندم اور سیبوں کی تعداد میں برابری نہیں ہے) اس کے علاوہ جو چیز نصف صاع سے کم ہو وہ ایک مٹھی کے حکم میں ہے (یعنی اس کو نصف صاع سے کم میں اضافہ کے ساتھ فروخت کر سکتے ہیں) کیونکہ شریعت میں نصف صاع سے کم کوئی پیمانہ نہیں ہے۔

اگر کھانے کے علاوہ کوئی پیمانہ یا وزن سے بکنے والی چیز (جیسے لوہا اور چونا وغیرہ) اُسی چیز کے بدلہ میں اضافہ کے ساتھ فروخت کی تو یہ ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں مقدار اور جنسیت پائی جاتی ہے جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ جائز ہے کیونکہ سود کی علت طعمیت و ثمنیت ان میں نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: جب دونوں وصف یعنی جنس اور وہ معنی جو اس کے ساتھ ملے ہوئے ہیں یعنی مقدار اگر معدوم ہو جائیں تو اضافہ وادھار دونوں جائز ہیں۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اب اس میں حرمت کی علت نہیں ہے اور اشیاء کی فروخت میں اصل اباحت ہے (اس لئے یہ جائز ہے)۔ اور اگر دونوں

وصف پائے جائیں تو اضافہ و ادھار دونوں حرام ہیں، کیونکہ علتِ حرمت موجود ہے۔
اگر ان میں سے کوئی ایک وصف ہو اور دوسرا وصف نہ ہو تو اضافہ حلال ہے اور ادھار
حرام ہے جیسے ہَرَوِی کپڑے کو ہَروی کپڑے کے بدلہ میں فروخت کرنا (اس میں
مقدار نہیں ہے) اور گندم کے بدلہ میں جَو فروخت کرنا۔ (اس میں مقدار ہے لیکن یہ
ہم جنس نہیں ہیں تو دونوں صورتوں میں اضافہ جائز اور اُدھار حرام ہے)۔ پس اضافہ کا
حرام ہونا دو وصف کی وجہ سے ہے اور ادھار کا حرام ہونا کسی ایک وصف کی وجہ سے ہے
(خواہ جنس ہو یا مقدار)۔ لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف جنس سے ادھار حرام
نہیں ہوتا۔ کیونکہ (ایک جانب سے) نقد اور (دوسری جانب سے) ادھار ہونے سے
صرف اضافہ کا شبہہ ثابت ہوتا ہے، بلکہ حقیقی اضافہ بھی صرف جنس کی وجہ سے مانع نہیں
ہے حتی کہ ایک چیز کی اُسی جیسی دو چیزوں کے بدلہ میں فروخت جائز ہے (جبکہ ان میں
طعمیت و ثمنیت نہ ہو) تو اضافہ کا شبہہ بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس مال (یعنی ہروی کپڑا اور گندم و جَو) کی مقدار یا
جنس کی طرف نظر کی جائے تو یہ کسی درجہ میں سودی مال ہے اور ایک جانب سے اگر چیز
نقد ہو تو مالیت میں اضافہ ثابت ہو جاتا ہے تو اس سے سود کا شبہہ ثابت ہوگا، اور سود کا
شبہہ اُسی طرح بیع کے جائز ہونے میں مانع ہے جس طرح حقیقی سود مانع ہے (اس
لئے اگر ایک عـلـت بھی پائی جائے تو ادھار صحیح نہیں ہے) لیکن اگر زعفران اور اس
جیسی چیز (جیسے روئی اور لوہا وغیرہ) کی بیع سَلَم کی (یعنی رقم پہلے ادا کرنا اور مقررہ مدت
کے بعد مال لینا) اور رقم ادا کردی، تو یہ صورت جائز ہے اگرچہ دونوں یعنی مبیع اور رقم
بصورت سونا یا چاندی وزن ہونے میں مشترک ہیں (حالانکہ یہ ناجائز ہونی چاہئے
کیونکہ دونوں میں ایک عـلـت یعنی مقدار موجود ہے اور اس صورت میں ادھار جائز
نہیں ہونا چاہئے، لیکن جائز ہے) اس لئے کہ دونوں وزن کی صفت میں متفق نہیں ہیں

کیونکہ زعفران وغیرہ کا باٹوں سے وزن کیا جاتا ہے، نیز اس کی قیمت مقرر ہوتی ہے اور تعیین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے جبکہ رقم (یعنی دراہم ودنانیر) کا مثقال سے وزن کیا جاتا ہے اور یہ خود قیمت ہے جو تعیین کرنے سے متعین نہیں ہوتی [1] اگر زعفران ورقم کو ایک دوسرے کے بدلہ میں وزن کر کے فروخت کیا اور قبضہ بھی کر لیا تو بائع رقم میں ان کا وزن کرنے سے پہلے تصرف کر سکتا ہے۔ (یعنی رقم استعمال کر سکتا ہے) جبکہ زعفران وغیرہ کو خریدار وزن کرنے سے پہلے استعمال کرے تو یہ جائز نہیں ہے (حالانکہ حکم یہ ہے کہ جو چیز وزن کر کے خریدی جائے تو دوبارہ وزن کرنے سے پہلے استعمال نہیں کر سکتے۔ لیکن رقم کو وزب سے پہلے استعمال کر سکتے ہیں۔ (رقم وزعفران وغیرہ میں ایک فرق یہ ہو گیا) تو جب رقم وزعفران وزن، صورت، معنی اور حکم کے لحاظ سے مختلف ہو گئے تو مقدار ہونے میں دونوں پوری طرح مشترک نہیں ہوئے اور ادھار فروخت کرنے میں جو سود کا شبہ تھا (جس کی بناء پر ادھار ناجائز تھا) وہ شبہ سے شبہ کے شبہ میں بدل گیا اور (بیع کے جائز وناجائز ہونے میں) اس (شبہ کے شبہ) کا اعتبار نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: ہر وہ چیز جس کو نبی کریم ﷺ نے پیمانہ سے ماپ کر اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا حرام قرار دے دیا تو وہ چیز ہمیشہ مکیل (ماپ کر سکنے والی) رہے گی اگرچہ لوگ اُسے ماپ کر فروخت کرنا چھوڑ دیں جیسے گندم، جَو، کھجور اور نمک۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس کو آپ ؐ نے وزن کر کے اضافہ کے

---

[1] یعنی زعفران ودرہم وغیرہ اگرچہ وزن ہونے میں برابر ہیں اور ان کی ادھار فروخت صحیح نہیں ہونی چاہئے لیکن ان میں فرق ہے پہلا فرق یہ کہ زعفران کا وزن باٹ سے اور درہم کا وزن مثقال سے ہوتا ہے۔ دوسرا فرق یہ کہ زعفران تعیین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے جبکہ درہم متعین نہیں ہوتے۔ اس فرق کی وجہ سے ان کی ادھار فروخت صحیح ہے۔

ساتھ فروخت کرنے کو حرام قرار دیا ہے تو وہ چیز بھی ہمیشہ وزن سے بکنے والی رہے گی اگر چہ لوگ اس کو وزن کر کے فروخت کرنا چھوڑ دیں جیسے سونا اور چاندی، مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ حدیث عرف عام سے زیادہ قوی ہے اور قوی کو ادنیٰ کی وجہ سے نہیں چھوڑا جاتا (علامہ قدوریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ) البتہ جس چیز کے بارے میں ماپنے یا تولنے کا حدیث میں بیان نہیں ہے تو وہ چیز لوگوں کی عادات پر منحصر ہے۔ (مصنفؒ نے فرمایا:) اس لئے کہ عرف عام بھی ایک دلالت ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جس کے بارے میں حدیث میں بیان ہو گیا اس کے خلاف بھی عرف عام کا اعتبار کریں گے۔ اس لئے کہ حدیث میں جو بیان کیا گیا ہے وہ اُس زمانہ کی عادت ورواج کے اعتبار سے ہے تو اس عادت ورواج کو لینا ہی مناسب ہوا اور اب عادت ورسم بدل گئی ہے (اس لئے موجودہ عادت ورواج کا اعتبار کریں گے)۔ گندم کو گندم کے بدلہ میں وزن کر کے برابر سرابر یا سونے کو سونے کے بدلہ میں ماپ کر برابر سرابر فروخت کیا، تو (اسی اختلاف کی وجہ سے) امام ابو حنیفہؒ ومحمدؒ کے نزدیک یہ فروخت جائز نہیں ہے اگر چہ لوگوں کا عُرف عام یہی ہو، کیونکہ گندم اور سونے کے شرعی معیار کے مطابق مذکورہ صورت میں اضافہ کا وہم ہے (اور اس وہم کی وجہ سے یہ فروخت جائز نہیں ہے) جیسا کہ اگر (گندم کو گندم کے بدلہ میں اور سونے کو سونے کے بدلہ میں) اٹکل وتخمینہ سے فروخت کیا (تو یہ فروخت بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اضافہ کا وہم ہے)۔ مگر گندم وغیرہ میں وزن کر کے بیع سَلَم کرنا جائز ہے۔ کیونکہ بیع سَلَم چیز کی معلومہ مقدار میں ہوتی ہے (خواہ علم وزن کر کے ہو یا پیمانہ سے ماپ کر)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہر وہ چیز جس کی نسبت رطل کی طرف ہو تو وہ

وزن سے بکنے والی کہلائے گی۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس سے مراد وہ چیز ہے جسے برتنوں کے ذریعہ (ان میں ڈال کر مقدار معلوم کر کے) فروخت کیا جائے (جیسے تیل وغیرہ)۔

وزنی اس لئے کہ برتنوں کی وزن سے مقدار مقرر کی گئی ہے حتیٰ کہ جو چیز اس کے ذریعہ فروخت کی جاتی ہے اُسے وزنی شمار کیا جاتا ہے۔ جبکہ تمام ماپ والی چیزوں کا حکم اس سے مختلف ہے۔ جب ایک چیز وزنی معتبر ہوگئی تو اگر اس چیز کو ایسے پیانے سے فروخت کیا جائے جس کا وزن معلوم نہیں ہے اُس جیسے پیانے کے بقدر، تو یہ فروخت جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ وزن (کرنے کی صورت) اضافہ کا وہم ہے جیسا کہ اٹکل وتخمینہ میں یہ وہم ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: بیع صَرف جس میں نقد (یعنی درہم ودینار) کا باہم تبادلہ ہوتا ہے، اس میں دونوں عوض پر قبضہ اُسی مجلس میں معتبر ہوگا۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چاندی چاندی کے بدلہ میں ہاء اور ہاء ہے یعنی آمنے سامنے ہاتھ در ہاتھ ہے۔ اس کی وجہ ان شاء اللہ ہم بیع صَرف کے باب میں بیان کریں گے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ سونے چاندی کے علاوہ وہ چیزیں جن میں سود جاری ہوسکتا ہے ان میں بیع جائز ہونے کے لئے اُن چیزوں کے متعین کرنے کا اعتبار سے (کہ مجلس میں وہ متعین کی جائیں) ان چیزوں پر صرف قبضہ کرنے کا اعتبار نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: امام شافعیؒ اناج کی اناج کے بدلہ میں فروخت کے مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں (ان کے نزدیک قبضہ ضروری ہے)۔ اُن کی دلیل نبی کریم ﷺ کا مشہور حدیث کا یہ قول ہے کہ "ہاتھ در ہاتھ ہو"۔ نیز دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر مجلس میں قبضہ نہیں کیا تو قبضہ پیچھے ہوجائے گا (اور بعد میں واقع ہوگا

یعنی ایک چیز ادھار ہو جائے گی اور ایک نقد) حالانکہ نقد کی اہمیت اور خصوصیت ہے (اور یہ اضافی فائدہ ہے)، تو سود کا شبہ ثابت ہو جائے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ کھانا وغیرہ ایسی فروخت شدہ چیز ہے جو متعین ہے تو اس میں قبضہ کی شرط نہیں ہوگی جیسے کہ کپڑے (کی کپڑے کے بدلہ میں فروخت) کا حکم ہے (کہ بالاتفاق تعیین کافی ہے قبضہ ضروری نہیں ہے)۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ (بیع کا) مطلوبہ فائدہ چیز کو استعمال کرنے کی قدرت حاصل کرنا ہے اور یہ فائدہ چیز کے متعین کرنے پر مرتب ہوتا ہے (اس لئے صرف تعیین ضروری ہے) بیع صَرف کی حیثیت اس سے مختلف ہے اس لئے کہ اس میں قبضہ کرنے ہی سے تعیین ہوتی ہے۔ حدیث کا یہ جواب ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان "ہاتھ در ہاتھ" کا مطلب یہ ہے کہ معیّن چیز کی معیّن چیز کے بدلہ میں فروخت ہو۔ اسی طرح حضرت عبادہ بن صامتؓ نے روایت بھی کیا ہے (تو اِس روایت سے پہلی روایت میں جن معنی کا احتمال تھا وہ متعین ہو گئے)۔ قبضہ کے پیچھے آنے (کا جواب یہ ہے کہ اس) سے عرف عام میں مال میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، (اور ادھار کا جواب یہ ہے کہ) نقد اور ادھار کی حیثیت اس سے مختلف ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: ایک انڈے کی دو انڈوں کے بدلہ میں، ایک کھجور کی دو کھجوروں کے بدلہ میں اور ایک اخروٹ کی دو اخروٹوں کے بدلہ میں فروخت جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ ان میں مقدار (وزن یا ماپ) نہیں ہے (جو کہ علت ہے) اس لئے سود ثابت نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ اس مسئلہ میں ہم سے اختلاف کرتے ہیں (کہ ان کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے) کیونکہ طعمیت موجود ہے (جو کہ ان کے نزدیک سود کے ثبوت کی علت ہے) جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزرا۔

مسئلہ:۔ ایک پیسہ کی فروخت دو پیسہ کے بدلہ میں معیّن کر کے جائز ہے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔ لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جائز

نہیں ہے کیونکہ پیسہ کا ثمن (یعنی قیمت) ہونا تمام لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہو چکا ہے تو دو آدمی یعنی بائع وخریدار کی آپس کی اصطلاح مقرر کرنے سے اس کا قیمت ہونا باطل نہیں ہوگا (یعنی پیسہ تمام لوگوں کے نزدیک ثمن ہے مبیع نہیں ہے چیز خریدنے کا ذریعہ ہے خود چیز نہیں ہے)۔ اور جب اس کے ثمن ہونے کی حیثیت باقی ہے تو (دو آدمیوں کے متعین کرنے سے) متعین نہیں ہوگا۔ اور یہ فروخت ایسی ہوگئی کہ گویا انہیں معیّن کئے بغیر فروخت کیا (اور یہ جائز نہیں ہے)۔ نیز ایک درہم کی دو درہم کے بدلہ میں فروخت کی طرح ہوگئی (اور یہ بھی جائز نہیں ہے)۔

امام ابوحنیفہ وابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں (یعنی بائع وخریدار) کے حق میں پیسے کی ثمنیت (یعنی ثمن ہونے کی صلاحیت) ان دونوں کی اصطلاح سے ثابت ہوگی کیونکہ اِن کے علاوہ کسی اور کو اِن پر ولایت (حکومت) حاصل نہیں ہے (کہ اپنی بات ان پر سونپے)۔ تو ان دونوں کی اصطلاح سے اس کی ثمنیت باطل ہوجائے گی۔ اور جب ثمنیت باطل ہوگئی تو پھر یہ تعیین کرنے سے متعین ہوجائیں گے۔ (ثمنیت باطل ہونے کے بعد) ان کی حیثیت وزن والی شئی کی طرح نہیں ہوگی (کہ مقدار ہونے کی وجہ سے اضافہ کو ناجائز قرار دیا جائے)۔ کیونکہ ان دونوں کی اصطلاح اِن پیسوں پر شمار کرنے کی باقی ہے (یعنی ان کے نزدیک پیسہ اُن چیزوں میں سے ہے جسے شمار کر کے دیا جاتا ہے) کیونکہ اگر شمار ہونے کی حیثیت کو توڑیں گے تو عقد فاسد ہوجائے گا، تو اس مسئلہ کی صورت ایک اخروٹ کو دو اخروٹ کے بدلہ میں فروخت کی طرح ہوگئی لیکن درہم (چاندی) ودینار (سونے) کی حیثیت اس سے مختلف ہے (کہ دو آدمی مل کر اس کی ثمنیت کو اپنے حق میں باطل نہیں کر سکتے) کیونکہ درہم ودینار میں پیدائشی طور پر ثمنیت ہے۔ نیز اگر پیسوں کو معیّن کئے بغیر فروخت کیا تو اس کی حیثیت بھی مختلف ہے کہ یہ ادھار کی ادھار کے بدلہ میں فروخت ہے اور اس

سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ نیز اگر دونوں جانب میں سے کسی ایک کے پیسے غیر معیّن ہوں تو اس کی حیثیت بھی مختلف ہے۔ (کہ یہ بیع جائز نہیں ہے) اس لئے کہ صرف جنس (کی علت ہونے) سے ادھار حرام ہو جاتا ہے (اور مذکورہ صورت میں بھی جنس کی علت موجود ہے کہ دونوں جانب پیسے ہیں اور ایک جانب معیّن نہیں ہیں تو ادھار ہو گئے۔ اس لئے یہ بیع صحیح نہیں ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: گندم کی آٹے اور ستّو کے بدلہ میں فروخت جائز نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ کسی درجہ میں ایک جنس ہونا باقی ہے کیونکہ آٹا اور ستّو گندم کے اجزاء میں سے ہیں اور ان دونوں (یعنی آٹے اور ستّو) میں مقدار بھی ماپ کرنا ہے (تو برابر سرابر فروخت صحیح ہونی چاہئے تھی) لیکن ان دونوں اور گندم کو پیانہ برابر کرنے والا نہیں ہے کیونکہ پیانہ میں آٹا اور ستّو مجتمع و مربوط ہوتے ہیں (بیچ میں ہوا نہیں ہوتی) جبکہ گندم کے دانوں (کے منتشر ہونے کی وجہ سے ان) میں ہوا داخل ہو جاتی ہے (تو مقدار میں کچھ فرق ہو جاتا ہے) اس لئے جائز نہیں ہے اگرچہ دونوں کے پیانے برابر ہوں۔ آٹے کی آٹے کے بدلہ میں ماپ کر برابر سرابر کی حالت میں فروخت جائز ہے۔ اس لئے کہ (جواز کی) تمام شرائط ثابت ہیں۔ آٹے کی ستّو کے بدلہ میں فروخت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہ اضافہ کر کے جائز ہے اور نہ ہی برابر سرابر کی صورت میں، اس لئے کہ آٹے کی بھونے ہوئے گندم کے بدلہ میں بیع جائز نہیں ہے اور ستّو کی گندم کے بدلہ میں بیع جائز نہیں ہے تو اسی طرح ان کے اجزاء کی بھی بیع جائز نہیں ہوگی، کیونکہ ایک جنس ہونا (ان سب میں) کسی درجہ میں موجود ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک آٹے کی ستّو کے بدلہ میں بیع جائز ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں کی جنس مختلف ہے کیونکہ ان کا مقصود وفائدہ مختلف ہے۔ ہم (یعنی امام ابوحنیفہؒ جواب میں) کہتے ہیں کہ (جنس مختلف نہیں ہے بلکہ متحد ہے کیونکہ) ان

دونوں کا بڑا فائدہ مقصود دونوں کو شامل ہے اور وہ فائدہ غذا حاصل کرنا ہے اور ان میں سے کسی ایک کے جو بعض فوائد فوت وختم ہو گئے تو اس کی پرواہ نہیں (اور اس کی وجہ سے اختلاف جنس نہیں ہوگا) جیسے بھُنے ہوئے گندم کی غیر بھُنے ہوئے گندم کے بدلہ میں اور اچھے اناج کی کیڑے پڑے ہوئے اناج کے بدلہ میں فروخت (کا حکم ہے اور یہ دونوں ایک جنس شمار ہوتی ہیں حالانکہ بھُنے ہوئے گندم اور کیڑے پڑے ہوئے اناج سے کاشتکاری نہیں کر سکتے)۔

مسئلہ:۔ جانور کے بدلہ میں گوشت کی فروخت جائز ہے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک ہے لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر جانور کو اُسی جنس کے جانور کے گوشت کے بدلہ میں فروخت کیا تو یہ جائز نہیں ہے۔ (مثلاً بکری کو دوسری بکری کے گوشت کے بدلہ میں فروخت کیا)۔

لیکن اگر الگ کیا ہوا گوشت زیادہ ہو (تو یہ جائز ہے) تاکہ جانور جو گوشت ہے اس کے مقابلہ میں باہر کا گوشت ہونے کے بعد بقیہ گوشت جانور کے دوسرے اجزاء (یعنی کھال، آنتوں اور ہڈی وغیرہ) کے مقابلہ میں ہو جائے (مثلاً اگر جانور میں ایک من گوشت ہے تو باہر سوا من گوشت ہونا چاہئے) اس لئے کہ اگر ایسا نہیں ہوگا تو سود ثابت ہوگا دوسرے اجزاء کے اضافہ کی وجہ سے (جبکہ گوشت برابر سرابر ہو) یا گوشت کے اضافہ سے (جبکہ باہر کا گوشت جانور کے اندر کے گوشت سے کم ہو)۔ اور یہ مسئلہ تِل کو اس کے تیل کے عوض فروخت کی طرح ہو گیا (کہ یہ مساوی صورت میں جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ باہر کا تیل تِلوں میں سے نکلنے والے تیل کی مقدار سے زیادہ ہو)۔ امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں بائع نے وزن کر کے بکنے والی چیز (یعنی گوشت) کو ایسی چیز کے بدلہ میں فروخت

کیا ہے جو وزن کر کے بکنے والی نہیں ہے (یعنی جانور) کیونکہ عادت یہ ہے کہ جانور کو وزن کر کے فروخت نہیں کیا جاتا۔ نیز وزن کر کے اس کے بوجھ کی پہچان بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ جانور کبھی اپنے آپ کو سکیڑ لیتا ہے اور کبھی پھُلا لیتا ہے (اور بھاری ہو جاتا ہے) لیکن تِل اور اس کے تیل کا مسئلہ اس سے مختلف ہے (اس لئے اس پر قیاس نہیں کر سکتے)، کیونکہ تِل کا فی الحال وزن کرنے سے (اس کے اندر کے) تیل کی مقدار معلوم ہو جائے گی بشرطیکہ تیل اور کھلی (یعنی چھلکے) میں تمیز کر لی جائے اور پھر کھلی کا وزن کر لیا جائے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: پختہ تازہ کھجور کی خشک کھجور کے عوض برابر سرابر فروخت جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس طرح فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ (سے جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ) نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ یہ تازہ کھجور خشک ہونے کے بعد (وزن میں) کم ہو جاتی ہے؟ تو کسی نے آپ سے کہا کہ ہاں (کم ہو جاتی ہے)، اس پر آپ نے فرمایا: تو اس طرح فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ ؒ کی دلیل یہ ہے کہ تازہ کھجور بھی خشک کھجور کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کو جب تازہ کھجور کا ہدیہ دیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا خیبر کی ہر تمر (یعنی خشک کھجور) اسی طرح ہوتی ہے۔ اس میں آپ نے رطب (تازہ کھجور) کو تمر (خشک کھجور) کا نام دیا۔ اور خشک کھجور کی خشک کھجور کے عوض برابر سرابر کر کے فروخت جائز ہے جو حدیث ہم نے (اس باب کے شروع میں) روایت کی اس کی وجہ سے۔ نیز اگر رطب کو تمر تسلیم کر لیا جائے تو حدیث کے اوّل جزء (یعنی اَلتَّمَرُ بِالتَّمَرِ مَثَلاً بِمَثَلٍ) کی بناء پر ان دونوں کی ایک دوسرے کے عوض فروخت جائز ہے اور اگر

تمر تسلیم نہ کیا جائے (اور دونوں کو جدا مانا جائے) تو حدیث کے آخری جزء کی بناء پر فروخت جائز ہے اور آخری جزء آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ (اِذَا اخْتَلَفَ النَّوْعَانِ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ) جب نوع مختلف ہوں تو جس طرح تم چاہو فروخت کرو۔ (حدیث کا جواب یہ ہے کہ) انہوں نے جو حدیث روایت کی ہے اس کا مدار زید بن عیاش راوی پر ہے اور وہ حدیث نقل کرنے والوں (یعنی ائمہ حدیث) کے نزدیک ضعیف ہے۔ (اس لئے قابل حجت نہیں ہے)۔

مسئلہ:۔ اسی طرح انگور کی کشمش کے بدلہ میں فروخت کا حکم ہے۔ یعنی اس میں بھی امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ دلیل ہم نے (سابقہ مسئلہ میں) بیان کردی ہے۔ کسی نے کہا کہ جس طرح بھنے ہوئے گندم کی غیر بھنے ہوئے گندم کے بدلہ میں فروخت جائز نہیں ہے اسی طرح اس کی بھی بالاتفاق فروخت جائز نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک تازہ کھجور کی تازہ کھجور کے بدلہ میں فروخت برابر سرابر ماپ کر کے جائز ہے۔ کیونکہ یہ کھجور کی کھجور کے بدلہ میں فروخت ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک تازہ گندم کی یا بھیگے ہوئے گندم کی ان جیسے گندم یا خشک گندم کے بدلہ میں یا بھیگے ہوئے کھجور یا کشمش کی بھیگے ہوئے کھجور یا کشمش کے بدلہ میں (برابر سرابر) فروخت جائز ہے۔ لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ امام محمدؒ چیز کے معتدل حالات میں مساوات کا اعتبار کرتے ہیں اور معتدل حالات چیز کے انجام کی حالت ہے (کہ انجام میں جو حالت ہوگی اس میں مساوات ہونی چاہئے) جبکہ امام ابوحنیفہؒ (مساوات میں) چیز کی موجودہ حالت کا اعتبار کرتے ہیں۔ اسی طرح امام ابو یوسفؒ بھی حدیث (مشہور) کے اطلاق پر عمل کرتے ہوئے موجودہ حالت کا اعتبار کرتے ہیں (کیونکہ حدیث میں ہے

کہ برابر سرابر فروخت کرو، اس میں کسی خاص حالت کی قید نہیں ہے) مگر امام ابو یوسفؒ نے یہ اصول تازہ کھجور کی خشک کھجور کے بدلہ میں فروخت کے مسئلہ میں چھوڑ دیا اُس حدیث کی بناء پر جو ہم نے امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ کے لئے روایت کی (کہ آپ نے پوچھا کیا خشک ہو جانے کے بعد کم ہو جاتی ہیں الخ)۔ امام محمدؒ نے ان مذکورہ (مختلفہ) صورتوں اور تازہ کھجور کی تازہ کھجور (یعنی رطب کی رطب) کے بدلہ میں فروخت کے درمیان جو فرق کیا ہے (کہ تازہ کھجور کی اس کی مثل کے عوض فروخت جائز اور مذکورہ صورتوں میں فروخت ناجائز) اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں (خشک ہونے کے بعد) جو تفاوت وفرق ظاہر ہوگا (یعنی خشک ہونے کے بعد کی آجائے گی) وہ اس حالت میں ظاہر ہوگی کہ دونوں بدل اسی اسم پر باقی رہیں گے جن پر عقد منعقد ہوا تھا (یعنی گندم، کشمش اور کھجور) اور تازہ کی خشک کھجور (یعنی رطب کی تمر) کے بدلہ فروخت کی صورت میں (تفاوت ظاہر ہوتے وقت) ایک کا سابقہ اسم باقی رہے گا (دوسرے کے نام میں تبدیلی آجائے گی اور رطب بھی تمر ہو جائے گی) تو جن چیزوں پر عقد منعقد ہوا تھا (یعنی رطب وتمر پر) اس میں تفاوت ہو جائے گا (اور دونوں تمر ہو جائیں گے اور اس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے) جبکہ تازہ کھجور کی تازہ کھجور (یعنی رطب کی رطب) کے بدلہ فروخت میں اس اسم (یعنی لفظ تازہ کھجور) کے زائل ہونے کے بعد تفاوت ظاہر ہوگا (کہ بعد میں انہیں خشک کھجور یا تمر کہیں گے) تو یہ فرق اس چیز میں ظاہر نہیں ہوگا جس پر عقد ہوا تھا، تو اس کا اعتبار نہیں ہے[1]

---

[1] اس کا حاصل یہ ہے کہ جن دو بدل پر عقد منعقد ہوا ہے ان دونوں کے یا کسی ایک کا نام باقی رہتے ہوئے تفاوت ظاہر ہو تو عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ جس پر عقد منعقد ہوا تھا وہ بدل گیا اور اگر دونوں

اگر کچی کھجور (یعنی کھجی) کو کھجور کے بدلہ میں اضافہ کے ساتھ فروخت کیا، تو یہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ کچی کھجور بھی کھجور ہے (اور جنس ایک ہے) لیکن کھجور کے شگوفہ (جو کہ کھجور بننے سے پہلے کا حصہ ہوتا ہے، اس) کا حکم مختلف ہے کہ جتنی کھجور کے بدلہ چاہو اس کی فروخت جائز ہے (جیسے) دو شگوفے ایک کھجور کے بدلہ میں، اس لئے کہ شگوفہ کھجور نہیں ہے، کیونکہ کھجور کا نام اس کی صورت بننے کے بعد ہوتا ہے صورت بننے سے پہلے نہیں، (اس وقت اسے شگوفہ کہتے ہیں) اور شگوفہ کو شمار کر کے فروخت کیا جاتا ہے اور ان میں (وزن اور چھوٹے بڑے ہونے کے اعتبار سے) فرق ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر شگوفہ کے بدلہ کھجور ادھار فروخت کی تو ابہام ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: زیتون کا پھل اس کے تیل کے بدلہ میں اور تل اُس کے تیل کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ یہ دونوں تیل اُس تیل سے (مقدار میں) زیادہ ہوں جو کہ زیتون اور تل میں ہے۔ تو (زیتون اور تل میں) جو تیل ہے وہ نکلے ہوئے تیل کے مقابلہ میں ہو جائے گا اور اضافی تیل کھلی کے مقابلہ میں۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اس صورت میں یہ فروخت سود سے خالی ہو جائے گی، کیونکہ (زیتون و تل صرف ماپ والے نہیں ہیں کہ اختلاف مقدار کی وجہ سے سود سے بچنے کے لئے جو حیلہ کیا ہے اس کی ضرورت نہ ہو بلکہ) ان میں جو کچھ تیل ہے وہ وزن کیا جاتا ہے (تو مقدار ایک ہو گئی اور سود کا احتمال پیدا ہو گیا)۔ نکلے ہوئے تیل کے اضافہ کی شرط اس لئے ہے کہ اگر زیتون و تل کے اندر موجود تیل نکلے ہوئے تیل سے زیادہ ہوا تو تیل کے مقابلہ میں تیل ہو کر بقیہ تیل اور کھلی یا اگر برابر ہوا تو صرف کھلی اضافی ہو جائے گی (جو کہ کسی عوض کے بغیر ہے اور یہی سود ہے)۔ اگر زیتون و تل کے اندر موجود تیل کی مقدار معلوم نہ ہو تو پھر (زیتون و تل کو نکلے ہوئے تیل کے مقابلہ میں) فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ سود کا احتمال ہے (کہ زیتون

وتل کے اندر موجود تیل کی مقدار نکلے ہوئے تیل سے زیادہ ہو) اور سود کے باب میں
اس کا شبہ واحتمال بھی حقیقت کے درجہ میں ہوتا ہے (تو احتمال سے تسامح کر کے جائز
قرار نہیں دیا جائے گا)۔ اخروٹ کو روغنِ اخروٹ کے عوض، دودھ کو گھی کے عوض، انگور
کو شیرہ انگور کے عوض اور کھجور کو شیرۂ کھجور کے عوض فروخت کرنے میں یہی حکم ہے
(کہ روغن، گھی وروغنِ اخروٹ، دودھ، انگور وکھجور سے زیادہ ہونا چاہئے)۔ روئی کو
سوت کے عوض فروخت کرنے میں اختلاف ہے (کہ سوت زیادہ ہونا چاہئے یا برابر)
اور سوتی کپڑے کو روئی کے عوض ہر صورت میں (یعنی اضافہ یا برابری کے ساتھ)
فروخت کرنا جائز ہے اور اس پر اجماع ہے۔ (کیونکہ جنس مختلف ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: مختلف جانوروں کے گوشت کو ایک
دوسرے کے بدلہ میں اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا اس
سے مراد اونٹ، گائے اور بکرے کا گوشت ہے (کہ ان میں سے ایک دوسرے کے
عوض اضافہ کے ساتھ فروخت کر سکتے ہیں)۔ لیکن گائے اور بھینس ایک ہی جنس ہے
اسی طرح بکری اور بھیڑ ایک ہی جنس ہیں نیز عربی اور بختی (غیر عربی) اونٹ بھی ایک
ہی جنس ہیں (تو گائے کے گوشت کو بھینس کے گوشت کے عوض اضافہ کے ساتھ
فروخت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح دوسروں کا بھی حکم ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اسی طرح گائے اور بکری کے دودھ کو
ایک دوسرے کے عوض اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: امام
شافعیؒ سے ناجائز ہونا منقول ہے۔ اس لئے کہ (دونوں کے) دودھ ایک ہی جنس ہے
کیونکہ مقصود ایک ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ (دودھ کے) اصول (یعنی جانور)
مختلف ہیں یہاں تک کہ گائے وبکری میں سے کسی ایک سے زکوٰۃ میں دوسرے کا
نصاب پورا نہیں کر سکتے (مثلاً چالیس بکریوں میں سے ایک بکری زکوٰۃ میں واجب

ہے، تو اگر کسی کے پاس انتالیس بکریاں اور ایک گائے ہو تو اس پر بکریوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ نصاب پورا نہیں ہوا) تو اسی طرح ان اصول کے اجزاء (یعنی دودھ) سے ایک دوسرے کی کفایت نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس میں کسی عمل سے تبدیلی نہ کر لی جائے مثلاً دونوں کی الگ الگ دہی بنالی جائے تو پھر تساوی ضروری ہے کیونکہ جنس ایک ہوگئی۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اسی طرح کھجور کے سرکہ کی انگور کے سرکہ کے عوض (اضافہ کے ساتھ) فروخت جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ ان دونوں کی اصل (یعنی کھجور اور انگور) میں اختلاف ہے تو اسی طرح ان کے پانی میں بھی اختلاف ہوگا۔ اسی بناء پر ان دونوں (کھجور وانگور) کے شیرہ بھی بالاجماع دو مختلف جنس ہیں۔ بکری کی اون اور بھیڑ کے بال دو مختلف جنس ہیں کیونکہ ان کے مقاصد مختلف ہیں۔

مسئلہ:۔ اسی طرح پیٹ کی چربی کی دنبہ کی چکتی یا گوشت کے عوض (اضافہ کے ساتھ) فروخت جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ مختلف جنسیں ہیں کیونکہ ان کی صورتیں، معانی اور فوائد بے حد مختلف ہیں۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: روٹی کی گندم اور آٹے کے بدلہ میں اضافہ کے ساتھ فروخت جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ روٹی کی حیثیت شمار کی جانی والی یا وزن کی جانے والی چیز کی ہوگئی اور وہ کامل طور پر ماپ والی نہیں رہی جبکہ گندم (نیز آٹا بھی) ماپ والا ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ اس میں (آخرت کے اعتبار سے) بہتری نہیں ہے لیکن فتویٰ پہلے حکم پر ہے۔ جواز کا حکم اس صورت میں ہے کہ جب کہ معاملہ نقد ہو۔ اگر گندم (یا آٹا) ادھار ہو تب بھی جائز ہے لیکن اگر روٹی ادھار ہو تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح صحیح روایت کے مطابق روٹی میں بیع سَلَم جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

روٹی کوشمار کر کے یا وزن کر کے قرض دینے میں بہتری نہیں ہے، کیونکہ روٹی پکنے، پکانے والے، تندور اور تندور کے اگلے یا نچلے حصہ میں لگانے کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک عدد اور وزن دونوں طریقہ سے قرض دینا جائز ہے کیونکہ لوگوں کا اس پر عمل ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روٹی وزن کر کے قرض دینا جائز ہے شمار کر کے دینا جائز نہیں ہے کیونکہ روٹیوں میں (چھوٹے بڑے سائز اور وزن کے اعتبار سے) فرق ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: آقا اور اُس کے غلام کے درمیان سود ثابت نہیں ہوگا۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ غلام اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے سب کا سب آقا کی ملکیت ہے تو سود ثابت نہیں ہوگا (کیونکہ بالآخر غلام کا مال آقا کو چلے گا گویا کہ ایک آدمی اپنے ہی چاولوں میں سے ایک سیر کا سوا سیر کے بدلہ میں تبادلہ کرلے)۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ غلام کو آقا نے تجارت کرنے کی اجازت دی ہے اور غلام پر کوئی قرض نہ ہو۔ اگر غلام پر قرض ہے تو بالاتفاق (آقا و غلام کے درمیان سودی معاملہ کرنا) جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ غلام کے پاس جو مال ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آقا کا نہیں ہے لیکن صاحبین کے نزدیک (مال تو آقا کا ہے لیکن) قرض خواہوں کا حق اس سے متعلق ہوگیا ہے، تو غلام (آقا کے لئے) اجنبی کی طرح ہوگیا اور س صورت میں سود ثابت ہو جائے گا جیسا کہ آقا اور اس کے مکاتب غلام کے درمیان سود ثابت ہوتا ہے (کیونکہ مکاتب میں بھی آزادی کسی درجہ میں آجاتی ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: مسلمان اور کافر کے درمیان کافروں کے ملک میں سود ثابت نہیں ہوتا۔ مصنفؒ نے فرمایا: امام ابو یوسفؒ و امام شافعیؒ کا اس ں اختلاف ہے۔ انہوں نے اُس کافر پر قیاس کیا جو مسلمانوں کے ملک میں اجازت

کے ساتھ (عارضی طور پر) رہتا ہو (اس سے مسلمان سودی معاملہ نہیں کرسکتا)۔ ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان کافروں کے ملک میں سود ثابت نہیں ہوگا۔ نیز کافر کا مال کافروں کے ملک میں مسلمان کے لئے مباح ہے تو کسی بھی طریقہ سے مسلمان ان کا مال لے گا تو مباح مال لے گا بشرطیکہ اس میں کوئی دھوکہ نہ ہو۔ رہا وہ کافر جو مسلمانوں کے ملک میں اجازت کے ساتھ رہتا ہے، اس کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ اس کا مال اجازت وامان لینے کے بعد مسلمان کے لئے ممنوع ہوگیا (اس لئے اس پر قیاس نہیں کرسکتے)۔

باب الحقوق

مبیع کے حقوق کا بیان

مسئلہ:۔ اگر کسی نے ایسا گھر خریدا کہ جس کے اوپر بھی گھر ہے تو اوپر والا گھر خریدار کے لئے نہیں ہوگا سوائے اس صورت میں کہ اس گھر کو (خریدتے وقت یہ اضافہ کرے کہ) اِس کے تمام حقوق کے ساتھ یا اس کے تمام فوائد کے ساتھ یا ہر چھوٹی بڑی چیز جو اس میں ہے اس کے ساتھ یا اس میں شامل ہر چھوٹی بڑی چیز کے ساتھ خریدتا ہوں۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے ایک کمرہ اس کے تمام حقوق کے ساتھ خریدا اور اس پر ایک اور کمرہ بنا ہوا ہے، تو اوپر والا کمرہ خریدار کا نہیں ہوگا۔ اگر کسی نے گھر اس کی تمام حدود سمیت خریدا تو اس کا بالائی خانہ اور بیت الخلاء بھی خریدار کا ہوگا۔ مصنف فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے منزل، بیت اور دار ان تین اسماء کو ایک ساتھ جمع کر کے ان

کے احکام بیان کئے ہیں۔(ان میں باہمی فرق یہ ہے کہ)لفظ داریعنی گھر بالائی خانہ کو بھی شامل ہوتا ہے اس لئے کہ گھر اسے کہتے ہیں جسے چاروں طرف سے حدود نے احاطہ کرلیا ہو اور بالائی حصہ اصل (یعنی بنیاد) کا تابع اور اس کا جزء ہوتا ہے تو بالائی حصہ گھر کے مصداق میں داخل ہے۔لفظ بیت یعنی کمرہ اسے کہتے ہیں کہ جس میں رات گزاری جائے اور بالائی حصہ بھی اُسی کے مثل ہے(یعنی اس میں بھی رات گزار سکتے ہیں تو بالائی و نچلے کمرہ کی حیثیت برابر ہوگئی)اور ایک چیز اپنی ہی جیسی دوسری چیز کے تابع نہیں ہوتی، تو صِرف کمرہ خریدنے سے بالائی کمرہ بھی (نچلے کمرے کے ساتھ) فروخت میں داخل نہیں ہوگا مگر جبکہ واضح طور پر اس کا ذکر کیا جائے (کہ دونوں کمرے خریدتا ہوں)۔منزل، دار اور بیت کی درمیانی چیز ہے(یعنی کامل طور پر نہ دار ہے نہ بیت) کیونکہ اس میں کچھ کمی کے ساتھ رہائشی فوائد ہوتے ہیں اس لئے کہ اس میں جانوروں (یعنی سواری) کے ٹھہرانے (کھڑا کرنے) کی سہولت نہیں ہوتی، تو گھر سے مشابہت کی وجہ سے بالائی حصہ منزل کی فروخت میں توابع کا ذکر کرنے سے ضمناً داخل ہو جائے گا اور بیت سے مشابہت کی وجہ سے توابع کے ذکر کے بغیر (بالائی حصہ) داخل نہیں ہوگا۔بعض نے کہا کہ ہمارے (یعنی بخارا کے) عُرف ورواج میں تمام صورتوں میں بالا خانہ داخل ہوگا۔کیونکہ ہر رہائشی جگہ کو فارسی میں خانہ کہتے ہیں اور وہ بالا خانہ سے خالی نہیں ہوتا۔جس طرح بالا خانہ گھر کی فروخت میں داخل ہو جاتا ہے اسی طرح بیت الخلاء بھی گھر کی فروخت میں داخل ہوگا۔کیونکہ بیت الخلاء گھر کے تابع ہے۔سائبان (جو کہ دو گھروں کی دیواروں پر راستہ پر قائم ہوتا ہے، وہ) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان الفاظ کا ذکر کر کے گھر کی فروخت میں داخل ہوگا جو ہم نے (یعنی حق، فوائد، ہر قلیل و کثیر وغیرہ) ذکر کئے ہیں، کیونکہ سائبان راستہ کی ہوا پر قائم ہے۔تو

راستہ کا حکم بھی اس کے لئے ہوگا۔ (راستہ توابع کے ذکر کے بغیر داخل نہیں ہوتا، اسی طرح سائبان بھی توابع کے ذکر کے بغیر داخل نہیں ہوگا)۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر سائبان کا راستہ گھر کی طرف ہے (یعنی گھر کے دروازہ پر ہے) تو جو الفاظ ہم نے ذکر کئے، ان کے ذکر کے بغیر داخل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ سائبان بھی گھر کے تابع ہے تو بیت الخلاء کے مشابہ ہوگیا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے کسی گھر میں سے کمرہ خریدا یا منزل خریدی یا رہائشی جگہ خریدی تو خریدار کے لئے اس کے راستہ سے گزرنے کا حق نہیں ہوگا مگر اس صورت میں کہ خریدار کمرہ وغیرہ کے تمام حق یا فوائد یا ہر قلیل وکثیر حق کے ساتھ خریدے۔ یہی حکم پانی لینے اور اس کے نکاسی کا ہے۔[1]

مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ راستہ (وغیرہ) کمرہ ومنزل کی حدود سے باہر ہوتا ہے مگر یہ کہ اِس کے تابع ہے تو توابع کا ذکر کرنے سے فروخت میں داخل ہو جائے گا۔ لیکن اگر کمرہ یا منزل کرایہ پر لیا تو اس کی حیثیت مختلف ہے (کہ صِرف کرایہ پر لینے سے راستہ اور پانی لینے اور نکاس کے حقوق (کسی لفظ کے ذکر کے بغیر ملتے ہیں اور کرایہ دار ان کا مستحق ہوتا ہے)۔ اس لئے کہ کرایہ کا معاملہ فائدہ اٹھانے کے لئے ہوتا ہے اور پورا فائدہ اس (یعنی راستہ وپانی وغیرہ) کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا (اور ان فوائد کو نہ خرید سکتا ہے اور نہ کرایہ پر لے سکتا ہے) کیونکہ یہ رواج نہیں ہے کہ کرایہ دار راستہ کا حق خریدے یا کرایہ پر لے، تو آخر کار کمرہ وغیرہ کے یہ حقوق مطلوبہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے (کرایہ کے معاملہ میں ازخود) داخل ہو جائیں گے۔ (لیکن کمرہ وغیرہ خریدنے کی صورت میں راستہ اور پانی کی فراہمی ونکاسی کے حقوق از

[1] یعنی گھر میں پانی کا جو ذریعہ ہے اور اس سے کمرے والے پانی لیتے ہیں تو کمرہ یا منزل وغیرہ کا خریدار حقوق کے ذکر سے پانی لینے کے حق کا بھی خریدار ہوگا۔ اسی طرح پانی کے نکاس کا حکم ہے۔

خود داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ) مبیع (یعنی کمرہ وغیرہ) سے ان حقوق کے بغیر فائدہ حاصل کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ یہ بھی رواج ہے کہ خریدار کمرہ وغیرہ خرید لیتا ہے اور (اس میں رہنے کے بجائے) کبھی اس کے ذریعہ تجارت کرتا ہے کہ دوسرے آدمی کو فروخت کر کے اس سے مالی نفع حاصل کر لیتا ہے۔

باب الاستحقاق

مبیع میں کسی دوسرے کا حق ثابت ہونے کا بیان

مسئلہ :۔ اگر کسی نے کوئی باندی خریدی اور اس نے خریدار کے پاس بچہ جنا۔ اس کے بعد ایک شخص نے دلیل سے باندی پر اپنا حق ثابت کر دیا، تو وہ شخص باندی اور اس کے بچہ کو لے لے گا۔ لیکن اگر خریدار نے اس دعویٰ کرنے والے آدمی کے لئے اقرار کر لیا (کہ یہ باندی اسی شخص کی ہے اور مدّعی نے دلیل پیش نہیں کی) تو بچہ باندی کے ساتھ نہیں جائے گا۔ ان دونوں صورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ دلیل (یعنی گواہوں کے ذریعہ دعویٰ کا ثبوت) مطلق حجت ہے۔ یہ لفظ بیّنہ (یعنی دلیل) اپنے نام کی طرح بیان کرنے والی ہے۔ تو اس دلیل کے ذریعہ باندی کی ملکیت اصل (یعنی ابتداء) سے ثابت ہو جائے گی اور چونکہ بچہ بھی (خریدتے وقت) باندی سے متصل تھا تو بچہ بھی دعویٰ کرنے والے کے لئے ہوگا۔ لیکن کسی کے لئے اقرار کرنا یہ ایسی حجت ہے جس میں کچھ قصور وکمی ہے، تو جس کے بارے میں خبر دی گئی اس میں ملکیت (ایک مسلمان کی) خبر کو صحیح ماننے کی ضرورت کی وجہ سے ثابت ہو جائے گی اور یہ ضرورت اس حال میں پوری ہوئی کہ ملکیت کے ثبوت کے وقت بچہ ماں سے جدا ہے۔ تو بچہ دعویٰ کرنے والے کے لئے نہیں ہوگا۔ (دلیل والی صورت کہ جس میں بچہ

بھی ماں کے ساتھ مدّعی کا ہو جاتا ہے اس کے شامل ہو جانے کے بارے میں) بعض نے کہا کہ ماں کے فیصلہ میں بچہ بھی ضمناً داخل ہوگا اور بعض نے کہا کہ بچہ کے لئے قاضی مستقل فیصلہ کرے گا (کیونکہ وہ ماں سے جدا ہو کر مستقل حیثیت کا مالک ہو گیا اور یہی قول اصح ہے)۔ اسی کی طرف (مبسوط کتاب کے) مسائل اشارہ کرتے ہیں۔ اسی لئے اگر قاضی کو (کسی چیز کے فیصلہ کے وقت اس کے) زوائد (یعنی بچے وغیرہ) کا علم نہیں ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک زوائد حکم میں (ضمناً) داخل نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اگر بچہ کسی دوسرے کے قبضہ میں ہے تب بھی ماں کے ساتھ ضمناً حکم میں داخل نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے غلام خریدا اور وہ آزاد نکلا، حالانکہ غلام نے اِسی خریدار سے کہا تھا کہ تم مجھے خرید لو میں فلاں کا غلام ہوں، تو اگر بائع حاضر ہے یا غائب ہے لیکن اس کی جگہ کا علم ہے، تو غلام پر کوئی ضمان وتاوان نہیں ہے۔ اور اگر بائع کے بارے میں علم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے تو خریدار غلام سے اپنی رقم کا مطالبہ کرے گا اور غلام بائع سے مطالبہ کرے گا۔ اگر ایسے غلام کو جو اپنے غلام ہونے کا اقرار کر رہا ہے، گروی رکھوا دیا لیکن اُسے آزاد پایا، تو کسی حال میں گروی رکھنے (یعنی قرض دینے) والا غلام سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ مصنفؒ نے فرمایا: امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ (خریدنے اور گروی رکھنے) دونوں صورتوں میں مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ مطالبہ یا تو معاوضہ کی وجہ سے ہوتا ہے یا کفالت (یعنی ضمانت لینے) کی وجہ سے اور یہاں صِرف جھوٹی خبر ہے (معاوضہ اور ضمانت نہیں ہے کیونکہ غلام نہ بائع ہے اور نہ ضامن) اور یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی اجنبی نے اس طرح کہا ہو، (یعنی کوئی اجنبی کہے کہ مجھے خرید لو میں غلام ہوں اور خریدنے کے بعد معلوم ہو کہ وہ

غلام نہیں ہے تو اجنبی پر کوئی ضمان نہیں ہے)۔ یا غلام نے کہا کہ مجھے گروی رکھوادو کیونکہ میں غلام ہوں۔ یہی متن کا دوسرا مسئلہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ خریدار نے اس شخص کی حالت (یعنی غلاموں کی منڈی میں موجود ہونے) اور اس کے اقرار پر کہ ''میں غلام ہوں'' اعتماد کر کے خریدنے کا معاملہ کیا (یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا قول حجت وقابل اعتماد نہیں ہے) کیونکہ آزادی کے بارے میں بھی اسی کا قول حجت ہے (یعنی اگر وہ کہے کہ میں آزاد ہوں تو بغیر دلیل اسے غلام نہیں کہہ سکتے تو اسی طرح اپنی غلامی کا اقرار بھی حجت ہے) چنانچہ غلام نے خریدنے کا جو حکم کیا تھا (کہ مجھے خریدلو) اس وجہ سے اُسے قیمت کا ضامن بنایا جائے گا جبکہ بائع سے مطالبہ کرنا ممکن نہ ہو، تاکہ دھوکہ اور نقصان دور ہو۔ ناممکن صِرف اِس صورت میں ہوگا جبکہ بائع کی جگہ معلوم نہ ہو۔ (امام ابویوسفؒ نے جو فرمایا تھا کہ معاوضہ یا ضمانت کی وجہ سے رجوع ہوتا ہے، اس کے جواب میں فرمایا کہ) آپ کا اصول صحیح ہے اور یہاں بھی معاوضہ ہے کیونکہ بیع کا معاملہ معاوضہ (تبادلہ) کا معاملہ ہے، تو اس معاوضہ کا حکم کرنے والے کو بھی (مبیع کی عیب وغیرہ اور دھوکہ سے) سلامتی کے لئے ضامن بنانا ممکن ہے جیسا کہ معاوضہ کا معاملہ کرنے والے کے لئے حکم ہے (کیونکہ کسی چیز کا حکم کرنے والا بھی اس چیز کے کرنے والے کی طرح ہوتا ہے)۔ گروی (کی صورت میں امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کے نزدیک بھی غلام سے مطالبہ نہیں کرے گا، اس فرق کی وجہ میں فرماتے ہیں کہ گروی) کی حیثیت مختلف ہے، کیونکہ وہ معاوضہ کا معاملہ نہیں ہے بلکہ اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے ایک اعتماد ہے حتیٰ کہ بیع صَرف کے بدل (یعنی سونا یا چاندی) اور وہ چیز جس پر بیع سَلَم ہوئی ہے۔ اس کے بدلہ میں (کوئی چیز) گروی رکھنا جائز ہے حالانکہ بیع صَرف وسَلَم میں جو مبیع ہے اس کے بدلہ کوئی دوسری چیز لینا

حرام ہے[1] (معلوم ہوا کہ گروی کا معاملہ معاوضہ نہیں)، تو گروی کے معاملہ کو (دھوکہ وغیرہ سے) سلامتی کے لئے ضامن نہیں بنایا جائے گا (یعنی گروی کی صورت میں غلام ضامن نہیں ہوگا)۔ اجنبی (کی جو نظیر پیش کی تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس) کی حیثیت بھی مختلف ہے، کیونکہ اس کے قول کا اعتبار نہیں ہے (اور حجت نہ ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں ہے) تو دھوکہ ثابت نہیں ہوگا۔

ہمارے (متن کے) مسئلہ کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ آقا نے (بازار میں تاجروں سے) کہا کہ میرے اس غلام سے خرید وفروخت کرو کیونکہ میں نے اسے تجارت کی اجازت دے دی ہے۔ (لوگوں نے اس سے تجارت کی) اس کے بعد غلام میں کسی کا حق ظاہر ہوگیا (اور غلام کو حق دار نے لے لیا حالانکہ غلام کے ذمہ تاجروں کے پیسے تھے) تو تجارت کرنے والے آقا سے اس غلام کی قیمت کا مطالبہ کریں گے۔

امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق (غلامی کا اقرار کرنے کے بعد آزادی کے ثبوت کے) مسئلہ کی صورت میں کچھ اشکال ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک غلام کی آزادی (ثابت ہونے) کے لئے دعویٰ شرط ہے (یعنی وہ اپنی آزادی کا مستقل دعویٰ کرے پھر اس پر گواہی مقبول ہوگی) حالانکہ بیان میں تضاد سے دعویٰ فاسد ہوجاتا ہے (اور یہاں بھی تضاد ہے کیونکہ اس کا پہلا قول وبیان غلامی کا ہے پھر آزادی کا ہے، تو اس تضاد کی وجہ سے دعویٰ صحیح نہیں ہے اور جب دعویٰ صحیح نہیں ہے تو گواہی غیر مقبول ہونے کی وجہ سے آزادی بھی صحیح نہیں ہوئی)۔ (اس کے جواب میں) بعض نے کہا کہ (غلام سے مراد یا تو وہ ہے جو اصل سے آزادی کا دعویٰ کررہا ہے یا وہ جو غلامی کے بعد آزادی کا دعویٰ کررہا ہے) اگر مسئلہ کی صورت یہ ہے

[1] بیع صرف میں اگر ایک طرف سے چاندی اور دوسری طرف سے سونا ہو، اگر سونے کے بدلہ کوئی اور چیز دینا چاہے تو حرام ہے اسی طرح بیع سلم میں جو مبیع مقرر ہوئی ہے اس کے بدلہ کوئی اور چیز دینا حرام ہے۔

کہ مدّعی کا دعویٰ اصل سے آزادی کا ہے (یعنی وہ کہتا ہے کہ میں کسی کا غلام کسی وقت نہیں رہا یعنی میرے والدین آزاد ہیں) تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس قول کے قبول کے لئے مستقل دعویٰ شرط نہیں ہے (جب دعویٰ شرط نہیں ہے، تو تضاد سے کچھ فرق واقع نہیں ہوگا۔ دعویٰ کی نفی) اس لئے کہ یہ قول اس اَمر کو شامل ہے کہ (مجھے اپنا غلام کہنے والے پر) میری ماں کی ناموس حرام ہے۔[1]

بعض نے جواب میں کہا کہ (اصلی آزادی کے ثبوت میں) دعویٰ کرنا شرط ہے اور (جو) تضاد (ہے، سو وہ) یہاں (صحتِ دعویٰ میں) مانع ورکاوٹ نہیں ہے۔ کیونکہ حمل کا استقرار پوشیدہ ہوسکتا ہے۔[2] (تو تضاد کی صورت میں بھی دعویٰ صحیح اور اس پر گواہی مقبول ہے)۔ (بعض نے یہ جواب دیا کہ) اگر مسئلہ کی صورت غلام آزاد کرنے میں ہے (یعنی پہلے غلام تھا پھر آزاد کیا، اصلی آزادی میں نہیں ہے) تو یہاں بھی تضاد مانع نہیں ہے۔ کیونکہ آقا آزاد کرنے میں منفرد ہے۔[3] تو اس غلام کی

---

[1] کیونکہ اصلی آزاد کی ماں بھی آزاد ہوتی ہے یعنی اس کی ماں مدّعی کی باندی نہیں ہے اور مدّعی پر اس غلام کی ماں کی ناموس حرام ہے۔ حرمت ناموس اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے اور اس کا اظہار لوگوں کے ذمہ ہے کہ وہ ثابت کریں کہ اس کی ماں سے کسی نے باندی ہونے کی وجہ سے جماع نہیں کیا۔ ماں یا اس شخص کی طرف سے دعویٰ کرنا ضروری نہیں ہے۔ بغیر دعویٰ اس کی آزادی ثابت ہوجائے گی۔ اس لئے تضاد سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ [2] اس کی صورت یہ ہے کہ کسی حاملہ عورت کو لڑائی میں پکڑا گیا اور اس کا حمل ظاہر نہیں تھا۔ بعد میں بچہ پیدا ہونے اور بڑا ہوجانے کے بعد غلامی کے ماحول میں ہونے اور ماں کے غلام ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو غلام سمجھنے لگا اور اپنی غلامی کا اقرار کرلیا۔ پھر بعد میں گواہوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ استقرار حمل کے وقت اس کی ماں آزاد تھی اس لئے وہ آزاد ہے تو اس نے آزادی کا دعویٰ کیا۔ اس لئے تضاد مانع نہیں ہے۔

[3] یعنی اگر آقا غلام کو آزاد کردے تو وہ اسی وقت آزاد ہوجاتا ہے غلام کو اس کا علم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ آقا نے غلام کو آزاد کردیا ہو اور غلام کو اس کا علم نہ ہو تو اس نے خریدار سے اپنے آپ کو غلام کہا ہو۔ پھر بعد میں اُسے گواہوں کے ذریعہ یا آقا کے بتلانے سے معلوم ہوا کہ وہ آزاد ہے تو وہ آزادی کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ اور یہ ظاہری تضاد صحت دعویٰ میں مانع نہیں ہے۔

حیثیت اس خلع یافتہ عورت کی طرح ہوگئی کہ جس نے اُن تین طلاق پر گواہی قائم کی جو خلع سے پہلے دی گئی تھیں اور اس مکاتب کی طرح ہوگئی کہ جس نے اس پر گواہی قائم کی کہ آقا نے اُسے مکاتب بنانے سے پہلے آزاد کر دیا تھا۔[1]

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے کسی گھر میں اپنے حق کا دعویٰ کیا۔ یعنی مبہم وغیر معیّن حق (جس کی مقدار ونوعیت معلوم نہیں)، تو صاحب مکان نے اس مدّعی سے حق کے بدلہ سو درہم پر صلح کرلی۔ پھر بعد میں پورا گھر سوائے ایک (مربّع) گز (یعنی کچھ حصّہ) کے کسی اور کے لئے ثابت ہوا، تو صاحب مکان پہلے مدّعی (جس نے مبہم حق کا دعویٰ کیا تھا، اس) سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ مدعی کہہ سکتا ہے کہ میرا دعویٰ اس بقیہ حصہ میں تھا۔ لیکن اگر کسی نے پہلے پورے گھر کا دعویٰ کیا اور صاحب مکان نے اس سے سو درہم پر صلح کرلی پھر بعد میں گھر کا کچھ حصہ کسی اور کے حق میں ثابت ہوا، تو صاحب مکان پہلے مدّعی سے اس دوسرے حصہ کے

---

[1] ایک عورت نے اگر شوہر سے مال کے بدلہ طلاق طلب کی اور شوہر نے اُسے طلاق دے دی، اِسے خلع کہتے ہیں اور مقررہ مال کو بدلِ خلع۔ بعد میں عورت نے بدلِ خلع کی واپسی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اس نے مجھے خلع کے مطالبہ سے پہلے تین طلاقیں دی تھیں۔ تو بظاہر اس میں تضاد ہے کیونکہ طلاق شدہ عورت خلع کا مطالبہ نہیں کرتی، لیکن پھر بھی عورت کا دعویٰ مقبول ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مرد نے طلاقیں دے دی ہوں اور عورت کو اس کا علم نہ ہُوا ہو اور لاعلمی میں اس نے خلع کا مطالبہ کرلیا۔ اسی طرح غلام نے بھی آزادی حاصل کرنے کے لئے آقا کو مال کی پیشکش کی جسے کتابت کہتے ہیں اور اِس مال کو بدلِ کتابت اور غلام کو مکاتب۔ اس نے مال ادا کر کے آزادی حاصل کرلی۔ پھر بعد میں اِس نے بدلِ کتابت کی واپسی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ آقا نے اُسے مکاتَب بنانے سے پہلے آزاد کر دیا تھا۔ تو بظاہر اس میں بھی تضاد ہے لیکن دعویٰ مقبول ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آقا نے آزاد کر دیا ہو اور غلام کو اس کا علم نہ ہُوا ہو اور اس نے لاعلمی میں کتابت کرلی اور طلاق وآزادی لاعلمی میں بھی واقع ہوجاتی ہے۔ اس لئے اگر عورت اور اِس غلام نے گواہی سے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا تو عورت کو بدلِ خلع اور غلام کو بدلِ کتابت واپس ملے گا۔ اسی طرح متن کا مسئلہ ہے کہ غلام کے دونوں اقوال میں حقیقی تضاد نہیں ہے۔

بقدر (رقم کا) مطالبہ کرے گا۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ دونوں دعووں میں توفیق و تطبیق ممکن نہیں ہے (اس لئے کہ پورے گھر کا دعویٰ اس کی علامت ہے کہ کسی اور کا حق نہیں ہے جب دوسرے کا بھی حق ثابت ہوگیا تو اختلاف ہوگیا اور یہ اختلاف ختم نہیں ہوسکتا) تو مبدل (یعنی گھر) کی سلامتی فوت ہونے کے وقت بدل یعنی رقم کی واپسی واجب ہوئی (کیونکہ بدل و مبدل ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے)۔ یہ مسئلہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ مبہم حق کے بدلہ معلوم مقدار پر صلح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ایسی چیز میں ابہام جو ساقط ہو جاتی ہے، جھگڑے کا ذریعہ نہیں بنتا۔

فصل فی بیع الفضولی [1]

فضولی کی فروخت کا بیان

مسئلہ:۔ اگر کسی نے دوسرے کی مملوکہ چیز اس کی اجازت کے بغیر فروخت کی تو مالک کو اختیار ہے کہ خواہ بیع کی اجازت دے دے یا خواہ فسخ کردے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بیع منعقد ہی نہیں ہوگی (اس لئے اجازت و فسخ بے کار ہے) کیونکہ یہ بیع شرعی اجازت و اختیار سے صادر نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ بیع کا شرعی اختیار ملکیت یا مالک کی اجازت سے حاصل ہوتا ہے حالانکہ یہ دونوں چیزیں ہی مفقود (وغائب) ہیں (اور یہ بیع منعقد نہیں ہوگی کیونکہ) شرعی قدرت و اختیار کے بغیر کوئی چیز منعقد نہیں ہوتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ (فضولی کا) یہ عمل مالک بنانے کا تصرف ہے۔ اور یہ اہلِ تصرف (یعنی عاقل انسان) سے صادر ہو کر اس کے محل (یعنی عاقل انسان)

---

[1] فضولی وہ شخص کہلاتا ہے جو نہ اپنے لئے معاملہ کرے اور نہ کسی نے اسے معاملہ کرنے کے لئے وکیل مقرر کیا ہو بلکہ وہ اپنی مرضی سے کسی دوسرے کے لئے معاملہ کرے۔

میں واقع ہوا ہے (یعنی ایک انسان دوسرے انسان کو مالک بنا سکتا ہے اور فضولی بھی عاقل بالغ انسان ہے)، تو اس معاملہ کو منعقد کہنا (و ماننا) ضروری ہے۔ (یہ احتمال کہ اس میں مالک کا نقصان ہے کیونکہ اس کے علم ہی میں نہیں ہے کہا اس کی مملوکہ چیز کے ساتھ کیا ہوگیا، اس کا جواب دیا اس سے فرق نہیں پڑے گا) کیونکہ مالک کو اختیار دینے کے بعد اس معاملہ میں اس کا نقصان نہیں ہے بلکہ اس میں اس کا اس طرح فائدہ ہے کہ خریدار کی تلاش اور قیمت مقرر کرنا وغیرہ امور کی مشقت (و پریشانی) سے کفایت ہوگئی، عاقد (یعنی فضولی) کا بھی فائدہ ہے کہ اس کا کلام اور معاملہ کرنا لغو و بے کار ہونے سے محفوظ ہوجائے گا نیز اس میں خریدار کا بھی نفع ہے (اسی لئے تو اس نے چیز خریدی)، تو ان تمام فوائد کو حاصل کرنے کے لئے شرعی قدرت ثابت ہوجائے گی۔ اور یہ کیوں نہیں ہوگا حالانکہ اجازت اشارۃً ثابت ہے کیونکہ اصول ہے کہ عاقل شخص نفع بخش تصرّف کی اجازت دے دیتا ہے (اسی اصول پر اعتماد کر کے فضولی نے معاملہ کیا)۔

مسئلہ:۔ مالک اس وقت تک اجازت دے سکتا ہے جب تک کہ چیز باقی ہو اور عقد کرنے والے (یعنی خریدار اور فضولی) ابھی اپنے سابقہ حال پر ہوں (کسی نے معاملہ کو فسخ نہ کیا ہو)۔ اس لئے کہ اجازت دینا بھی اس معاملہ میں تصرّف کرنا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ عقد قائم و باقی ہو۔ اور عقد معاملہ کرنے والوں اور چیز کے باقی رہنے سے باقی رہتا ہے۔ اگر مالک نے عقد کی اجازت دے دی تو فضولی کے پاس چیز کی قیمت امانت ہوگی جیسے کہ وکیل کا درجہ اور حکم ہے کیونکہ بعد میں ملنے والی اجازت ایسی ہے جیسے شروع میں وکیل مقرر کیا ہو (تو فضولی وکیل کی طرح ہوگیا اور وکیل کے پاس قیمت یا چیز امانت ہوتی ہے)۔ یہ فضولی مالک کی اجازت ملنے سے پہلے اِس معاملہ کو فسخ کرسکتا ہے تاکہ اس کے اوپر سے (معاملہ کے) حقوق

(یعنی قیمت کا مطالبہ، چیز کا حوالہ اور مالک کی طرف سے اجازت لینا وغیرہ یہ سب امور) دور ہو جائیں۔ لیکن نکاح (کے معاملہ) میں فضولی کا حکم اس سے مختلف ہے (کہ وہ اجازت ملنے سے پہلے نکاح فسخ نہیں کرسکتا) کیونکہ یہ تو صرف سفیر اور واسطہ ہے۔ متن کا یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جبکہ قیمت دَین (یعنی روپے) ہوں، اگر قیمت میں کوئی معیّن سامان مقرر کیا ہے تو اجازت صرف اُسی صورت میں صحیح ہوگی جبکہ یہ معیّن سامان بھی باقی ہو۔ پھر اس صورت میں (یعنی جب قیمت سامان ہو، اس) میں مالک کی طرف سے اجازت کی حیثیت یہ ہوگی کہ مالک نے اپنی چیز استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، عقد کی اجازت کی حیثیت نہیں ہوگی (یعنی فضولی کے لئے عقد واقع ہو چکا اس کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں) یہاں تک کہ وہ سامان جو قیمت بنا ہے فضولی کی ملکیت ہو جائے گا اور اس کے ذمہ مالک کی چیز (جو کہ مبیع ہے، اس) کی اگر مِثل ملتی ہے تو اس کی مِثل اور اگر مِثل نہیں ملتی تو اس کی قیمت لازم ہے (یعنی فضولی مالک کو یہ حوالہ کرے)۔ کیونکہ فضولی کا معاملہ (جب کہ قیمت سامان ہو) ایک اعتبار سے خریدنے کا معاملہ ہے (کہ فضولی نے مالک کی چیز کے عوض دوسری چیز خرید لی) اور خریدنا اجازت پر موقوف نہیں ہے (لہٰذا یہ بیع منعقد ہوگئی اور فضولی نے مالک کی چیز اس کی اجازت کے بغیر ضائع کی اس لئے اس کی ضمان اس پر لازم ہوگی)۔

اگر (اجازت دینے سے قبل) مالک کی وفات ہو جائے تو دونوں صورتوں (یعنی قیمت روپے ہوں یا سامان، ان) میں وارث کی اجازت سے یہ بیع نافذ نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ بیع مورث یعنی مالک کی اجازت پر موقوف تھی تو اس کے علاوہ کسی اور شخص کی اجازت سے جائز نہیں ہوگی۔ اگر مالک نے اپنی زندگی میں بیع کی اجازت دے دی حالانکہ مبیع (یعنی چیز) کا حال معلوم نہیں (کہ باقی ہے یا ضائع ہوگئی) تو امام

ابو یوسفؒ کے پہلے قول کے مطابق یہ بیع جائز ہوجائے گی اور یہی قول امام محمدؒ کا ہے۔اس لئے کہ مبیع کا باقی رہنا اصل ہے۔ بعد میں امام ابو یوسفؒ نے اس قول سے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ اجازت کے وقت مبیع کے باقی رہنے کا علم نہ ہوتو یہ بیع صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اجازت کی شرط (یعنی مبیع کا باقی ہونا اس) میں شک واقع ہوگیا، تو شک کے ساتھ اجازت ثابت نہیں ہوگی۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے غلام غصب کر کے فروخت کردیا اور خریدار نے اسے آزاد کردیا پھر آقا نے اس بیع کی اجازت دے دی، تو یہ آزادی جائز (وصحیح) ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک بطور استحسان ہے لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ آزادی جائز (وصحیح) نہیں ہے کیونکہ ملکیت کے بغیر آزادی نہیں ہوسکتی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "جس چیز کا ابن آدم مالک نہیں اس میں (اس کی طرف سے) کوئی آزادی ثابت نہیں"۔ (اعتراض ہوا کہ ملکیت یہاں ہے کیونکہ قیمت ادا کی ہے لیکن موقوف ہے اس کا جواب دیا کہ) موقوف ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا اور اگر آخر میں ثابت ہوگی بھی تو وہ (غاصب کی طرف) منسوب ہوکر ثابت ہوگی (کیونکہ اصل مالک اور خریدار کے درمیان غاصب کا واسطہ ہے)۔ اور ایسی ملکیت ایک اعتبار سے ثابت ہے ایک اعتبار سے نہیں (یعنی کامل طور پر ثابت نہیں) حالانکہ آزادی کی صحت کے لئے کامل ملکیت ضروری ہے اُس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی (اس میں ملکیت کا ذکر بغیر کسی قید کے ہے اس لئے کامل ملکیت مراد ہوگی)۔ اسی لئے (کامل ملکیت نہ ہونے کی بناء پر) یہ صحیح نہیں ہے کہ غاصب غلام کو آزاد کر کے پھر اس کی ضمان ادا کردے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ خریدار غلام کو آزاد کرے دراں حالیکہ بائع کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہو پھر بائع

(اختیار ختم کر کے) آزادی کی اجازت دے دے [1] (کیونکہ آزادی کے وقت ملکیت کامل نہیں ہے)۔ اسی طرح جس مسئلہ میں ہم بحث کر رہے ہیں اس میں غاصب سے خریدنے والے کا غلام کو آگے فروخت کرنا بھی صحیح نہیں ہے (اگرچہ بعد میں مالک اس کی اجازت دے دے) حالانکہ بیع بہت جلدی نافذ ہوتی ہے حتی کہ اگر غاصب ضمان ادا کردے تو اس سے خریدنا صحیح اور نافذ ہوجاتا ہے لیکن اگر وہ غلام غصب کر کے اسے آزاد کردے پھر اس کی ضمان ادا کرے تو اس کا آزاد کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ بیع جلدی نافذ ہونے والی چیز ہے لیکن جب غاصب سے خریدنے والے کی بیع نافذ نہیں ہورہی ہے تو اس کی طرف سے آزادی بھی بدرجۂ اولی نافذ نہیں ہوگی اسی طرح غاصب سے اگر کسی نے غلام خرید کر آزاد کردیا تو اس کا آزاد کرنا صحیح نہیں ہے اگرچہ غاصب ضمان ادا کردے۔

امام ابوحنیفہؒ وابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ (خریدنے کے لئے) ایسے تصرّف سے ملکیت موقوف حالت میں ثابت ہوئی ہے جو مطلق ہے اور نفع پہنچانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور اس میں مالک کا کوئی نقصان نہیں ہے جیسا کہ (فضولی کے تصرّف کے بیان میں) گزرا (کہ یہ مالک بنانے کا تصرّف ہے)۔ تو ملکیت پر مرتب ہوتے ہوئے آزاد کرنا موقوف ہوجائے گا (کہ اجازت کے بعد پہلے ملکیت ثابت ہوگی پھر اس پر آزادی ثابت ہوگی) اور ملکیت نافذ ہونے کی وجہ سے آزادی بھی نافذ ہوجائے گی۔ اور یہ مسئلہ اس کے مشابہ ہوگیا کہ گروی رکھوانے والے سے کوئی خریدار (گروی رکھنے والے یعنی دائن کی اجازت کے بغیر) گروی غلام کو خرید کر

---

[1] زید نے بکر سے غلام خریدا اور بکر نے تین دن کا اختیار لیا۔ اس مدت کے دوران زید نے بکر سے پوچھے بغیر غلام آزاد کردیا پھر بعد میں بکر نے اپنا اختیار ختم کر کے بیع کو نافذ کردیا۔

آزاد کردے اور جیسا کہ کوئی وارث ترکہ میں سے ایسے غلام کو آزاد کردے جس پر اس
کی قیمت کے بقدر قرض ہے (تو ان دونوں صورتوں میں غلام فوراً آزاد نہیں ہوگا
کیونکہ گروی غلام قرض کے بدلہ میں ہے اور اس پر گروی رکھنے والے کا حق ہے اور
دوسری صورت میں غلام پر قرض خواہ کا حق ہے اس لئے پہلی صورت میں گروی رکھنے
والے کی اجازت کے بعد اور دوسری صورت میں قرض خواہ کی اجازت کے بعد غلام
آزاد ہوگا لیکن) اگر وارث آزاد کرنے کے بعد تمام قرض خود ادا کردے تو اس کا آزاد
کرنا صحیح ہے اور نافذ ہوجائے گا (ان دونوں مسئلوں میں موقوف ملکیت پر آزادی
واقع ہورہی ہے اور اجازت کے بعد صحیح ہورہی ہے اسی طرح مذکورہ مختلفہ مسئلہ میں
ہوگا)۔ (امام محمدؒ کی نظائر کے جواب میں فرماتے ہیں کہ) لیکن اگر غاصب خود غلام
کو آزاد کرے تو اس کا حکم مختلف ہے (کہ یہ آزادی صحیح نہیں ہے) کیونکہ یہ تصرّف
غصب پر مبنی ہے اور غصب ملکیت کا فائدہ دینے کے لئے مقرر نہیں کیا گیا (امام محمدؒ
کی دوسری نظیر کے بارے میں فرمایا کہ) بیع میں اگر بائع کو اختیار ہو (اور خریدار غلام کو
آزاد کردے) تو اس کی حیثیت مختلف ہے (کہ غلام کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے) کیونکہ
یہ بیع مطلق نہیں ہے نیز بیع کے ساتھ اگر شرط متصل ہوجائے تو شرط بیع کا حکم (یعنی
ملکیت) منعقد ہونے میں مانع ہوتی ہے (جب ملکیت ہی ثابت نہیں ہوئی تو آزادی
کیسے صحیح ہوجائے گی)۔ (تیسری نظیر کا جواب یہ ہے کہ) غاصب سے کوئی خریدار غلام
خرید کر فروخت کرے (اور مالک بعد میں اجازت دے دے) تو اس کی حیثیت بھی
مختلف ہے (کہ یہ بیع نافذ نہیں ہوگی) کیونکہ مالک کی اجازت کی وجہ سے بائع (یعنی
غاصب سے خریدنے والے) کے لئے قطعی ملکیت ثابت ہوگی (اور اس نے جو
فروخت کی ہے اس میں دوسرے خریدار کے لئے ملکیت موقوف ہے) تو جب قطعی

ملکیت (جو بائع کو مالک کی اجازت سے حاصل ہوئی ہے، وہ) دوسرے خریدار کی موقوف ملکیت پر طاری ہوگی تو اس موقوف کو باطل کردے گی (کیونکہ بیک وقت ایک محل میں دو ملکیت جمع نہیں ہوسکتیں اور جب موقوف ملکیت باطل ہوگئی تو دوسری بیع بھی صحیح نہیں ہوگی [1] (چوتھی نظیر کے بارے میں فرمایا کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ) اگر غاصب ضمان ادا کردے تو غاصب سے خریدنے والے نے جو غلام کو آزاد کیا تھا وہ آزادی نافذ ہوجائے گی (کیونکہ یہ بیع کے مسئلہ سے مختلف ہے)۔ ھلالؒ نے (کتاب الوقف میں) اسی طرح ذکر کیا ہے اور یہ صحیح ترین روایت ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: (اسی مذکورہ بالا صورت میں) اگر اسی غلام کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور جس نے غاصب سے خریدا تھا اس نے (کاٹنے والے سے) اس کا تاوان لے لیا۔ پھر مالک نے (غاصب کی) اس فروخت کی اجازت دی تو تاوان خریدار کا ہوگا۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ خریدار کے لئے (غلام کی ملکیت) خریدنے کے وقت سے تام ثابت ہوگئی اور یہ ظاہر ہوگیا کہ غلام کے ہاتھ اسی کی ملکیت میں کٹے ہیں (اس لئے تاوان کا بھی وہی مالک ہوگا)۔ (یہ مسئلہ متفقہ ہے اس لئے) یہ امام محمدؒ پر حجت ہے (کہ آزادی کے بارے میں انہوں نے کیوں اختلاف

---

[1] اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید نے خالد کا غلام غصب کرکے بکر کو فروخت کردیا اور بکر نے بھی غلام عمر کو فروخت کردیا۔ پھر بعد میں مالک یعنی خالد نے اس فروخت کی اجازت دے دی تو کسی امام کے نزدیک بکر کی فروخت صحیح نہیں ہے اور اگر بکر نے خریدنے کے بعد آزاد کردیا اور مالک نے اجازت دے دی تو امام محمدؒ کے علاوہ بقیہ دو اماموں کے نزدیک آزادی صحیح ہوجائے گی اور یہی متن کا مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ امام محمدؒ نے اسے فروخت کے مسئلہ پر قیاس کیا۔ جواب میں امام ابوحنیفہؒ وابویوسفؒ نے اس قیاس کا جواب دیا کہ بکر کی فروخت میں ملکیت موقوف ہے اور خالد کی اجازت کے بعد بکر کے لئے قطعی ملکیت ثابت ہوگی اور قطعی ملکیت موقوف ملکیت کو باطل کردے گی لیکن آزاد کرنے میں اس قسم کی صورت نہیں ہے۔ اس لئے قیاس نہیں کرسکتے۔

کیا)۔ امام محمدؒ یہ عذر کر سکتے ہیں کہ کسی بھی درجہ میں ملکیت تاوان لینے کا حق ثابت کرنے کے لئے کافی ہے جیسے مکاتب (جس میں آقا کی ملکیت ضعیف ہوجاتی ہے اور وہ اسے فروخت نہیں کرسکتا) اگر کوئی شخص اس کے ہاتھ کاٹ دے اور آقا کاٹنے والے سے اس کا تاوان لے لے پھر یہ مکاتب (بدلِ کتابت کی ادائیگی میں عاجز ہونے کی وجہ سے) دوبارہ غلامی میں لوٹ آئے تو تاوان پر ملکیت آقا کی ہوگی (حالانکہ تاوان لیتے وقت ملکیت ضعیف تھی)۔ اسی طرح اگر خریدے ہوئے غلام کے ہاتھ کوئی شخص کاٹ دے اور غلام خریدار کے قبضہ میں ہے حالانکہ بائع کو (بیع ختم کرنے کا) اختیار ہے (اور خریدار نے غلام کے ہاتھ کا تاوان لے لیا)۔ اس کے بعد بائع نے اختیار ختم کر کے بیع کی اجازت دے دی تو (اس صورت میں بھی) تاوان خریدار کا ہوگا (اگرچہ تاوان لیتے وقت ملکیت ضعیف تھی) لیکن آزاد کرنے کا حکم اس سے مختلف ہے جیسا کہ امام محمدؒ کے دلائل میں اس کا بیان گزرا۔

غلام کی آدھی قیمت سے زائد تاوان کو خریدار صدقہ کرے گا۔ کیونکہ غلام (خریدار کی ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے) خریدار کی ضمان میں داخل نہیں ہوا یا اس میں عدمِ ملکیت کا شبہہ ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر غاصب سے غلام خریدنے والا دوسرے شخص کو یہ غلام فروخت کردے پھر آقا اس فروخت کی اجازت دے دے، تو دوسری فروخت (جو کہ غاصب سے خریدنے والے نے کی ہے، یہ) جائز نہیں ہوگی۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس وجہ سے جو ہم نے امام محمدؒ کی دلیل کے جواب میں ذکر کی (کہ قطعی ملکیت موقوف ملکیت کو باطل کردے گی)۔ نیز اس میں فسخ ہونے کا بھی دھوکہ ہے اس اعتبار سے کہ پہلی بیع (جو غاصب نے کی ہے، اس) کی مالک اجازت نہ دے اور بیع

اس قسم کے دھوکہ کے احتمال سے فاسد ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر خریدار آزاد کردے تو امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا حکم مختلف ہے۔ کیونکہ آزاد کرنے میں دھوکہ کوئی اثر نہیں دکھاتا (نیز اس کی دلیل سابقہ مسئلہ مختلفہ میں تفصیل سے گزر چکی ہے)۔

مسئلہ:۔ اگر غاصب سے خریدنے والے نے اس غلام کو آگے فروخت نہیں کیا اور غلام اُسی کے قبضہ میں مر گیا یا قتل کر دیا گیا۔ پھر مالک نے (غاصب کی) بیع کی اجازت دی تو یہ اجازت صحیح نہیں ہے۔ وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی کہ اجازت کی شرط یہ ہے کہ چیز جس پر عقد ہوا تھا وہ موجود و باقی ہو۔ حالانکہ (اس صورت میں) وہ چیز موت کی وجہ سے فوت (ومعدوم) ہو چکی۔ اسی طرح قتل کی صورت میں (اگر چہ قاتل سے اس کا بدل ملتا ہے لیکن پھر) بھی فوت شمار ہوگی۔ کیونکہ قتل کی وجہ سے خریدار کے لئے (غلام کا) بدل واجب کرنا ممکن نہیں ہے کہ غلام کا بدل باقی ہونے کی وجہ سے غلام باقی شمار کیا جائے۔ (قتل کا بدل واجب نہ کرنے کی وجہ) کیونکہ قتل کے وقت خریدار کی کوئی ایسی ملکیت نہیں تھی جو بدل کے مقابلہ میں ہو، (یعنی کسی چیز کا بدل اس کی ملکیت کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے اور قتل کے وقت غلام پر خریدار کی ملکیت نہیں تھی۔ اس لئے اس غلام کا بدل خریدار کے لئے واجب نہیں کر سکتے)، تو (قتل کی صورت میں بھی) غلام کا فوت ہونا ثابت ہو گیا۔ لیکن (اگر خریدار نے مالک یا فضولی سے غلام خرید کر قیمت ادا کردی اور قبضہ نہیں کیا۔ پھر غلام کو مالک کے پاس یا فضولی کے پاس کسی نے قتل کر دیا تو اس کا تاوان خریدار کو ملے گا اگر چہ قتل کے وقت غلام خریدار کے قبضہ میں نہیں تھا اور مالک فضولی کی بیع کی اجازت بھی دے سکتا ہے اگر چہ غلام موجود نہیں ہے اس لئے کہ یہ) بیع صحیح (ہے اور اس) کا حکم مختلف ہے۔ کیونکہ خریدار کی ملکیت ثابت ہے تو خریدار کے لئے ملکیت کا بدل واجب کرنا ممکن ہے گویا مبیع اپنے

نائب (یعنی قیمت) کی موجودگی کی وجہ سے موجود ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے دوسرے کے غلام کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دیا اور خریدار نے (عدالت میں) اس دعویٰ پر دلیل قائم کی کہ بائع یا غلام کے اصل مالک نے اقرار کرلیا تھا کہ مالک نے بائع کو غلام فروخت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور خریدار (اس دعویٰ کے ذریعہ) اِس بیع کی واپسی (وفسخ) کا ارادہ کرے تو اس کی دلیل قبول نہیں ہوگی۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اس کے دعویٰ میں تضاد ہے۔ کیونکہ خریدنے کا عمل اس (مدّعی) کی طرف سے اس بیع کے صحیح ہونے کا اقرار ہے (اس تضاد کی وجہ سے دعویٰ صحیح نہیں ہوا) حالانکہ دلیل کی بنیاد صحیح دعویٰ پر ہوتی ہے (اس لئے دلیل مقبول نہیں)۔ لیکن اگر قاضی کے سامنے بائع اس کا اقرار کرلے (کہ ہاں مالک نے اسے فروخت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا) تو بیع باطل ہوجائے گی۔ بشرطیکہ خریدار بیع باطل ہونے کا مطالبہ کرے۔

(یہاں بھی اگرچہ تضاد ہے کیونکہ فروخت کرنا اس کی دلیل ہے کہ مالک نے اسے حکم دیا تھا لیکن یہاں تضاد کا اعتبار نہیں) کیونکہ دعویٰ میں تضاد اقرار کے صحیح ہونے میں مانع نہیں ہے۔ (جب اقرار صحیح ہے) تو خریدار کو چاہئے کہ وہ بائع کی مدد کرے (اور بیع کے باطل ہونے کا مطالبہ کرے) تاکہ دونوں میں اتفاق ثابت ہو، اسی وجہ سے (بیع کے باطل ہونے میں) خریدار کے مطالبہ کی شرط مقرر کی۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے اپنی کتاب ''زیادات'' میں ذکر کیا ہے کہ اگر خریدار نے غلام کے مدّعی کی تصدیق کردی (یعنی اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ یہ غلام میرا ہے اور خریدار نے اس کے دعویٰ کی تصدیق کی) پھر بائع کے اس اقرار پر دلیل قائم کی (کہ یہ غلام فلاں مستحق یعنی مدّعی کا ہے، تو خریدار کی دلیل مقبول ہوگی (حالانکہ مقبول نہیں ہونی چاہئے کیونکہ خریدار کا خریدنا اس کے دعویٰ کے منافی ہے)۔

مشائخ ؒ نے ان دونوں مسئلوں میں فرق بیان کیا ہے کہ اس (یعنی متن کے) مسئلہ میں غلام خریدار کے قبضہ میں ہے اور اُس (یعنی زیادات کے) مسئلہ میں غلام مستحق کے قبضہ میں ہے (یعنی خریدار کے پاس مبیع نہیں ہے) اور قیمت کی واپسی کی شرط یہی ہے کہ خریدار کے پاس مبیع نہ ہو (تو وہ اپنی ادا کی ہوئی قیمت کا مطالبہ کرسکتا ہے ۔ زیادات کے مسئلہ کی صورت یہی ہے ۔ اس لئے اس کی دلیل مقبول ہے)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے دوسرے شخص کا گھر (اس کی اجازت کے بغیر) فروخت کیا اور خریدار نے (قبضہ کرکے) اُسے اپنی عمارت میں شامل کرلیا تو بائع (گھر کی قیمت کا مالک کے لئے) ضامن نہیں ہوگا۔ مصنفؒ نے فرمایا: یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور امام ابویوسف ؒ کا بھی آخری قول یہی ہے ۔ امام ابویوسفؒ پہلے فرمایا کرتے تھے کہ بائع ضامن ہوگا اور یہی امام محمد ؒ کا قول ہے ۔ یہ اصل میں زمین غصب کرنے سے متعلق مسئلہ ہے اور ان شاء اللہ ہم اسے تفصیل سے غصب کے باب میں بیان کریں گے ۔ واللہ اعلم بالصواب
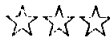
باب السلم

بیع سلم کا بیان

بیع سَلَم[1] ایک عقد ہے۔اس کی مشروعیت قرآن کی آیت سے ہے اور وہ اٰیۃ المداینۃ کے نام سے مشہور ہے۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے قابل ضمانت قرض (یعنی بیع سلم کو) حلال کیا ہے اور اس کے بارے میں سب سے طویل آیت اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہے اور آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ ہے کہ "اے ایمان والو! جب تم مقررہ میعاد تک قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لو" (البقرۃ:۲۸۲،آخر آیت تک)۔بیع سَلَم سنت (یعنی حدیث) سے بھی ثابت ہے اور وہ حدیث اس طرح روایت کی گئی کہ "نبی کریم ﷺ نے ایسی چیز فروخت کرنے سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو اور بیع سَلَم کی اجازت دی۔

اگرچہ قیاس اس کا انکار کرتا ہے لیکن ہم نے مروی حدیث کی وجہ سے اِسے چھوڑ دیا۔قیاس کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ یہ معدوم (غیر موجود) چیز کی فروخت ہے۔(اور معدوم مال نہیں ہوتا جبکہ بیع میں دونوں جانب مال ہوتا ہے)۔معدوم اس لئے کہ جس چیز کے بارے میں یہ بیع منعقد ہوئی ہے وہی چیز مبیع ہے (اور وہ معدوم ہے، قیمت جو کہ نقد ہے اُسے مبیع نہیں بنا سکتے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: یہ بیع ہر ماپ والی چیز اور وزن والی

---

[1] کسی چیز کا سودا کرنے کے بعد قیمت پہلے دی جائے اور چیز معینہ مدت کے بعد لی جائے۔ اسے بیع سَلَم اور "اَخذُ عَاجِلٍ بِاٰجِلٍ" کہتے ہیں۔اس بیع میں مبیع کو مُسلَم فیہ، ثمن کو رأس المال، بائع کو مسلَم الیہ اور خریدار کو ربّ السَلَم کہتے ہیں۔

چیز میں جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ "تم میں سے جو بیع سَلَم کرے تو چاہئے کہ وہ معلوم (ومعیّن) ماپ میں اور معلوم وزن میں معلوم میعاد تک بیع سَلَم کرے"۔ (خیال رہے کہ) یہاں وزن والی چیزوں سے مراد وہ ہیں جو دراہم ودنانیر کے علاوہ ہیں (اگر چہ وہ بھی وزن والی ہیں)۔ کیونکہ دراہم ودنانیر کی حیثیت صرف قیمت بننے کی ہے اور مسلم فیہ (یعنی جس کے بارے میں بیع سَلَم ہو اُس) کے لئے ضروری ہے کہ وہ قابل قیمت چیز ہو (خود قیمت نہ ہو)، تو بیع سَلَم ان دونوں (یعنی دراہم ودنانیر یعنی سونا چاندی) میں صحیح نہیں ہے۔ پھر (اس میں اختلاف ہے کہ یہ بیع باطل ہوگی یا موقوف) بعض نے کہا کہ باطل ہوگی اور بعض نے کہا کہ میعادی قیمت کے بدلہ (یعنی ادھار) منعقد ہوجائے گی تا کہ عقد کرنے والوں کا مقصود حتی الامکان حاصل ہوجائے۔

نیز معاملات میں ان کے معانی ومفہوم کا اعتبار ہوتا ہے (ظاہری الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا، تو الفاظ اگر چہ بیع سَلَم کے ہیں لیکن حقیقت میں بیع سَلَم نہیں ہے)۔

ان دو اقوال میں سے پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ تصحیح ایسے مقام میں واجب ہوتی ہے جس میں عقد کرنے والوں نے معاملہ کیا ہو اور یہاں یہ ممکن نہیں ہے (اس لئے کہ انہوں نے بیع کا معاملہ کیا ہے جس کے لئے کم از کم مبیع کا موجود ہونا ضروری ہے اور یہاں دراہم ودنانیر ہیں جو کہ مبیع نہیں بن سکتے وہ بنیادی طور پر قیمت ہیں)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ اسی طرح ماپ کی جانے والی چیزوں میں بھی بیع سَلَم جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ چیز کو ماپ کی مقدار، چیز کی صفت اور بناوٹ کے ذکر سے منضبط ومعیّن کرنا ممکن ہے۔ اور ان کا ذکر ضروری ہے تا کہ ابہام دور ہو کر بیع سَلَم کے صحیح ہونے کی شرائط ثابت ہوں۔ اسی طرح ایسی شمار کی جانے والی چیزوں میں بیع سَلَم جائز ہے جن میں (چھوٹے وبڑے ہونے کے

اعتبار سے) باہمی فرق زیادہ نہیں ہوتا جیسے اخروٹ اور انڈے۔ اس لئے کہ وہ شمار کی جانے والی اشیاء جو حجم (جسم) کے لحاظ سے قریب قریب (ایک جیسی) معروف ہوتی ہیں، ان کی صفت منضبط ہوتی ہے اور انہیں سپرد بھی کر سکتے ہیں (ان میں ایسا ابہام نہیں ہوتا جو جھگڑے کا سبب بنے) اس لئے ان میں بیع سَلَم جائز ہے۔ اور ایسی چیز میں چھوٹا بڑا ہونا برابر ہے کیونکہ لوگوں نے اس فرق کے ساقط کرنے پر اتفاق کر لیا ہے۔ لیکن تربوز اور انار کا حکم مختلف ہے (کہ چھوٹے و بڑے کے فرق کا اعتبار ہے) کیونکہ ان کے افراد میں (چھوٹے و بڑے ہونے کا) واضح فرق ہوتا ہے اور مالیت و قیمت میں ان کے افراد کے مختلف ہونے کی وجہ سے شمار ہونے والی اشیاء بھی متفاوت و مختلف کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں۔ (یعنی ان تمام اشیاء پر یکساں حکم نہیں لگتا)۔ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ شتر مرغ کے انڈوں میں بیع سَلَم جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے افراد مالیت میں مختلف ہوتے ہیں (دو انڈوں میں سے ہر ایک کی الگ الگ قیمت ہوتی ہے)۔ جن اشیاء میں شمار کر کے بیع سَلَم کرنا جائز ہے تو ان میں ماپ کر کے بھی بیع سَلَم کرنا جائز ہے۔ لیکن امام زفرؒ نے فرمایا کہ ان میں ماپ کر کے بیع سَلَم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اشیاء شمار والی ہیں ماپ والی نہیں ہیں۔ انہی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ شمار کر کے بھی بیع سَلَم کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں فرق ہوتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ چیز کی مقدار کا علم کبھی شمار کر کے ہوتا ہے اور کبھی ماپ کر کے ہوتا ہے اور جو چیز معاملہ کرنے والوں کے نزدیک ان کی اپنی اصطلاح و اتفاق سے عَدَدی ہوئی تھی تو انہی کی اصطلاح و اتفاق سے ماپ والی ہو جائے گی۔

اسی طرح پیسوں (یعنی سکوں) کی شمار کر کے بیع سَلَم کرنا جائز ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ کیونکہ پیسے بھی ثمن ہیں (جیسا کہ درہم و دینار)۔ امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ

کی دلیل یہ ہے کہ پیسوں یعنی (سکوں) کا ثمن ہونا ان معاملہ کرنے والوں کے مقرر کرنے اور تسلیم کر لینے سے ہے، تو ان کی طرف سے (سکوں کی) دوسری حیثیت (یعنی مبیع) مقرر کرنے سے ثمن والی حیثیت باطل ہو جائے گی اور دوبارہ وہ سکے وزن والے نہیں ہوں گے [1] (یعنی ان کی ثمن ہونے کی حیثیت ختم ہونے کے بعد وہ عددی ہی رہیں گے جیسا کہ اصل میں عددی ہیں، وزن والے نہیں ہوں گے)۔ اس بحث کو ہم نے پہلے (سود کے باب میں) ذکر کر دیا ہے۔

مسئلہ:۔ جانوروں کی بیع سَلَم جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے کیونکہ جانور کی جنس، عمر، قسم اور صفت بیان کرنے سے جانور معلوم و متعین ہو جائے گا (اور ابہام دور ہو جائے گا)۔ اور اس کے بعد بھی اگر تفاوت و فرق ہے تو وہ معمولی ہے (جس کا اعتبار نہیں ہے) اور جانور اس حکم میں کپڑے کے مشابہ ہو گیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور کے ذکر کے بعد بھی جانور کی مالیت میں خفیہ صفات کے اعتبار سے واضح فرق باقی رہتا ہے تو اس کا انجام جھگڑا ہوگا، کپڑوں (پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ ان) کی حیثیت مختلف ہے اس لئے کہ کپڑے انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کپڑوں کے دو ٹکڑے جو ایک ہی تانے پر بُنے گئے ہوں ان میں فرق ہو (بلکہ ایک ہی جیسے ہوتے ہیں)۔ نیز نبی کریم ﷺ سے صحیح روایت مروی ہے کہ آپ نے جانور کی بیع سَلَم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حکم میں جانوروں کی تمام قسمیں داخل ہیں یہاں تک کہ چڑیاں بھی۔

علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ جانوروں کے اعضاء جیسے سری اور پائے ان کی بھی بیع سَلَم جائز نہیں ہے۔ مصنفؒ نے وجہ بیان کی کہ ان اعضاء میں فرق ہوتا ہے

---

[1] یہ حکم پرانے زمانے کے اعتبار سے ہے۔ آج کل سکے اور روپے سب برابر ہیں اور ان کی بیع سَلَم صحیح نہیں۔

(ایک جانور کی سری دوسرے جانور کی سری سے اسی طرح ایک کے پائے دوسرے کے پائے سے مختلف ہوتے ہیں اور لوگ اس کا اعتبار وخیال کرتے ہیں)۔ نیز یہ اعضاء شمار کر کے فروخت کئے جاتے ہیں اور ان میں تفاوت ہے اس کے لئے کوئی پیمانہ مقرر نہیں ہے۔

علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ کھالوں کی شمار کر کے، لکڑی (یعنی ایندھن) کا گٹھا بنا کے اور گھانس کی گڈی بنا کر بیع سَلَم جائز نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ ان میں فرق ہوتا ہے (یعنی ایک کھال دوسری کھال سے اور لکڑی کا ایک گٹھا دوسرے گٹھے سے اور ایک گڈی دوسری گڈی سے مختلف ہوتی ہے) لیکن اگر گٹھے اور گڈی کی مقدار اس طرح معلوم ہو جائے کہ جس رسی سے گٹھے کو باندھا جائے گا اس کی لمبائی بیان کر دی جائے کہ مثلاً وہ ایک بالشت یا ایک گز لمبی ہوگی تو اس وقت لکڑیوں کے گٹھے بنا کر بیع سَلَم جائز ہے بشرطیکہ ان میں کوئی خاص فرق نہ ہو۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ بیع سَلَم اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ مسلَم فیہ (یعنی چیز) عقد کی ابتداء سے لے کر میعاد ختم ہونے (اور چیز ادا کرنے) کے وقت تک بازار میں موجود (ورائج) نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر وہ چیز عقد کے وقت بازار میں موجود نہ ہو (اور مارکیٹ میں نہ ملتی ہو) لیکن ادا کرنے کے دن موجود ہو یا اس کے برعکس صورت ہو کہ ابتداء میں بازار میں ہو اور حوالہ کے دن نہ ہو) یا ان دونوں اوقات کے درمیانی زمانہ میں چیز بازار میں نہ ملتی ہو تو ان تینوں صورتوں میں بیع سَلَم جائز نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر حوالہ کے دن موجود ہو تو جائز ہے کیونکہ چیز کی ادائیگی واجب ہونے کے وقت ادا کرنے کی قدرت موجود ہے (اور واجب ہونے سے پہلے جو عاجزی تھی اس کا اعتبار نہیں ہے)۔

ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''پھلوں کی بیع سَلَم نہ کرو جب تک کہ ان کے پکنے اور کھانے کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے'' نیز چیز حاصل ہونے کی وجہ سے ادا کرنے کی قدرت ہوگی اس لئے اس کا مستقل وجود پوری مدت مقررہ میں ضروری ہے تاکہ حاصل کرنے کی قدرت ہو۔

مسئلہ:۔ اگر مبیع حوالہ کرنے کے دن (یعنی میعاد کے آخری دن) بازار سے غائب ومعدوم ہو جائے تو خریدار کو یہ اختیار ہے کہ اگر چاہے تو بیع سَلَم فسخ کر دے یا چاہے تو مبیع کے موجود ہونے (اور بازار میں آنے) کا انتظار کرے۔ کیونکہ بیع سَلَم صحیح منعقد ہوئی ہے اور اب جو (مبیع حوالہ کرنے سے) عاجزی پیش آئی ہے تو وہ زائل ہونے کے قریب ہے (اس لئے اس کا اعتبار نہیں کریں گے) اور یہ صورت اس کے مشابہ ہوگئی کہ جیسے مبیع (غلام یا جانور معاملہ کرنے کے بعد) قبضہ کرنے سے پہلے بھاگ جائے (اور اس صورت میں بھی اختیار حاصل ہوتا ہے)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ نمک لگی ہوئی (یعنی فروزن) مچھلی کی وزن اور قسم معلوم ہونے کی حالت میں بیع سَلَم جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اس حال میں اس کی مقدار بھی معلوم ہے اور صفت بھی منضبط ہے۔ نیز اس کے ادا کرنے کی بھی قدرت ہے کیونکہ وہ بازار سے غائب نہیں ہے (تو شرائط موجود ہونے کی وجہ سے یہ بیع صحیح ہے)۔ ایسی مچھلی کی شمار کر کے بیع سَلَم جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مچھلیوں میں (چھوٹی و بڑی ہونے کا) فرق ہوتا ہے۔

امام محمدؒ نے فرمایا: تازہ مچھلی کی بیع سَلَم کرنے میں (آخرت کے اعتبار سے) بہتری نہیں ہے۔ مگر اُسی وقت (جبکہ پانی سے نکالی ہے) اس کا وزن اور قسم معلوم ہونے کی حالت میں جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ مچھلی سردی کے موسم میں سمندر کی اوپری سطح سے (پانی جمنے کی وجہ سے) غائب ہو جاتی ہے (اور پکڑی نہیں

جاتی) یہاں تک کہ اگر کسی علاقہ میں (سردی کے موسم میں) غائب نہ ہوتو بغیر کسی (سردی وگرمی کی) قید کے جائز ہے۔ مچھلی کی صرف وزن کرکے ہی بیع سَلَم جائز ہے، شمار کرکے جائز نہیں ہے اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کی (کہ ان میں فرق ہوتا ہے)۔

امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ وہ بڑی مچھلیاں جن کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے فروخت کیا جاتا ہے ان کی بیع سَلَم جائز نہیں ہے۔ انہوں نے اسے گوشت کے مسئلہ پر قیاس کیا ہے (کہ ان کے نزدیک اس کی بیع سَلَم جائز نہیں ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ گوشت کی بیع سَلَم کرنے میں کوئی بہتری نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے لیکن صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر گوشت کی صفت بیان کردی کہ اس جگہ (مثلاً ران یا سینہ وغیرہ) سے ایسا (مثلاً ہڈی والا یا بغیر ہڈی وغیرہ کا) گوشت لینا ہے تو یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ (اس صورت میں) وہ وزن والی ہے اور اس کی صفت بھی منضبط ہے۔ اس کے وزن والا ہونے کی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر (معاملہ ہونے کے بعد قبضہ سے پہلے) گوشت ضائع ہوجائے تو اس جیسا ضمان میں دینا ہوتا ہے نیز گوشت کا وزن کرکے اُسے قرض پر دینا جائز ہے۔ اور (اگر گوشت کو گوشت کے بدلہ میں فروخت کیا جائے تو) اضافہ میں سود جاری ہوتا ہے (ان نظائر سے معلوم ہوا کہ گوشت کو منضبط کرسکتے ہیں۔ پرندوں کے گوشت کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے تھا) لیکن پرندوں کے گوشت کا حکم مختلف ہے (کہ اس میں بیع سَلَم جائز نہیں ہے) کیونکہ پرندہ کے جس حصہ کا گوشت لینا ہے اس کی صفت بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ گوشت کی تعیین میں ابہام ہے۔ کیونکہ ہڈی کے زیادہ یا کم ہونے کے اعتبار سے یا موسموں کے اختلاف کے سبب جانور کے موٹے اور دُبلے ہونے کی وجہ سے کافی فرق ہے (یعنی اگر گرمیوں میں بیع سَلَم کا

معاملہ کیا اور سردیوں میں گوشت کی ادائیگی مقرر کی حالانکہ گرمیوں میں جانور دُبلا اور سردیوں میں موٹا ہوتا ہے، تو فرق ہوجائے گا) اور یہ ابہام (معمولی نہیں ہے بلکہ) جھگڑے کا سبب بن سکتا ہے۔ اور بغیر ہڈی کے گوشت کا معاملہ (اگر کریں تو وہ) دوسری (یعنی دبلا اور موٹا ہونے کی) وجہ سے جائز نہیں ہے۔ یہی صحیح روایت ہے۔ (صاحبین کی نظائر کا جواب یہ ہے کہ پہلی نظیر یعنی گوشت خریدنے کے بعد اس جیسا گوشت ضمان میں دینا یہ ممنوع ہے یعنی ہم اسے تسلیم نہیں کرتے اور اسی طرح وزن کر کے گوشت قرض دینا (جو کہ دوسری نظیر تھی یہ) بھی اسی طرح (ممنوع) ہے (اس لئے ان پر قیاس نہیں کر سکتے)۔ اور (آپ کی دوسری نظیر کو) تسلیم کرنے کے بعد (جواب یہ ہے کہ کسی چیز کے مشابہ دوسری چیز پہلی چیز کی قیمت سے زیادہ بہتر ہوتی ہے (اس لئے مثل واجب ہے، نہ کہ اس وجہ سے کہ گوشت وزن والا ہے)۔ نیز (قرض کی نظیر کو تسلیم کرنے کے بعد اس کا جواب یہ ہے کہ) قبضہ کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس قبضہ کی وجہ سے اُسی وقت قبض شدہ گوشت کی مِثل کا علم ہوجاتا ہے (کیونکہ قبضہ فی الحال ہوتا ہے لیکن بیع سَلَم میں قبضہ فی الحال نہیں ہوتا بلکہ بعد میں ہوتا ہے اور چیز کی صفت بیان کر کے چیز کی تعیین کی جاتی ہے) لیکن گوشت میں صفت کے بیان سے کفایت نہیں ہوتی (کیونکہ اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے قرض دینے اور بیع سَلَم کرنے میں فرق ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ بیع سَلَم صِرف میعادی ادھار صورت میں جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نقد صورت میں بھی جائز ہے۔ کیونکہ بیع سَلَم کی رخصت دینے میں حدیث مطلق ہے (اس میں ادھار کی قید نہیں ہے)۔ ہماری دلیل روایت کردہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ''مدت

معلوم تک'' نیز شریعت نے بیع سَلَم کی اس لئے رخصت دی ہے کہ غریبوں کی ضرورت پوری ہو (کہ وہ پہلے رقم لیں اور اس سے چیز خرید کر بعد میں حوالہ کریں کیونکہ رقم نہ ہونے کی وجہ سے وہ چیز پہلے سے خرید کر نہیں رکھ سکتے) تو مدت مقرر کرنا ضروری ہے تاکہ (وہ غریب) بائع اس مدت میں چیز حاصل کرنے پر قادر ہو کر وہ چیز حوالہ کردے۔ اور اگر وہ چیز حوالہ کرنے پر (فی الحال) قادر ہے تو رخصت کی وجہ نہیں پائی گئی اس لئے بیع سَلَم نفی کی حالت پر باقی رہے گی (کہ جائز نہیں ہوگی)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: میعادِ معلوم کی صورت ہی میں بیع سَلَم جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے (اس باب کے شروع میں) روایت کی۔ نیز اس میں بھی ابہام جھگڑے کا سبب بن سکتا ہے جیسا کہ عام بیع میں بنتا ہے (اس لئے تعیین ضروری ہے)۔ مدت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کی ادنیٰ مقدار ایک ماہ ہے بعض نے کہا کہ تین دن اور بعض نے کہا کہ آدھے دن سے زیادہ۔ ان میں سے پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

مسئلہ:۔ کسی خاص شخص کے پیمانہ اور گز کے ذریعہ بیع سَلَم کرنا جائز نہیں ہے۔ (یعنی کسی خاص شخص کے پیمانہ یا گز ہی سے چیز تولی یا ناپی جائے دوسرا پیمانہ یا گز استعمال نہ کرے) اور یہ اس وقت جبکہ اس خاص پیمانہ یا گز کی مقدار معلوم نہ ہو کیونکہ چیز حوالہ کرنے میں (میعاد تک) تاخیر ہوتی ہے تو بسا اوقات وہ پیمانہ وغیرہ ضائع بھی ہوسکتا ہے جس کا انجام جھگڑا ہوگا۔ اور یہ بحث (بیع کے شروع باب میں) اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ پیمانہ کا ایسا ہونا ضروری ہے کہ جو نہ سکڑے اور نہ پھیلے جیسے پیالہ مثلاً۔ اگر پیمانہ ایسا ہو کہ جس میں چیز خوب بھری جائے تو بھرتا جائے جیسے چمڑے کا تھیلا تو یہ جھگڑے کی بناء پر جائز نہیں ہے مگر پانی کی مشک جائز ہے (اگرچہ یہ

بھی پھول جاتی ہے) کیونکہ اس کا رواج ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: کسی خاص گاؤں کے اناج یا خاص درخت کے پھل کی (شرط مقرر کر کے) بیع سَلَم کرنا جائز نہیں ہے۔ (یعنی اس طرح کہے کہ ملیر کے گندم یا پھل خریدتا ہوں دو ماہ بعد دینا اس کے پیسے لے لو)۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ بسا اوقات اس خاص گاؤں یا درخت پر کوئی آسمانی آفت آجاتی ہے (جس سے فصل اور پھل ضائع ہو جاتے ہیں) تو بائع خاص گندم یا پھل حوالہ نہیں کر سکے گا (اور پھر جھگڑا ہوگا)۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا، آپ (سے جب خاص باغ کے پھلوں کی بیع سَلَم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ) نے فرمایا کہ ''اگر اللہ (ان خاص) پھلوں کو ضائع کر دے تو تم کس طرح اپنے بھائی (یعنی خریدار) کے مال (یعنی ادا کی ہوئی قیمت) کو (اپنے لئے) حلال کرلوگے''۔ اگر خاص گاؤں کی طرف اناج کی نسبت صفت بیان کرنے کے لئے کی ہو (یعنی اِس گاؤں جیسے اناج چاہئے، خاص اس گاؤں کے ضروری نہیں) تو مشائخؒ کے قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے بخارا میں خُشمرانی اناج کی طرح (جو کہ خُشمران گاؤں کی طرف منسوب ہے) اور فرغانہ میں بساخی کی طرح جو (فرغانہ کے بساخ گاؤں کی طرف منسوب ہے)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سات شرائط کے بغیر بیع سَلَم صحیح نہیں ہے۔ (۱) چیز کی جنس معلوم ہو جیسے یہ کہنا کہ گندم یا جَو، (۲) قِسم معلوم ہو جیسے یہ کہنا کہ نہری یا بارانی، (۳) صفت معلوم ہو جیسے یہ کہنا کہ اعلیٰ یا ادنیٰ، (۴) مقدار معلوم ہو جیسے یہ کہنا کہ اتنا وزن معروف و مشہور پیمانہ کے ذریعہ (مثلاً کیلوگرام یا سیر وغیرہ)، (۵) مدت معلوم ہو۔

مصنفؒ نے ان پانچ شرائط کے بارے میں فرمایا کہ ان میں اصل دلیل وہ حدیث ہے کہ جو ہم نے شروع میں روایت کی اور راز وحکمت (یعنی عقلی دلیل) وہ ہے جو ہم نے پہلے بیان کردی۔ (کہ ابہام دور کرنا ضروری ہے) علامہ قدوریؒ نے چھٹی شرط کے بارے میں کہا کہ رأس المال یعنی قیمت کی مقدار معلوم ہو بشرطیکہ عقد اس چیز کی مقدار سے متعلق ہو جیسے، ماپ والی، وزن والی اور شمار کی جانے والی چیز ہو۔ (۷) اس مقام کا ذکر ہو جہاں چیز حوالہ کی جائے گی بشرطیکہ چیز بھاری ہو اور اس کے منتقل کرنے میں مشقت (وخرچہ) ہو۔ مصنفؒ فرماتے ہیں: لیکن صاحبین نے (آخری دو شرطوں میں اختلاف کیا اور) فرمایا کہ رأس المال یعنی قیمت اگر معیّن ہے تو اس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اس مقام کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں جہاں چیز حوالہ کی جائے گی بلکہ جس مقام میں عقد ہوا ہے اس مقام میں (وقت مقررہ پر) بائع چیز حوالہ کردے۔ پس یہ دو مسئلے اختلافی ہیں۔

صاحبین کی پہلے مسئلہ (یعنی رأس المال کی مقدار معلوم ہونا، اس) میں یہ دلیل ہے کہ اصل مقصود (یعنی سرمایہ کا ابہام دور ہونا اور حوالہ کرنا یہ) سرمایہ کی طرف اشارہ کرنے سے حاصل ہوجاتا ہے (اس لئے مقدار بتانا ضروری نہیں ہے) اور یہ قیمت ومزدوری کے مشابہ ہوگیا (یعنی اگر دراہم کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ان دراہم میں خریدتا ہوں اور بائع نے قبول کرلیا یا کہا کہ یہ دراہم مزدوری میں دوں گا اور مزدور نے قبول کرلیا تو یہ دونوں معاملے صحیح ہیں) نیز یہ کپڑے کی طرح ہوگیا (جبکہ اسے سرمایہ بنالیا یعنی اگر کہا کہ ان کپڑوں کے بدلہ بیع سَلَم کرتا ہوں اور اس کے گزوں کی مقدار نہیں بتائی تو یہ صحیح ہے)۔ امام صاحبؒ کی یہ دلیل ہے کہ بسا اوقات دراہم میں سے بعض کھوٹے (وجعلی) بھی ہوتے ہیں تو اگر اُسی مجلس میں جس

میں یہ دراہم (ونوٹ) حوالہ کئے تھے کھوٹے تبدیل نہیں کئے گئے اور کل دراہم کی مقدار کا بھی علم نہیں ہوا (اور ان کی طرف اشارہ کو کافی قرار دیا گیا) تو کھوٹے (وجعلی) سکوں کے علم کے بعد یہ معلوم نہیں ہوگا کہ کتنے دراہم کے مقابلہ میں بیع سَلَم باقی ہے (کیونکہ کھوٹے سکوں کے مقابلہ میں بیع کالعدم ہوگئی اور کل دراہم کی مقدار معلوم نہیں تھی اس لئے کھوٹے سکے نکالنے کے بعد صحیح دراہم کا بھی علم نہیں ہوگا)، یا بسا اوقات بائع وہ چیز جس پر بیع سَلَم ہوئی ہے اُسے حاصل کر کے حوالہ) کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تو رأس المال واپس کرنے کی ضرورت ہوتی ہے (لیکن مقدار معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس سے بھی عاجز ہوجاتا ہے۔ ان صورتوں کا اگرچہ احتمال ہے لیکن) اس عقد میں کسی امر کا احتمال اور وہم بھی ثابت شدہ امر کی طرح ہے کیونکہ اس عقد کی اس حال میں شریعت نے اجازت دی ہے کہ بیع کے مخالف امر (یعنی مبیع نہ ہونا،) موجود ہے۔

(کپڑے کی نظیر کا جواب یہ ہے کہ) کپڑا اگر اس بیع میں بطورِ سرمایہ ہو تو اس کی حیثیت مختلف ہے۔ کیونکہ کپڑے میں گز ایسی صفت ہے کہ اس کی مقدار سے عقد متعلق نہیں ہوتا (یعنی گزوں کا اعتبار نہیں ہے اس لئے اس کے ابہام سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا)۔[1]

اس اختلاف کی فروع (ونتائج) میں سے ایک فرع یہ ہے کہ دو مختلف چیزوں کی بیع سَلَم کی اور ہر ایک کا سرمایہ الگ الگ بیان نہیں کیا[2] یا دو مختلف

---

[1] قیمت اور مزدوری کی جو نظیر دی تھی اس کا بھی جواب ہوگیا کہ بیع سَلَم میں احتمال اور وہم کا بھی اعتبار ہے جبکہ عام بیع و معاملہ میں اس کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے دونوں میں فرق ہے۔

[2] مثلاً کہا کہ ایک ہزار روپے لو اور ایک ماہ بعد مجھے ایک مَن چاول اور ایک مَن گندم دو۔ اس میں ہر ایک جنس کی الگ الگ قیمت کا بیان نہیں ہے اس لئے امام صاحب کے نزدیک ناجائز ہے۔

چیزیں بیع سَلَم میں رأس المال بنائیں لیکن ہر ایک کی مقدار بیان نہیں کی[1] تو یہ دونوں صورتیں امام صاحب کے نزدیک ناجائز اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہیں)۔ صاحبینؒ کی دوسرے مسئلہ میں یہ دلیل ہے کہ معاملہ جس مقام میں ہوا ہے وہی مقام (چیز کی ادائیگی کے لئے) متعین ہوگیا کیونکہ ادائیگی واجب کرنے والا معاملہ اُسی مقام میں موجود ہے، نیز اس مقام کی ادائیگی میں کوئی دوسرا مقام مزاحمت بھی نہیں کررہا ہے (یعنی کوئی دوسرا مقام اس کا تقاضا نہیں کرتا کہ ادائیگی اس مقام میں ہو، تو اس کے لئے پہلا مقام ہی متعین ہوجائے گا کیونکہ ادائیگی کی ذمہ داری اِسی مقام میں ہوئی ہے) اور یہ اِس مسئلہ کی نظیر ہوگیا کہ احکامات میں حکم کے ممکنہ اوقات میں سے پہلا وقت حکم کا سبب ہوتا ہے [2] (کیونکہ اوّل وقت کی کوئی دوسرا وقت مزاحمت نہیں کرتا) اور یہ قرض وغصب کے مشابہ ہوگیا۔[3] امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ (اس بیع میں) ادائیگی فی الحال واجب نہیں ہے تو یہی مقام متعین نہیں ہوا قرض وغصب (پر قیاس کرنا صحیح ہے کیونکہ ان) کی حیثیت مختلف

---

1. مثلاً دراہم ودنانیر یا سو پچاس کے نوٹ دیئے اور کہا کہ ایک ماہ کے بعد ایک من چاول لوں گا اور یہ نہیں بتایا کہ کتنے سو کے اور کتنے پچاس کے نوٹ ہیں یا صرف ایک قسم کے نوٹوں کی قیمت بیان کی اور کل مقدار بھی نہیں بتائی۔ تو اس میں سرمایہ کی مقدار معلوم نہیں ہے اس لئے امام صاحب کے نزدیک ناجائز اور صاحبینؒ کے نزدیک چونکہ ان کی طرف اشارہ ہوگیا اس لئے جائز ہے۔

2. جیسے نماز کا حکم ہے کہ جب مثلاً ظہر کی نماز کا وقت داخل ہوتا ہے تو نماز کے وجوب کے لئے یہی اوّل وقت سبب بنتا ہے کیونکہ اس سے پہلے وقت میں نماز کا حکم نہ ہونے کی وجہ سے سبب بننے کی صلاحیت نہیں ہے اور آئندہ کا وقت بھی موجود نہیں ہے اس لئے اوّل وقت بغیر کسی مزاحمت کے سبب بن جاتا ہے۔

3. جس جگہ قرض اور غصب ثابت ہوتا ہے اسی جگہ قرض اور غصب شدہ چیز کی ادائیگی بھی واجب ہوتی ہے۔

ہے۔[1]

جب (یہ ثابت ہو گیا کہ) یہی مقام متعین نہیں ہوا تو (ادائیگی کے لئے دوسرے مقام کی تعیین ضروری ہے کیونکہ اگر تعیین نہیں ہوگی تو) ابہام (ہوگا اور ابہام) اس میں جھگڑے کا ذریعہ ہوگا کیونکہ مقام کے اختلاف سے چیزوں کی قیمتیں مختلف ہوتی ہیں (تو خریدار زیادہ قیمت والے مقام میں ادائیگی چاہے گا جبکہ بائع کم قیمت والے مقام میں ادائیگی کرنا چاہے گا اور یہ اختلاف نزاع کا سبب ہوگا) اس لئے مقام کی تعیین کا بیان ضروری ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے چیز کی صفت میں ابہام ہو (اور صفت میں ابہام سے بیع سَلَم صحیح نہیں ہوتی)۔ اسی بناء پر (کہ مقام کے اختلاف سے قیمت میں فرق ہوتا ہے) بعض مشائخ نے کہا کہ اگر (خریدار و بائع کے درمیان) ادائیگی کے مقام میں اختلاف ہو جائے) اور کسی کے پاس گواہی نہ ہو) تو امام صاحبؒ کے نزدیک تو دونوں پر قسم کھانا واجب ہے (کہ ہر ایک اپنے دعویٰ پر قسم کھائے) جیسا کہ چیز کی صفت میں اختلاف ہونے کی صورت میں حکم ہے۔ بعض نے کہا کہ حکم اس کے برعکس ہے (یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک بائع کا قول معتبر ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک قَسم کھانا واجب ہے) کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک تو مقامِ ادائیگی کی تعیین معاملہ کا تقاضہ ہے، [2] قیمت، کرایہ اور کسی چیز کی تقسیم کے احکام بھی اسی اختلاف پر

---

[1] کیونکہ قرض اور غصب کو اپنے ذمّہ ثابت کرنے کے بعد اس کی ادائیگی بھی فی الحال ضروری ہوتی ہے اس لئے وہی مقام اس کے لئے متعین ہو جاتا ہے لیکن بیع سَلَم میں ادائیگی فی الحال واجب نہیں ہوتی اس لئے وہی مقام متعین نہیں ہوتا۔

[2] یعنی جب اِس بیع کا معاملہ منعقد ہوتا ہے تو اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہی مقام چیز کی ادائیگی کے لئے بھی خود بخود متعین ہو جاتا ہے۔ اور جو امور معاملہ کرنے سے منعقد ہوتے ہیں ان میں اگر اختلاف ہو جائے تو قسم واجب ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی صاحبین کے (بقیہ برصفحۂ آئندہ)

مبنی ہیں۔[1] تقسیم کی صورت یہ ہے کہ ایک گھر دو شریکوں نے آپس میں اس طرح تقسیم کیا کہ ایک شریک کے حصہ میں گھر کے بدلہ کوئی ایسی چیز مقرر کردی جو بوجھ و وزن والی ہے اور اس کے منتقل کرنے میں مشقت ہے (تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس چیز کی ادائیگی کے مقام کی تعیین ضروری ہے جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک ضروری نہیں ہے)۔ بعض نے کہا کہ (بیع صحیح ہونے کے لئے) قیمت کی ادائیگی کے مقام کی تعیین کی شرط نہیں ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ اگر قیمت میعادی ہو تو اس کی شرط ہے اور یہی روایت امام سرخسیؒ کی پسندیدہ ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک (تقسیم کی صورت میں) گھر کا مقام چیز کی ادائیگی کے لئے اور (کرایہ کی صورت میں) جانور (یا سواری) حوالہ کرنے کا مقام ہی کرایہ کی ادائیگی کے لئے متعین ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: جو چیز نہ وزن دار ہو اور نہ اس کے منتقل کرنے میں مشقت ہو تو (اس کی بیع سَلَم کرتے وقت) اس کی ادائیگی کے مقام کی تعیین کی بالاجماع ضرورت نہیں ہے۔ مصنفؒ نے یہ وجہ بیان کی اس لئے کہ (مقام کے اختلاف سے) اس کی قیمت مختلف نہیں ہوتی۔ (امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ) اس

(بقیۂ صفحہ گذشتہ) نزدیک قسم واجب ہوگی اور چونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ امر صرف معاملہ کرنے سے طے نہیں ہوتا، اس لئے اختلاف کی صورت میں بائع کا قول معتبر ہوگا۔

[1] مثلاً زید نے کوئی چیز ادھار خریدی اور دینے کا وقت متعین کرلیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک قیمت کی ادائیگی کس مقام پر ہوگی؟ اس کی تعیین بھی ضروری ہے ورنہ یہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔ جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک جس جگہ یہ بیع ہوئی ہے اُسی جگہ قیمت کی ادائیگی ضروری ہے الگ سے تعیین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر زید نے مثلاً کوئی سواری کرایہ پر لی تو اس کے کرایہ کی ادائیگی کے لئے مقام کی تعیین ضروری ہے ورنہ یہ معاملہ صحیح نہیں ہوگا جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک سواری کی واپسی کا مقام ہی کرایہ کی ادائیگی کے لئے متعین ہوگیا۔

چیز کو اس مقام میں ادا وحوالہ کرے گا جس مقام میں بیع سَلَم کی ہے۔ مصنف ؒ تفصیل کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ یہ روایت جامع صغیر اور بیوع (کے مسائل) کی ہے لیکن (امام محمدؒ نے مبسوط میں) کرایہ کے مسائل میں یہ ذکر کیا ہے کہ جس مقام میں چاہے (کرایہ وغیرہ) ادا کر دے۔ یہی روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ تمام مقامات برابر ہیں اور فی الحال ادائیگی واجب نہیں ہے (کہ معاملہ والے مقام کو ترجیح حاصل ہو۔ اس لئے کسی بھی مقام میں ادا کر سکتا ہے)۔ لیکن اگر معاملہ کے وقت کسی مقام کی تعیین کی تو بعض نے کہا کہ اِس تعیین سے مقام متعین نہیں ہوگا کیونکہ اس تعیین کا کوئی فائدہ نہیں ہے (تو تعیین بے کار ہوئی)، اور بعض نے کہا کہ متعین ہو جائے گا کیونکہ یہ تعیین (خریدار کے لئے) راستہ کا خطرہ ساقط کرنے میں مفید ہے (کیونکہ خریدار کو راستہ میں لُٹ جانے کا خطرہ تھا اس لئے اس نے مقام متعین کر دیا)۔ اگر شہر کی تعیین کی (کہ فلاں شہر میں چیز حوالہ کروں گا اور اس کے محلّہ کی تعیین نہیں کی) اور چیز وزن دار اور اس کے منتقل کرنے میں مشقت ہے، تو شہر کے ذکر ہی پر اکتفاء کیا جائے گا (خاص مقام کی تعیین ضروری نہیں ہے) کیونکہ شہر کے اطراف ومضافات اگرچہ آپس میں جدا جدا ہیں لیکن شہر ہونے کی وجہ سے ایک ہی مقام کی طرح ہیں، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ بیع سلم اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک کہ بائع وخریدار کے جدا ہونے سے پہلے بائع سرمایہ (یعنی قیمت) پر قبضہ نہ کرلے (اگر قبضہ نہیں کیا تو بیع سلم صحیح نہیں ہوگی)۔ مصنفؒ نے فرمایا: سرمایہ (یا تو روپے ہوں گے یا سامان) اگر روپے ہوں (اور وہ ادھار کر لئے جائیں) تو خریدار وبائع کی جدائی اس حال میں ہوگی کہ یہ قرض کی قرض کے بدلہ میں فروخت ہوگی (کیونکہ مبیع بھی ادھار ہے) حالانکہ نبی کریم ﷺ نے قرض کی قرض کے بدلہ میں فروخت سے منع فرمایا ہے۔ اگر سرمایہ سامان کی صورت میں ہو (اور اس کا بھی ادھار

کرلیا جائے تو بیع سَلَم کا مفہوم ثابت نہیں ہوگا) کیونکہ بیع سَلَم کا مفہوم یہ ہے کہ نقد کو ادھار کے بدلہ میں لینا، اس لئے کہ بیع سَلَم اور قرض جلدی واقع ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو کسی ایک عوض پر قبضہ ضروری ہے تا کہ بیع سَلَم سے نام کا مفہوم ثابت ہوجائے۔ نیز سرمایہ حوالہ کرنا اس لئے بھی ضروری ہے تا کہ بائع سرمایہ کو استعمال کرکے مبیع حوالہ کرنے پر قادر ہو۔ اسی مسئلہ کی وجہ سے ہم نے کہا کہ اگر بیع سَلَم میں بائع وخریدار دونوں کو یا کسی ایک کو خیارِ شرط حاصل ہو تو بیع سَلَم صحیح نہیں ہے کیونکہ خیارِ شرط حکم منعقد ہونے میں رکاوٹ بننے کی وجہ سے قبضہ کامل ہونے میں مانع ورکاوٹ ہے۔ اسی طرح اس بیع میں دیکھنے کا اختیار بھی ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے عیب کے اختیار کی حیثیت اس سے مختلف ہے (کہ اسے ثابت کرسکتے ہیں) کیونکہ یہ قبضہ کامل ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے۔ اگر خیارِ شرط (مقرر کیا لیکن) جدا ہونے سے پہلے (اس شرط کو) ساقط کردیا اور سرمایہ موجود ہے تو بیع سَلَم جائز ہے امام زفرؒ کا اس میں اختلاف ہے۔ (بیع فاسد میں) اس کی نظیر گزرگئی (کہ بیع میں فساد ثابت ہونے سے پہلے اگر مجلس میں اسے دور کردیا تو امام زفرؒ کے علاوہ تینوں ائمہ کے نزدیک بیع صحیح ہوگی)۔

ان تمام شرائط کو مشائخؒ نے اس قول میں جمع کیا ہے کہ سرمایہ معلوم ومعجّل ہو، مبیع معلوم ومؤخر (میعادی) ہو، ادائیگی کے مقام کا بیان ہو اور مبیع حاصل کرنے کی قدرت ہو۔

اگر ایک من گندم کی دوسو روپے میں بیع سَلَم کی اس طرح کہ سو روپے بائع پر (سابقہ) ادھار ہیں اور ایک سو روپے نقد دیئے، تو ادھار کے بقدر حصہ میں بیع سَلَم باطل ہوجائے گی۔ کیونکہ (کامل قیمت پر سے) قبضہ فوت ہوگیا اور نقد کے بقدر جائز ہوجائے گی۔ کیونکہ بیع سَلَم (کے جواز) کی تمام شرائط جمع ہوگئی ہیں۔ اور یہ فساد (جو

ادھار کے بقدر ہے) پورے سودے کو شامل نہیں ہوگا (اگرچہ سودا ایک ہے) کیونکہ یہ فساد بعد میں واقع ہوا ہے، اس لئے کہ بیع سَلَم صحیح حالت میں واقع ہوئی تھی۔ اسی بناء پر یہ حکم ہے اگر تمام سرمایہ (یعنی بقیہ سو روپے) جدا ہونے سے پہلے ادا کردیئے تو یہ بیع صحیح ہوجائے گی لیکن (اگر بقیہ رقم ادا نہیں کی تو) جدا ہونے سے (قرض کے بقدر) بیع باطل ہوجائے گی۔ اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی (کہ یہ قرض کی قرض کے بدلہ بیع ہوگی جو کہ جائز نہیں ہے)۔ (بقیہ رقم اگرچہ بائع کے قبضہ میں ہے لیکن پھر بھی) یہ حکم اس لئے ہے کہ قرض بیع میں متعین نہیں ہوتا۔ کیا آپ کو اس کا علم نہیں کہ اگر قرض دار (یعنی قرض لینے والے) نے قرض خواہ کو قرض کے بدلہ کوئی چیز فروخت کردی۔ پھر دونوں نے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ کوئی قرض نہیں تھا تو یہ بیع باطل نہیں ہوگی (حالانکہ بیع کا عوض یعنی قرض جسے قیمت مقرر کیا تھا اس کی نفی ہوگئی ہے تو بیع فاسد ہونی چاہئے تھی لیکن چونکہ خاص وہ قرض قیمت کے لئے متعین نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ایجاب وقبول کی وجہ سے بیع صحیح ہوجائے گی اور خریدار کے ذمہ قیمت لازم ہوگی) تو بیع صحیح منعقد ہوگی (اسی طرح یہاں بیع سلم میں بھی ہوگا)۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: بیع سلم کے رأس المال یعنی قیمت اور چیز کو قبضہ کرنے سے پہلے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔[1] مصنفؒ نے فرمایا: پہلی چیز یعنی قیمت کو اس لئے استعمال نہیں کرسکتے کہ یہاں جو چیز عقد کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے یعنی قبضہ وہ فوت (ومعدوم) ہے (اور جب عقد کامل نہیں ہوا تو قیمت پر ملکیت ثابت نہیں ہوئی) اور دوسرا یعنی چیز کو اس لئے استعمال نہیں کرسکتے کہ وہ مبیع ہے اور مبیع میں قبضہ کرنے سے پہلے تصرّف کرنا جائز نہیں ہے۔

---

[1] مثلاً بائع قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے وہی قیمت قرض میں ادا کرنے کا حکم کردے یا خریدار سے اس کے بدلہ کوئی چیز خرید لے اور مثلاً خریدار چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے کسی کو فروخت کردے یا ہبہ کردے۔

مسئلہ:۔ بیع سَلَم کی مبیع میں شرکت اور بیع تولیہ کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ (مبیع میں) یہ تصرّف کرنا بھی اسے استعمال کرنا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر بائع وخریدار بیع سَلَم کا اقالہ کریں (یعنی اسے فسخ کریں) تو خریدار بائع سے (ادا کی ہوئی) قیمت کے بدلہ کوئی چیز نہیں خرید سکتا یہاں تک کہ اس پوری قیمت پر قبضہ کر لے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''تم مت لو سوائے اپنی چیز یا اپنی قیمت کے'' یعنی اگر فسخ کرو تو اس وقت یہ حکم ہے۔ نیز خریدار (فسخ کی صورت میں) بائع سے ایسی چیز لے رہا ہے جس کی مبیع سے مشابہت ہے (کیونکہ عام طور پر مبیع موجود ہوتی ہے اور پہلے دی جاتی ہے اور بیع سَلَم میں قیمت موجود ہوتی ہے اور پہلے ادا کی جاتی ہے تو مبیع سے مشابہت ہوگئی) اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے استعمال کرنا حلال نہیں ہے۔ یہ حکم اس لئے بھی ہے کہ فسخ کرنا (بائع وخریدار کے علاوہ) تیسرے شخص کے حق میں جدید بیع کی حیثیت رکھتا ہے اور مسلَم فیہ (یعنی جس چیز کی ادائیگی کا معاہدہ ہوا تھا اُسے) مبیع بنانا ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ موجود نہیں ہے (اور بیع کے لئے مبیع کا موجود ہونا ضروری ہے) تو قیمت ہی کو مبیع بنالیا جائے گا کیونکہ یہ قیمت بھی مسلَم فیہ کے بقدر قرض ہے مگر یہ کہ فسخ کی مجلس ہی میں اس پر قبضہ کرنا واجب نہیں ہے (حالانکہ اُسی مجلس میں قبضہ ضروری ہونا چاہئے تھا کیونکہ جب فسخ کی حیثیت جدید بیع کی ہے تو گویا یہ جدید بیع سَلَم ہے اور بیع سَلَم میں اسی مجلس میں قیمت پر قبضہ کرنا واجب ہے۔ تو اس فرق کی وجہ بیان کرتے ہیں) اس لئے کہ فسخ کا بیع (جدید) ہونا پوری طرح ابتدائی حکم میں نہیں ہے (یعنی شروع ہی سے بیع نہیں ہے بلکہ انجام کے اعتبار سے ہے، اس لئے بیع سَلَم کی پوری رعایت ضروری نہیں ہے)۔ اس مسئلہ میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے (وہ قیاس کر کے فرماتے ہیں کہ فسخ کی مجلس میں قبضہ ضروری ہے)۔ ان پر حجت وہ (عقلی ونقلی دلیل) ہے جو ہم نے ذکر کی۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے ایک مَن گندم کی بیع سَلَم کی۔ جب ادائیگی کا وقت آ گیا تو بائع نے کسی شخص سے ایک مَن گندم خریدی اور (خود قبضہ نہیں کیا بلکہ) رب السلم یعنی خریدار سے کہا کہ تم ان پر ادائیگی کا قبضہ کرلو، تو (خریدار کے قبضہ کرنے سے) یہ ادائیگی نہیں ہوگی۔ لیکن اگر بائع نے خریدار سے یہ کہا کہ پہلے تم اس پر میرے لئے قبضہ کرو پھر اپنے لئے قبضہ کرو، تو خریدار نے پہلے اس گندم کو بائع کے لئے ماپا پھر اس کے بعد اپنے لئے ماپا، تو یہ جائز ہے۔[1] مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ ماپ کی شرط کے ساتھ دو سودے جمع ہوگئے اس لئے دو دفعہ ماپ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کھانے کی فروخت سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ اس میں دو مرتبہ ماپ ہو۔

اور یہی حدیث کا مصداق ہے (کہ بائع وخریدار کے سامنے ایک ماپ دونوں کے لئے کافی ہے) جیسا کہ اس کی تفصیل (مرابحہ وتولیہ کے بیان میں) گزری۔ (اور یہاں دو سودے ہیں اس لئے دو ماپ ہوں۔ (اعتراض ہوا کہ یہاں دو سودے نہیں ہیں بلکہ ایک سودا ہے۔ کیونکہ مسلم الیہ یعنی بائع اور ربّ السلم یعنی خریدار کے درمیان سودا اس وقت ہوگیا تھا جب خریدار نے قیمت ادا کی تھی۔ ابھی یہاں وہ سودا ہے جو کہ بائع نے تیسرے شخص سے گندم ادا کرنے کے لئے خریدے ہیں۔ اس لئے دوبار ماپ کرنا

---

[1] ان مسائل کی تفصیل سے قبل چند اصول ملاحظہ کرلئے جائیں جو اس میں جاری ہوئے ہیں۔ (۱) روپے، قیمت اور قرض کے علاوہ جو مال ہے وہ عَین کہلاتا ہے۔ (۲) بیع سَلَم کی مبیع جسے مسلم فیہ کہتے ہیں دَین یعنی قرض کہلاتی ہے یہاں تک کہ خریدار اس پر قبضہ کرلے۔ قبضہ کے بعد وہ عَین ہوجائے گی (۳) بیع سَلَم میں قبضہ سے پہلے قرض یعنی مسلم فیہ کے بدلہ کوئی دوسری چیز لینا حرام ہے۔ (۴) وزن وماپ والی چیز کی فروخت میں ہر سودے کے لئے مستقل ماپ ہونا چاہئے اگرچہ ایک ہی چیز سے دونوں سودے ایک ساتھ ہوں۔ ایک ماپ دوسرے ماپ کی کفایت نہیں کرے گا۔ (۵) وکیل اور اصیل کی حیثیت الگ الگ ہے۔ ایک کی حیثیت سے کام دوسرے کی حیثیت کی کفایت نہیں کرے گا۔ (۶) مملوکہ چیز کے بارے میں حکم دے سکتے ہیں غیر مملوک کے بارے میں نہیں۔

ضروری نہیں ہے۔اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ) بیع سَلَم اگر چہ گزشتہ زمانہ میں واقع ہو چکی ہے لیکن مُسلَم فیہ یعنی مبیع پر قبضہ بعد میں واقع ہو رہا ہے۔اور مبیع پر قبضہ کرنا بھی بیع کی ابتداء کی طرح ہے کیونکہ (یہ مبیع پہلے قرض تھی اور قبضہ کے وقت عَین بنی ہے جبکہ) حقیقت میں عین اور قرض میں فرق ہے (اس لئے گزشتہ زمانہ میں قرض مبیع نہیں بنا تھا تو بیع بھی منعقد نہیں ہوئی تھی۔اب قبضہ کے وقت بیع منعقد ہو رہی ہے)۔

(اعتراض ہوا کہ قبضہ سے پہلے مبیع کے بدلہ کوئی چیز لینا حرام ہے حالانکہ مبیع اس وقت قرض کی حیثیت سے ہے اور جب عین ہوگی تو اس قرض کا بدل ہو جائے گی اور بدلہ کرنا حرام ہے تو اس کا جواب دیا کہ) اگر چہ خاص حکم کے حق میں قرض عین کو ایک قرار دیا گیا ہے اور وہ خاص حکم تبدیلی کا حرام ہونا ہے (اگر ایک نہ مانیں تو حرمت آئے گی اور اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں، اس لئے ہم ایک ہی چیز مانیں گے گویا بدلہ ہی نہیں ہوا۔لیکن چونکہ حقیقت میں دونوں الگ الگ ہیں) اس لئے بائع کی تیسرے شخص سے خریداری کے بعد ہی ان دونوں یعنی بائع اور خریدار کے درمیان بیع متحقق و ثابت ہوگی (اور یہ دو سودے ایک ساتھ ہوں گے اس لئے دو بار ماپ کرنا ضروری ہے)۔اگر بیع سَلَم کی صورت نہ ہو بلکہ کسی شخص پر ایک مَن گندم قرض ہوں اور قرض لینے والا ایک مَن گندم کا سودا کر کے (خود قبضہ کرنے کے بجائے) قرض دینے والے کو حکم کرے کہ اس پر قبضہ کرلو (اور وہ قبضہ کرلے) تو یہ جائز ہے (اور اس کا قرض ادا ہو جائے گا دو بار تولنا اور قرضخواہ کا قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے) کیونکہ قرض ابتداء میں اعارہ ہوتا ہے (یعنی کوئی چیز بغیر عوض نفع اٹھانے کے لئے دینا) اسی بناء پر قرض لفظ اعارہ سے منعقد ہو جاتا ہے (یعنی کسی کو کوئی چیز اعارہ کہہ کر دی پھر بعد میں کہا کہ وہ قرض ہے یا اس کا مطالبہ کیا تو یہ قرض ہو جائے گا اور اعارہ میں وہی چیز واپس کی جاتی ہے جو لی تھی) اس لئے واپس کئے جانے والے گندم شرعی حکم کے اعتبار

سے وہی ہیں جو قرض میں لئے تھے تو یہاں دو سودے جمع نہیں ہوئے (اس لئے ایک دفعہ تولنا کافی ہوگا)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے ایک من (گندم) کی بیع سَلَم کی پھر (ادائیگی کے وقت) خریدار نے بائع کو حکم دیا کہ اسے میرے تھیلوں میں تول دو۔ بائع نے گندم اس حال میں تولی کہ خریدار غائب تھا تو یہ ادائیگی نہیں ہوگی۔[1]

مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ خریدار کی طرف سے تولنے کا حکم صحیح نہیں ہے کیونکہ (مبیع خریدار کی مملوک نہیں ہے اس لئے) یہ حکم دینے والے کی مملوک سے متعلق نہیں ہوا۔ اس لئے کہ حکم دینے والے کا حق تو دَین (قرض) میں ہے عین میں نہیں ہے (اور عین اس کی ملکیت میں نہیں ہے) پس بائع کا فعل ایسا ہوگیا کہ اس نے خریدار سے اس کے تھیلے بطور اعارہ لے کر اس میں اپنی مملوکہ چیز ڈال دی (کیونکہ گندم بائع کی ملکیت میں ہیں) اور یہ مسئلہ اس صورت کے مشابہ ہوگیا کہ ایک شخص کے ذمہ قرض کے دراہم (روپے) تھے۔ قرضخواہ (یعنی قرض دینے والے) نے قرض دار (یعنی قرض لینے والے) کو تھیلا دیا کہ قرض دار اس میں وزن کر کے دے قرض دار نے اس طرح کیا تو اس پر قرض خواہ کا قبضہ ثابت نہیں ہوگا (اگر ضائع ہوگئے تو قرض دار کے ضائع ہوں گے)۔ اگر (سلم کی صورت نہیں ہے بلکہ) گندم خریدے اور بقیہ مسئلہ متن کے مسئلہ کی طرح ہے (کہ خریدار نے بائع کو تھیلے دیئے کہ اس میں تول دو اور خود غائب ہوگیا۔ بائع نے اگر اس کے تھیلوں میں تول کر رکھ دیئے) تو خریدار کا قبضہ ثابت ہوجائے گا (اگر ضائع ہوئے تو خریدار کے ضائع ہوں گے) کیونکہ یہاں

---

[1] یہاں یہ اصول بھی پیش نظر رہے کہ بیع سلم میں مسلم فیہ یعنی مبیع حوالہ کرنے سے پہلے بائع کی ملکیت ہوتی ہے اور خریدار کا اس پر حق نہیں ہوتا ہاں قبضہ کرنے کے بعد اس کی ملکیت آجاتی ہے۔ جبکہ عام بیع میں معاملہ کرنے کے بعد ہی مبیع خریدار کی ملکیت ہوجاتی ہے۔ قرض خواہ کا بھی قرض پر قبضہ کرنے سے پہلے کوئی حق نہیں ہوتا۔

خریدار کا حکم اس اعتبار سے صحیح ہے کہ وہ خریدار کی مملوک سے متعلق ہوا ہے۔اس لئے کہ خریدار سودا کرنے کی وجہ سے گندم کا مالک ہوگیا۔(بیع سلم اور عام بیع میں ملکیت کے فرق کی وضاحت کے لئے نظیر پیش کرتے ہیں کہ) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اگر مسئلہ کی صورت یہی ہو اور خریدار بائع کو گندم پیسنے کا حکم کرے (اور وہ ایسا کردے) تو بیع سَلَم کی صورت میں پسا ہوا آٹا مُسلَم الیہ یعنی بائع کا ہوگا (کیونکہ آٹا بائع کا مملوک ہے تو خریدار کا حکم صحیح نہیں ہے) اور عام بیع میں خریدار کا ہوگا کیونکہ عام بیع میں خریدار کا حکم کرنا صحیح ہے۔اسی طرح اگر خریدار نے بائع کو حکم دیا کہ یہ مال سمندر میں بہادو تو بیع سَلَم میں یہ مال بائع کا ضائع ہوگا (کیونکہ حکم صحیح نہیں ہے) اور عام بیع میں خریدار کا ضائع ہوگا اور قیمت اس کے ذمہ لازم ہوگی اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی (کہ اس کا حکم کرنا صحیح ہے)۔ نیز اسی بناء پر عام بیع میں (قبضہ ثابت اور بیع کامل ہونے کے لئے) وہی (بائع) کا قول کافی ہوگا۔ کیونکہ بائع تولنے میں خریدار کا نائب ہے اور خریدار کے تھیلوں میں گندم پڑنے سے اس کا قبضہ ثابت ہوگیا۔

اگر خریدار نے عام بیع کی صورت میں بائع کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے ہی تھیلوں میں تولے اور بائع نے اس طرح کیا، تو خریدار کا قبضہ ثابت نہیں ہوگا کیونکہ خریدار نے بائع کے تھیلے اس سے بطور اعارہ لے لئے اور ان پر قبضہ نہیں کیا جس سے تھیلے اس کے قبضہ میں نہیں آئے تو اسی طرح جو چیز ان تھیلوں میں ہے وہ بھی قبضہ میں نہیں آئی۔ یہ مسئلہ اِس مسئلہ کے مشابہ ہوگیا کہ اگر خریدار نے بائع کو تولنے اور اُسی کے گھر کے کسی کونے میں الگ کرکے رکھنے کا حکم دیا (تو بائع کا ہی قبضہ ثابت رہے گا۔ اگر ضائع ہوگیا تو بائع کا مال ضائع ہوگا) کیونکہ گھر اپنے اطراف سمیت بائع کے قبضہ ہے، تو خریدار کا قبضہ میں ثابت نہیں ہوا۔

اگر عام بیع میں قرض (یعنی بیع سَلَم) اور مالِ عین جمع ہو جائے اور تھیلے خریدار کے ہوں [1] (اور وہ بائع کو دونوں کے لئے تولنے کا حکم کرے) تو اگر بائع نے تولنے میں مالِ عین سے ابتداء کی (اور بعد میں قرض کی گندم تولی) تو خریدار کا دونوں (یعنی قرض اور عَین) پر قبضہ ثابت ہو جائے گا۔ (اگر ضائع ہوا تو خریدار کا مال ضائع ہوگا)۔ عَین پر قبضہ اس لئے ثابت ہوگا کہ اس میں حکم کرنا صحیح ہے (کیونکہ اس کی ملکیت ہے) اور قرض پر اس لئے کہ یہ قرض خریدار کی ملکیت سے متصل ہو گیا ہے۔ اور اس جیسی صورت اگر ہو (یعنی اپنی مملوک کے ساتھ غیر مملوک اس کے مالک کی رضامندی سے مل جائے) تو قبضہ (مملوک وغیر مملوک دونوں پر) ثابت ہو جاتا ہے جیسے کسی نے گندم قرض لئے اور (قبضہ کرنے کے بجائے) قرض دینے والے سے کہا کہ اس کو میری زمین میں کاشت کر دو (یہ حکم تو صحیح نہیں ہے کیونکہ گندم ملکیت میں نہیں ہیں لیکن اگر قرض دینے والے نے اس طرح کر دیا تو قرض لینے والے کی زمین سے مخلوط و متصل ہونے کی وجہ سے اس گندم پر بھی قرض لینے والے کا قبضہ ثابت ہو جائے گا) اور جیسے کسی نے زرگر کو انگوٹھی دی اور کہا کہ اس میں اپنی طرف سے نصف دینار (کے بقدر سونا) زیادہ (یعنی نصف دینار قرض مانگا اور اس پر ملکیت ثابت ہونے سے پہلے اس کے بارے میں حکم کر دیا تو یہ حکم صحیح نہیں ہے لیکن اگر زرگر نے اس طرح کر دیا تو نصف دینار پر قبضہ ثابت ہو جائے گا کیونکہ وہ اس حکم کرنے والے کی مملوک چیز سے متصل ہو گیا)۔ مذکورہ زیر بحث مسئلہ میں اگر بائع نے (تولنے میں) قرض کے مال

---

[1] مثلاً زید نے ندیم سے ایک من گندم کی بیع سلم کی، جب ادا کرنے کا وقت آیا تو زید نے مزید ایک من کا ندیم سے اسی وقت سودا کیا اور اپنے تھیلے دے دیئے کہ تول کر اس میں ڈال دو۔ اب اس صورت میں قرض اور عین جمع ہے کیونکہ بیع سَلَم میں مبیع قرض مانی گئی ہے اور قرض کے بارے میں یہ بیان ہو چکا کہ یہ بائع کی ملکیت میں ہے اس لئے خریدار کا اس سے متعلق حکم صحیح نہیں ہوگا۔

سے ابتداء کی تو (دونوں یعنی قرض اور مال عین پر) خریدار کا قبضہ ثابت نہیں ہوگا۔ قرض پر تو اس لئے ثابت نہیں ہوگا کہ اس کے بارے میں حکم کرنا صحیح نہیں ہے (اور بائع کی ملکیت بدستور باقی ہے) اور عین پر اس لئے ثابت نہیں ہوگا کہ بائع نے مال عین حوالہ کرنے سے پہلے اُسے اپنے مملوک مال کے ساتھ (جو کہ قرض کی ادائیگی کا مال تھا اس طرح) ملا دیا (کہ جدا و ممتاز نہیں ہوسکتا)۔ اس بناء پر بائع امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال ضائع کرنے والا ہوا اور (مبیع ضائع ہونے کی وجہ سے) بیع ٹوٹ گئی۔ (اعتراض ہوا کہ ملانے کا حکم خریدار کی طرف سے تھا تو بیع نہیں ٹوٹنی چاہئے جواب دیا کہ) اس طرح ملانے پر خریدار کی طرف سے رضامندی نہیں تھی۔ اس لئے کہ اس کا جواز وامکان ہے کہ خریدار کی مراد (ملانے سے) مال عین سے ابتداء کرنے کی ہو۔ صاحبینؒ کے نزدیک خریدار کو اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو بیع توڑ دے اور اگر چاہے تو (اپنے اور بائع کے) مخلوط مال میں اس سے شراکت کرلے۔ کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک ملانا ضائع کرنے کے حکم میں نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے ایک من گندم کی بیع سَلَم میں باندی کو قیمت میں ادا کیا اور بائع نے اس پر قبضہ کرلیا۔ پھر دونوں نے اس بیع کو فسخ کردیا۔ فسخ کے بعد باندی خریدار (یعنی بائع) کے قبضہ ہی میں مرگئی، تو بائع کے ذمہ باندی کی اس دن کی قیمت ہوگی جس دن اس باندی پر قبضہ کیا تھا۔ اگر باندی کے مرنے کے بعد یہ بیع فسخ کی تو فسخ کرنا جائز ہے۔[1]

---

[1] یہاں دو مسائل ہیں۔ (۱) باندی کی زندگی میں فسخ ہوا اور اس کے مرنے کے بعد فسخ باقی رہے (۲) باندی کے مرنے کے بعد فسخ ہو۔ مصنفؒ نے دوسرے مسئلہ کی دلیل پہلے بیان کی کیونکہ اس میں اشکال تھا کہ باندی کے مرنے کے بعد کس طرح فسخ ہوسکتا ہے۔

مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ عقد کے باقی رہنے پر فسخ کے صحیح ہونے کا مدار ہے۔ اور عقد مبیع کے موجود رہنے سے باقی رہتا ہے۔ بیع سَلَم میں اصل مبیع مسلَم فیہ ہوتی ہے (جو کہ اس مسئلہ میں گندم ہے تو اگر چہ باندی مرگئی لیکن) مسلَم فیہ یعنی گندم کے باقی رہنے کی حالت میں فسخ کرنا صحیح ہے (یہ تو باندی کے مرنے کے بعد فسخ کے جائز ہونے کی دلیل تھی باندی کی زندگی میں فسخ کرنے کے بعد اس کی موت کے بعد باقی رہنے کے جواز کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ) اور جب باندی کے مرنے کے بعد فسخ کی ابتداء کرنا جائز ہے تو (اس کی زندگی میں) فسخ کی ابتداء کرنے کے بعد اس کا باقی رہنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ کیونکہ کسی چیز کا باقی رہنا اس کی ابتداء وشروع سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ (باندی کی قیمت واپس کرنے کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ) جب مسلم فیہ یعنی گندم میں یہ معاملہ فسخ ہوگیا تو (اس کے بدل یعنی) باندی میں بھی تبعاً وضمناً یہ معاملہ فسخ ہوگا اور اسے واپس کرنا واجب ہوگا۔ لیکن اس کی موت کی وجہ سے اس کی واپسی ناممکن ہوگئی تو بائع کے ذمہ اس کی قیمت واپس کرنا واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر ایک ہزار روپوں کے بدلہ باندی خریدی۔ پھر یہ معاملہ فسخ کردیا اور باندی خریدار کے قبضہ میں مرگئی تو فسخ باطل ہوجائے گا۔ اگر باندی کی موت کے بعد فسخ کیا تو فسخ کرنا (شروع ہی سے) باطل ہے۔ کیونکہ اس بیع میں مبیع باندی ہے۔ تو اس کے مرنے کے بعد معاملہ باقی نہیں رہا۔ اس لئے فسخ کی ابتداء صحیح نہیں ہوگی۔ (اگر فسخ کی ابتداء کے وقت زندہ تھی پھر بعد میں مرگئی جیسا کہ مسئلہ کی پہلی صورت ہے) تو انجام کار یہ فسخ باقی نہیں رہے گا کیونکہ فسخ کا محل یعنی مبیع معدوم ہے۔ (اس لئے کہ فسخ کا مفہوم یہ ہے کہ موجود چیز کو ختم کرنا اور یہاں مبیع موجود نہیں ہے، ختم کیسے کریں گے؟) اور یہ حکم بیع مقایضہ (یعنی سامان کی سامان کے بدلہ میں فروخت)

میں مختلف ہے کہ ابتداء میں فسخ کرنا صحیح ہے اور (شروع کرنے کے بعد کوئی ایک عوض کے تلف ہونے کے بعد بھی فسخ باقی رہے گا کیونکہ اس بیع میں دونوں عوضوں میں سے ہر ایک عوض مبیع ہو سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے ایک آدمی کو ایک من گندم کی بیع سلَم میں دراہم ادا کئے تو بائع نے کہا کہ میں نے گھٹیا گندم کی شرط مقرر کی تھی لیکن خریدار نے کہا کہ تم نے کسی چیز کی شرط مقرر نہیں کی تھی، تو (اس اختلاف میں) بائع کا قول معتبر ہے۔[1]

مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ خریدار بیع سَلَم کے صحیح ہونے سے انکار کرنے میں خود اپنا نقصان کر رہا ہے (یعنی اپنے فائدہ والی چیز سے انکار کر رہا ہے، اس طرح کہ) عادت وعُرف میں مسلم فیہ یعنی مبیع کی قدر واہمیت بہ نسبت قیمت کے زیادہ ہے (اسی کو حاصل کرنے کے لئے لوگ بیع سلَم کرتے ہیں اور نقد مال و قیمت ادا کرتے ہیں اور اس کے صحیح ہونے کے لئے مبیع کی صفت بیان کرنا ضروری ہے۔ خریدار اس کا انکار کر کے گویا بیع سلَم کی صحت کا انکار کر رہا ہے اور اپنے فائدہ کا انکار کر کے ہٹ دھرمی کر رہا ہے جس کو مُتَعَنِّت کہتے ہیں)۔ اور اس مسئلہ کے عکس کی صورت میں (کہ خریدار دعویٰ کرے اور بائع انکار کرے) تو مشائخ نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خریدار کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ بیع سلَم کے صحیح ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اگرچہ اس کا ساتھی منکر ہے جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک بائع کا قول معتبر ہوگا۔

---

[1] ان مسائل میں یہ اصول ہے کہ بائع وخریدار میں سے اگر کوئی ایسی چیز کا انکار کرے جس سے بیع سلم صحیح ہوتی ہے اور وہ اس کے فائدہ میں ہے تو اس کا انکار باطل ہوگا۔ اگر ایسی چیز کا انکار کرے جس سے اُس کو نقصان پہنچ رہا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں میں سے اس کا قول معتبر ہے جس کے دعوے سے بیع سلم صحیح ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک منکر کا قول معتبر ہے اگرچہ اس کے قول سے بیع سلم فاسد ہو جائے۔

کیونکہ وہ منکر ہے اگر چہ (وہ بیانِ صفت کا انکار کر کے) بیع سَلم کے صحیح ہونے کا انکار کرر ہا ہے۔ان شاءاللہ ہم اسے بعد میں ثابت کریں گے۔

مسئلہ:۔ اگر بائع نے کہا کہ مدت مقرر نہیں ہوئی تھی اور خریدار کہہ رہا ہے کہ مدت مقرر ہوئی تھی۔تو خریدار کا قول معتبر ہے۔ کیونکہ بائع اپنے حق کا انکار کرنے میں ہٹ دھرم ہے اور حق سے مراد مدت ہے (یعنی مدت مقرر کرنے میں اس کا فائدہ ہے اور وہ فائدہ کا انکار کرر ہا ہے)۔(اعتراض ہوا کہ یہاں بیع سَلم صحیح نہیں ہے کیونکہ میعاد مقرر نہیں ہوئی اس لئے بائع قیمت واپس کر دے گا اور مبیع اس کے پاس رہے گی جو کہ فائدہ کی چیز ہے یعنی بائع اپنے فائدہ کا انکار نہیں کرر ہا ہے، بلکہ انکار کر کے فائدہ حاصل کرر ہا ہے اس لئے وہ مُتَعَنِّتْ .وہٹ دھرم نہیں ہے۔اس لئے صاحبین کے نزدیک بائع کا قول معتبر ہونا چاہئے کیونکہ وہ منکر ہے جبکہ یہاں بالاتفاق خریدار کا قول معتبر ہے،اس کا جواب دیا کہ) میعاد مقرر نہ ہونے سے بیعِ سَلم کا فاسد ہونا یقینی نہیں ہے کیونکہ (میعاد کی شرط) یہ اجتہاد سے ثابت ہے (بعض ائمہ کے نزدیک میعاد شرط نہیں ہے۔ جب یہ بیع فاسد نہیں ہوئی) تو قیمت واپس کرنے میں بائع کا نفع معتبر نہیں ہوگا صفت کا بیان نہ ہونے کی صورت میں حکم مختلف ہے (کہ اس صورت میں اس بیع کا فاسد ہونا یقینی ہے تو اُس کی بات معتبر ہے جو صحت کو ثابت کرے)۔اس مسئلہ میں عکس ہونے کی صورت میں (کہ بائع مدّعی ہو اور خریدار منکر تو) صاحبینؒ کے نزدیک بائع کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس پر جو حق ہے (کہ وقت مقررہ پر مبیع حوالہ کرے) اس کا وہ انکار کرر ہا ہے اور منکر کا قول معتبر ہوتا ہے اگر چہ وہ بیع سَلم کے صحیح ہونے کا انکار کرے (کیونکہ وہ مُتَعَنِّتْ ،ہٹ دھرم نہیں ہے بلکہ نقصان والی چیز کا انکار کرر ہا ہے) جیسے مضاربت میں سرمایہ دار (مالک) اگر مضارب سے کہے کہ میں نے تمہارے لئے دس کے سوا نصف نفع کی شرط مقرر کی تھی (یعنی آدھے نفع میں سے دس کم جیسے اگر سو روپے

کل نفع ہے تو مضارب کے لئے چالیس روپے) جبکہ مضارب کہے کہ نہیں! بلکہ آپ نے میرے لئے نصف نفع کی شرط مقرر کی تھی، تو مالک کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ (اپنے خلاف) نفع کے حق کا انکار کر رہا ہے اگرچہ مضاربت کی صحت کا بھی انکار کر رہا ہے (کیونکہ اس جیسی شرط سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بائع کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ بیع سَلَم کے صحیح ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور اسی بیع پر دونوں کا اتفاق ہوا تھا (کوئی اور معاملہ نہیں ہے) تو بظاہر دونوں اس کے صحیح ہونے پر متفق ہیں (کیونکہ مسلمان جب کوئی معاملہ کریں گے تو صحیح معاملہ کریں گے اس لئے جو صحت کا دعویٰ کرے گا اس کی بات معتبر ہوگی) مضاربت کے مسئلہ کی حیثیت مختلف ہے (کہ مالک اجارہ کا اور عامل شرکت کا دعویٰ کر رہا ہے، ایک عقد پر اتفاق نہیں ہے) نیز مضاربت لازمی عقد نہیں ہے (یعنی عامل و مالک میں سے ہر ایک مضاربت فسخ کر سکتا ہے) تو اس میں اختلاف کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے صرف نفع کے حق کا دعویٰ باقی ہے (اور دوسرا منکر ہے اور منکر کا قول معتبر ہوتا ہے) جبکہ بیع سلم لازمی عقد ہے (کہ بائع و خریدار میں سے کوئی ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر فسخ نہیں کر سکتا)۔

اس بحث سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ بائع و خریدار میں سے جو تعنتاً (یعنی ہٹ دھرمی) سے کلام کرے تو بالاتفاق اس کے ساتھی کا قول معتبر ہوگا اور اگر بطور نزاع و جھگڑے کے کلام کرے (اور اپنے نقصان سے انکار کرے) اور ساتھ ہی دونوں نے ایک عقد (یعنی بیع سَلَم منعقد کرنے) پر اتفاق کر لیا ہو (کوئی اور عقد و معاملہ مراد نہ ہو) تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا قول معتبر ہوگا جو عقد کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرے جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک منکر کا قول معتبر ہوگا اگرچہ وہ عقد کی

صحت کا انکار کرے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: کپڑوں کی بیع سَلم جائز ہے جبکہ اس کی لمبائی، چوڑائی اور گاڑھا یا پتلا وباریک ہونا بیان کر دیا جائے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ بائع نے ایسی چیز کی بیع سَلَم کی جو معلوم ومعروف ہے اور جس کے حوالہ کرنے کی قدرت ہے جیسا کہ ہم نے (اس باب کے شروع میں) ذکر کیا۔ اگر ریشمی کپڑا ہے تو ریشم کا وزن بھی بیان کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس میں ریشم ہی مقصود ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ قیمتی نفع بخش پتھر (جیسے یاقوت نیلم وغیرہ) اور پوت کے موتیوں کی بیع سَلَم کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے افراد میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے (اور انہیں منضبط کرنا مشکل ہے)۔ وہ چھوٹے چھوٹے موتی جنہیں وزن کر کے فروخت کیا جاتا ہے، ان کی بیع سَلَم جائز ہے۔ اس لئے کہ وزن کے ذریعہ انہیں معلوم کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ:۔ کچی اور پکی اینٹوں کی بیع سَلَم جائز ہے جبکہ اس کا سانچہ معلوم ہو۔ کیونکہ اینٹیں ایسی شمار کی جانے والی چیز ہے جو قریب قریب ایک جیسی ہوتی ہیں خاص طور پر جبکہ سانچہ معین کر دیا جائے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: ہر وہ چیز جس کی صفت کو منضبط کرنا اور اس کی مقدار کو معلوم کرنا ممکن ہو اس کی بیع سَلَم جائز ہے۔ کیونکہ اس کا انجام جھگڑا نہیں ہوتا۔ جس کی صفت کو منضبط کرنا اور اس کی مقدار کو جاننا ممکن نہ ہو تو اس کی بیع سلم جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قرض ہے اور صفت کے بغیر ایسا ابہام باقی رہے گا کہ جس کا انجام جھگڑا ہوگا۔

طشت (تسلا)، قمقمہ (فانوس، بجلی کا بلب وغیرہ) چمڑے کے موزے یا

اس جیسی دوسری چیزیں اگر ان کی مقدار وغیرہ معلوم ہو تو ان کی بیع سَلَم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ بیع سلم کی شرائط جمع ہیں۔ اگر ان کی مقدار (وصفت وغیرہ) معلوم نہیں ہے تو ان کی بیع سَلَم کرنے میں بہتری نہیں ہے۔ اس لئے کہ (بیع سلم میں مبیع قرض ہوتی ہے تو) یہ مبہم قرض ہوگا (اور قرض میں ابہام جائز نہیں ہے)۔

آرڈر پر کام کرنے سے متعلق مسائل

امام محمدؒ نے فرمایا: ان مذکورہ (طشت، قمقمہ وغیرہ) چیزوں میں سے کسی چیز کے بنانے کا آرڈر (حکم) دیا اور مدت مقرر نہیں کی تو یہ بطور استحسان جائز ہے۔ کیونکہ اس کے جواز پر اجماع ہے اور یہ اجماع رواج سے ثابت ہے۔ قیاس کی رو سے یہ عمل جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ غیر موجود چیز کے فروخت کی صورت ہے (اور غیر موجود کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی وہ بیع کہلاتی ہے) لیکن صحیح مذہب یہ ہے کہ اسے بیع کی صورت بنانا بھی جائز ہے نہ کہ وعدہ بنانا۔ اور (غیر موجود مبیع کا اشکال نہ کیا جائے کیونکہ) کبھی غیر موجود کو بھی حکمی طور پر موجود معتبر کر لیتے اور مان لیتے ہیں۔ اور (اس بیع میں) مبیع وہی چیز ہے (جس کے بنانے کا حکم دیا ہے) عمل مبیع نہیں ہے حتیٰ کہ اگر یہ کاریگر بنی بنائی ہوئی چیز لے آئے جسے اس نے خود نہیں بنایا یا حکم ملنے سے پہلے بنایا تھا، اور حکم دینے والے نے وہ چیز لے لی تو یہ جائز ہے (معلوم ہوا کہ اصل مبیع چیز ہی ہے عمل نہیں ہے)۔ آرڈر کی بنی ہوئی چیز آرڈر دینے والوں کے اختیار ہی سے متعین ہو جاتی ہے (پھر وہ چیز کسی اور کو نہیں دے سکتے) لیکن اگر انہوں نے متعین نہیں کی تو کاریگر چیز بنا کر حکم دینے والے کے دیکھنے واختیار کرنے سے پہلے کسی تیسرے کو فروخت کر دے تو جائز ہے۔ یہ تمام مذکورہ مسائل صحیح مذہب وروایت کے مطابق ہیں۔

مسئلہ:۔ آرڈر دینے والے کو یہ اختیار ہے کہ خواہ چیز لے لے یا

چھوڑ دے۔ کیونکہ اس نے ایسی چیز خریدنے کا معاملہ کیا ہے جسے دیکھا نہیں تھا (تو دیکھنے کے بعد اختیار حاصل ہوگا)۔ کاریگر کو (آرڈر قبول کرنے کے بعد) چیز نہ بنانے کا اختیار نہیں ہے۔ مبسوط میں امام محمدؒ نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ کاریگر نے ایسی چیز کے فروخت کا معاملہ کیا جسے اس نے نہیں دیکھا تھا (اور بائع کو دیکھنے کے بعد بیع فسخ کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا)۔ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ کاریگر کو بھی اختیار حاصل ہے۔ کیونکہ مبیع حوالہ کرنا کاریگر کے نقصان کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ نقصان یہ کہ (اگر موزہ بنانا ہے تو) وہ چمڑا وغیرہ کاٹے گا۔ (اس نقصان کی بناء پر اسے اختیار حاصل ہونا چاہئے)۔ امام ابو یوسفؒ سے یہ مروی ہے کہ دونوں ہی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ کاریگر کو اختیار نہ ہونے کی وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی اور آرڈر دینے والے کو اس لئے اختیار نہیں ہے کہ اس کے لئے اختیار ثابت کرنے میں کاریگر کا نقصان ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور اتنی قیمت میں نہ خریدے۔

جن چیزوں کا آرڈر دینے کا رواج نہیں ہے ان کا آرڈر دینا جائز نہیں ہے جیسے کپڑے کیونکہ جواز کی وجہ (جو کہ رواج ہے وہ) ان میں موجود نہیں ہے۔ جن چیزوں کے آرڈر دینے کا رواج ہے ان کا اسی وقت آرڈر دینا صحیح ہے جبکہ ان کی صفت وغیرہ بیان کر کے نشاندہی کردی جائے تاکہ اس کا حوالہ کرنا ممکن ہو۔

اس مسئلہ میں مدت نہ ہونے کی شرط لگائی (اس کا فائدہ یہ ہے کہ) اگر جس چیز کے آرڈر دینے کا رواج ہے اس میں آرڈر کے ساتھ مدت بھی ذکر کردی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ بیع سَلَم ہو جائے گی صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ اور جس چیز کے آرڈر دینے کا رواج نہیں ہے اس کے آرڈر دینے میں مدت مقرر کردی (مثلاً کہا کہ ایک ماہ کی مدت میں اتنا کپڑا تیار کردو) تو بالاتفاق وہ بیع سَلَم ہو جائے

گی۔ پہلے مسئلہ میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ الفاظ حقیقت میں آرڈر دینے کے استعمال کئے ہیں تو الفاظ کے تقاضا کی رعایت کی جائے گی اور مدت کو جلدی کے مطالبہ پر محمول کریں گے (یعنی اس مدت کی پابندی ضروری نہیں ہوگی) لیکن جن چیزوں کے آرڈر دینے کا رواج نہیں ہے ان کی حیثیت مختلف ہے (کہ مدت مقرر کرنے سے وہ بیع سَلَم ہوجائے گی) کیونکہ آرڈر دینا ہی فاسد وناجائز ہے، تو صحیح معاملہ یعنی بیع سَلم پر اسے محمول کریں گے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ آرڈر دینا بھی ایک قرض کی حیثیت ہے اور اس میں بیع سَلَم کا احتمال ہے۔ اور بیع سَلَم کا جواز ایسے اجماع سے ثابت ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے (کیونکہ وہ قرآن، سنت اور صحابہؓ کے اجماع سے ثابت ہے) جبکہ صحابہ کی زندگی میں آرڈر دینے کے رواج کے ثبوت میں کچھ شبہ ہے، تو بیع سَلَم پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

مسائل منثورة

متفرق مسائل

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: کتے، چیتے اور درندے کی خرید و فروخت جائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: اس حکم میں سدھایا ہوا اور بے سدھا ہوا دونوں برابر ہیں۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ پاگل کتے کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نفع بخش نہیں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کسی بھی کتے کی فروخت جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ "زانیہ کا مہر (یعنی زنا کا معاوضہ) کتے کی قیمت حرام ہے"۔ نیز کتے کی ذات نجس وناپاک ہے۔ اور نجاست اس کے

رذیل ہونے کی نشاندہی کررہی ہے اوراس کی فروخت کے جائز ہونے سے اس کے اعزاز وعزّت کی نشاندہی ہوگی، اس لئے اس کی فروخت صحیح نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے کتّے کی فروخت سے منع کیا ہے مگر شکار کے کتّے اور حفاظت کے کتّے کی فروخت سے منع نہیں کیا''۔ (اس کے علاوہ جو کتّے ہیں وہ بھی اس حکم میں دلالۃً داخل ہیں)۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ کتّے سے چوکیداری اور شکار کرنے کا فائدہ حاصل کرسکتے ہیں تو اس لحاظ سے ان کی حیثیت مال کی ہوگئی۔ اس لئے ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔

موذی کیڑے مکوڑوں (سانپ، بچھو وغیرہ) کا حکم اس سے مختلف ہے (کہ ان کی فروخت جائز نہیں ہے) کیونکہ ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتے۔ (امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ) حدیث زمانۂ ابتداء اسلام سے متعلق ہے (کہ شروع زمانہ میں آپ نے منع فرمایا تھا) تاکہ صحابہ کرامؓ کتّے پالنے سے بالکل جدا ہوجائیں (کیونکہ اس زمانہ میں اس کا رواج عام تھا)۔ امام شافعیؒ کی دوسری دلیل کا یہ جواب ہے کہ کتّے کی ذات نجس ہونے کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اگر تسلیم بھی کرلیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے فروخت کرنا حرام نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: شراب اور خنزیر کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ شراب کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جس نے اس کے پینے کو حرام کیا اُسی نے اس کے فروخت کرنے کو اور اس کی قیمت کھانے کو بھی حرام قرار دیا ہے''۔ نیز مسلمانوں کے حق میں یہ چیزیں مال نہیں ہیں۔ اس بحث کو ہم نے (بیع فاسد میں) ذکر کردیا ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اہل ذمہ یعنی کافر معاملات میں مسلمانوں کی طرح ہیں (یعنی معاملات کے جو احکام مسلمانوں کے لئے ہیں وہی احکام مسلمانوں کے ساتھ بسنے والے کافروں کے بھی ہیں)۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ نبی کریم ﷺ کی اس بارے میں یہ حدیث ہے (جو آپ نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمائی تھی۔ اس کے آخر میں ہے کہ) ''ان کافروں کو بتلانا کہ جو حقوق مسلمانوں کے لئے ہیں وہی حقوق ان کے لئے بھی ہیں اور جو فرائض مسلمانوں پر ہیں وہی فرائض ان پر بھی ہیں'' (یعنی معاملات سے متعلق حلت وحرمت)۔ نیز کافر بھی مسلمانوں کی طرح مکلف و(معاملات کے) محتاج ہیں۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: مگر کافر شراب اور خنزیر کے حق میں خاص طور پر مسلمانوں سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ ان کا شراب کا معاملہ کرنا ایسا ہے جیسے مسلمان حلال شیرہ کا معاملہ کرے اور ان کا خنزیر کا معاملہ کرنا ایسا ہے کہ جیسے مسلمان بکری کا معاملہ کرے۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ شراب اور خنزیر کافروں کے اعتقاد میں مال ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ہم انہیں ان کے اعتقاد پر عمل کرنے کے لئے چھوڑ دیں۔ اس پر حضرت عمرؓ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ ان کافروں کو شراب وخنزیر کی فروخت کا اختیار دے دو اور ان سے ان دونوں کی قیمت میں عشر (دسواں حصہ) لو۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے دوسرے شخص سے کہا: کہ اپنا غلام فلاں شخص کو ایک ہزار درہم (روپے) میں فروخت کردو اس شرط پر کہ میں تمہارے لئے قیمت میں سے ہزار کے علاوہ پانچ سو روپے کا ضامن ہوں۔ اور اِس دوسرے شخص (یعنی مالک) نے اس طرح کیا تو یہ جائز ہے اور مالک خریدار سے ایک ہزار روپے اور ضامن سے پانچ سو روپے لے گا۔ اگر ضامن نے یہ نہیں کہا کہ ''قیمت

میں سے" تو یہ فروخت ایک ہزار درہم (روپے) کے عوض ہوگی اور ضامن پر کوئی روپیہ وغیرہ لازم نہیں ہوگا۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ: اصول یہ ہے کہ قیمت اور چیز پر ہمارے نزدیک اضافہ کرنا جائز ہے اور یہ اضافہ اصل عقد سے لاحق ہو جاتا ہے (یعنی گویا عقد کے شروع ہی سے یہ اضافہ موجود تھا) اِس حکم میں امام زفرؒ و امام شافعیؒ کا اختلاف ہے (کہ اصل عقد سے لاحق نہیں ہوتا) ہماری دلیل یہ ہے کہ اضافہ کرنا عقد کو ایک شرعی وصف سے نکال کر دوسرے شرعی وصف میں تبدیل کرنا ہے اور وصف یہ ہے کہ عقد برابر سرابر ہو یا نقصان والا ہو یا نفع بخش ہو۔ (اس تفصیل کے بعد ہم کہتے ہیں کہ) کبھی خریدار کو خریدنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اس طرح کہ مقررہ قیمت مبیع کے مساوی ہوتے ہوئے خریدار قیمت میں اضافہ کردے۔ (اس میں خریدار نے عمداً اپنا نقصان کیا اور اس سے بیع پر کچھ اثر نہیں پڑا) تو اجنبی پر بھی قیمت کی شرط لگانا صحیح ہے (اگر وہ خود اس پر راضی ہو اور یہ بیع کے منافی نہیں ہے) جیسے خلع کے عوض کا حکم ہے (مثلاً کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ تم اپنی بیوی کو ایک ہزار روپے کے عوض طلاق دے دو، ایک ہزار روپے میں دوں گا۔ اگر اس نے طلاق دے دی تو ہزار روپے اس کہنے والے کے ذمہ ہوں گے۔ اسی طرح بیع کا مسئلہ ہے) لیکن شرط یہ ہے کہ الفاظ اور صورت میں مبیع کا قیمت سے مقابلہ ہو۔ تو جب اجنبی نے کہا کہ "قیمت میں سے دوں گا" تو شرط پائی گئی (یعنی لفظوں میں بھی کہا اور یہی اضافہ مبیع کے مقابلہ میں ہے) اس لئے اضافہ صحیح ہے لیکن جب اس نے "قیمت میں سے" نہیں کہا تو شرط نہیں پائی گئی اس لئے صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے کوئی باندی خریدی اور (معاملہ طے ہو جانے کے

بعد) قبضہ نہیں کیا کہ آقا نے اس کی شادی کرادی اور اس کے شوہر نے اس سے جماع کرلیا تو یہ نکاح جائز ہے۔ کیونکہ نکاح کرانے کے اختیار کا سبب موجود ہے جو کہ باندی میں کامل طور پر ملکیت کا ہونا ہے اور شوہر پر مہر لازم ہوگا۔ اور شوہر کے جماع سے مالک کا قبضہ ثابت ہوجائے گا کیونکہ شوہر کو جماع کرنے کا اختیار مالک کی طرف سے حاصل ہوا ہے تو شوہر کا فعل مالک کے فعل کی مانند ہوگا (اور مالک اگر باندی سے جماع کرلے تو قبضہ ثابت ہوجاتا ہے)۔ اگر شوہر نے جماع نہیں کیا تو قبضہ (معتبر) نہیں ہوگا۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ (شادی کرانے سے ہی) قبضہ ثابت ہوجائے۔ کیونکہ شادی کرانا بھی عیب پیدا کرنے کے حکم میں ہے (کیونکہ اس سے باندی کی قیمت میں کمی آجاتی ہے) تو اسے حقیقی عیب معتبر کیا جائے گا (اور باندی میں عیب پیدا کرنے سے قبضہ ثابت ہوجاتا ہے اور خیار شرط وغیرہ ختم ہوجاتا ہے)۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی عیب پیدا کرنے کی صورت میں اس عیب دار چیز پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ قبضہ ثابت ہوتا ہے، حکمی عیب کی حیثیت اس طرح نہیں ہے تو دونوں میں فرق ہوگیا۔

مسئلہ: ۔ امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کسی نے غلام خریدا اور (ایجاب وقبول ہونے کے بعد قیمت ادا کرنے سے پہلے خریدار) غائب ہوگیا غلام بائع کے قبضہ میں ہے اور بائع نے (قاضی کے سامنے) دلیل قائم کردی کہ میں نے فلاں خریدار کو یہ غلام فروخت کیا ہے (اور اس پر میرا حق نہیں ہے مجھے اس کی قیمت دلوائی جائے) تو اگر خریدار کی پوشیدگی کا مقام معروف ہے (یعنی معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے) تو غلام کو بائع کا قرض (یعنی غلام کی قیمت) ادا کرنے کے لئے فروخت نہیں کیا جائے گا۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ غلام فروخت کئے بغیر بائع کو اس کا حق پہنچانا ممکن ہے (کہ

خریدار کو بُلا کر اس سے قیمت لے لی جائے گی) اور فروخت کرنے میں خریدار کے حق کو باطل کرنا ہے (اس لئے فروخت نہیں کریں گے)۔ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ خریدار کہاں ہے، تو غلام فروخت کیا جائے گا اور قیمت ادا کی جائے گی۔ کیونکہ غلام میں خریدار کی ملکیت بائع کے اقرار سے ظاہر ہوگئی ہے تو جس طور پر اس نے اقرار کیا اُسی طور پر ملکیت ظاہر ہوگی کہ وہ غلام بائع کے حق میں پھنسا ہوا ہے۔ اور جبکہ خریدار سے بائع کو اس کا حق دلوانا متعذر و مشکل ہو گیا تو اس حق کی ادائیگی میں قاضی (خریدار کی ملکیت یعنی) غلام کو فروخت کر دے گا جیسے رہن رکھوانے والا (یعنی قرض لینے والا) اگر مر جائے (تو قرض دینے والا گروی رکھی ہوئی چیز کا اپنا حق لینے کے لئے زیادہ حق دار ہے حالانکہ گروی چیز قرض لینے والے کی ملکیت ہے) اور جیسے خریدار اگر غریبی کی حالت میں مر جائے اور مبیع پر قبضہ نہ کیا ہو (تو مبیع کو بائع کے حق کے لئے فروخت کیا جائے گا)۔ اگر غلام پر قبضہ کرنے کے بعد خریدار غائب ہوا تو اس کا حکم مختلف ہے (کہ غلام کو اب فروخت نہیں کر سکتے)۔ کیونکہ بائع کے حق کا غلام سے تعلق نہیں رہا۔

اگر (غلام فروخت کرنے اور بائع کا حق ادا کرنے کے بعد) کچھ مال باقی بچے تو اسے خریدار کے لئے محفوظ کر لیا جائے گا کیونکہ یہ مال اس کے حق یعنی غلام کا بدل ہے۔ اگر مال کم پڑ گیا (اور بائع کا حق ادا نہیں ہوا) تو بائع خریدار کا بھی پیچھا کرے گا (اور تلاش کر کے اس سے وصول کرے گا)۔ اگر غلام (وغیرہ) کے خریدار دو ہوں اور ان میں سے ایک غائب ہو جائے، تو موجود خریدار تمام قیمت ادا کر کے اس پر قبضہ کر لے اور جب دوسرا خریدار حاضر ہو تو وہ اپنا حصہ اس وقت تک نہیں لے سکتا جب تک کہ اپنے شریک کو (اپنے حصے کی) قیمت ادا نہ کر دے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کا قول ہے لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر موجود خریدار نے تمام قیمت ادا کر دی تو چیز میں سے وہ صرف اپنے حصہ پر قابض ہو گا اور اپنے ساتھی کی طرف سے جو کچھ ادا

کیا ہے وہ اس کی طرف سے احسان ہوگا۔ کیونکہ اس نے دوسرے شخص کا قرض اس کی اجازت کے بغیر ادا کیا ہے اس لئے اس سے مطالبہ نہیں کرے گا اور وہ اپنے ساتھی کے حصہ کے بارے اجنبی ہوگا اس لئے اپنے ساتھی کے حصے پر قابض نہیں ہوگا (یعنی اس کا ساتھی اِسے قیمت ادا کئے بغیر اپنے حصے کا مالک ہو جائے گا)۔ امام ابوحنیفہ ؒو محمد ؒ کی دلیل یہ ہے کہ موجود خریدار پوری قیمت ادا کرنے پر مجبور ہے کیونکہ پوری قیمت ادا کئے بغیر اپنے حصے سے فائدہ اٹھانا اس کے لئے ممکن نہیں ہے (یہ بھی نہیں کر سکتے کہ چیز کے حصے کر لئے جائیں) کیونکہ بیع کا ایک ہی سودا ہوا ہے (اور ایک سودے کو کامل ہوئے بغیر متفرق نہیں کر سکتے)۔ نیز بائع کو چیز روکنے کا حق ہے جب تک کہ اس کی قیمت میں سے کچھ بھی باقی رہے (تو موجود خریدار مجبور ہوا) اور مجبور شخص (کسی کی طرف سے اس کے حکم کے بغیر ادائیگی کر دے تو وہ) مطالبہ کر سکتا ہے جیسے رہن کے لئے چیز اعارہ پر دینے والے کا حکم ہے۔[1] جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ مطالبہ کر سکتا ہے تو وہ اپنا حق لینے تک چیز روک سکتا ہے جیسے خریداری کا وکیل اگر اپنے مال میں سے چیز کی قیمت ادا کر دے تو مؤکل سے قیمت لینے تک چیز روک سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے باندی چاندی وسونے کے ایک ہزار مثقال کے عوض خریدی تو یہ دونوں چیزیں نصف نصف واجب ہوں گی۔ کیونکہ اس نے مثقال کی ان دونوں کی طرف نسبت برابری کے ساتھ کی ہے تو ہر ایک میں سے پانچ سو مثقال واجب ہوں گے۔ اس لئے کہ (اس مسئلہ میں) سونے وچاندی میں سے کسی ایک کو ترجیح حاصل نہیں ہے۔ اسی کے مثل یہ مسئلہ ہے کہ اگر باندی سونے وچاندی کے ایک

---

[1] مثلاً زید نے خالد سے گھڑی اعارہ پر لے کر یعنی مانگ کر رہن رکھوادی۔ پھر زید مفلس ہو گیا یا غائب ہو گیا اور خالد کی گھڑی رہن میں پھنس گئی تو اس نے اپنی طرف سے خالد کا قرضہ ادا کر کے گھڑی لے لی۔ اب خالد زید سے ادا کئے ہوئے روپوں کا مطالبہ کر سکتا ہے اگر چہ اس کے حکم سے ادا نہیں کئے تھے لیکن چونکہ وہ مجبور تھا ورنہ اس کی گھڑی پھنسی رہتی، اس لئے مطالبہ کر سکتا ہے۔

ہزار کے عوض خریدی تو سونے کے پانچ سو مثقال اور چاندی کے پانچ سو دراہم ہر دس درہم سات مثقال کے برابر واجب ہوں گے۔ کیونکہ خریدار نے ہزار کی دونوں کی طرف نسبت کی ہے، تو ان میں سے ہر ایک کا مشہور و معروف وزن مراد ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی کے دوسرے شخص کے ذمہ دس اعلیٰ درجہ کے دراہم تھے اور اس نے ادنیٰ (گھٹیا) دراہم ادا کر دیئے، اس کو اس کا علم نہیں ہوا (کہ گھٹیا ہیں اس نے لے کر) خرچ کر دیئے یا ضائع ہو گئے، تو امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کے نزدیک دراہم کی ادائیگی ہو جائے گی (اور اب اس دوسرے شخص کے ذمہ کچھ باقی نہیں رہے گا) لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص گھٹیا دراہم کے مثل واپس کر دے گا اور اپنے (اعلیٰ) دراہم کا مطالبہ کرے گا۔ اس لئے کہ اس کے حق کی وصف (اعلیٰ ہونے) میں اسی طرح رعایت ضروری ہے جیسے کہ اصل یعنی دراہم میں رعایت ضروری ہے اور اس وصف کی رعایت ضمان واجب کرنے سے (کہ وصف فوت ہونے کی وجہ سے کچھ دراہم واجب کئے جائیں، اس طرح) ممکن نہیں ہے، کیونکہ جب دراہم کا دراہم سے مقابلہ ہو تو ان کے وصف کی کوئی قیمت نہیں ہوتی (بلکہ اعلیٰ وادنیٰ برابر ہوتے ہیں) تو جو ہم نے کہا رعایت کے لئے اسی طرح کرنا ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ادنیٰ درہم بھی اس کے حق میں سے ہیں حتیٰ کہ اگر اس نے یہ دراہم ایسے معاملہ میں دیئے کہ جن میں تبدیلی کرنا جائز نہیں ہے (یعنی بیع صَرف میں اعلیٰ کے بجائے ادنیٰ دے دیئے) اور لینے والے نے چشم پوشی کر لی (اور قبول کر لئے) تو یہ معاملہ جائز ہو جائے گا (یعنی بیع صَرف میں درہم کے مقابلہ میں درہم ہوتا ہے، اگر اعلیٰ درہم کے بدلہ میں ادنیٰ درہم نہ آ سکتا تو یہ معاملہ صحیح نہیں ہونا چاہئے تھا حالانکہ یہ معاملہ جائز و صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ صفت کا اعتبار نہیں ہے) تو ادنیٰ درہم سے بھی حق حاصل ہونا ثابت ہوگا۔ اور اس کا حق صِرف اعلیٰ ہونے میں باقی رہ گیا اور اس کا تدارک اس وصف کی ضمان واجب

کرنے سے ممکن نہیں ہے اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کی (کہ صفت کا اعتبار نہیں ہے)،
اور اس طرح بھی ممکن نہیں ہے کہ اصل (یعنی دراہم) کی ضمان واجب کریں (کیونکہ
اصل حق تو ادا ہو چکا، اگر اسی کی ضمان واجب کریں گے تو اِسی کے حق سے اسی کے
خلاف ضمان واجب کرنا ہوگا جبکہ) کسی کے حق سے اُسی کے خلاف ضمان واجب نہیں
ہوتی اور اس کی شریعت میں کوئی نظیر بھی نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی آدمی کی زمین میں کسی پرندے نے بچے دے دیئے تو
یہ بچے اس کے ہو جائیں گے جس نے انہیں پہلے لے لیا۔ یہی حکم انڈوں کا ہے اگر کسی
کی زمین میں انڈے دیئے، اور یہی حکم ہرن کا ہے اگر ہرن نے خود کسی کی زمین میں
گھر بنالیا (صاحبِ زمین کے لئے متعین نہیں ہوں گے)۔ اس لئے کہ یہ مباح مال
ہے اور لینے والے نے ان پر قبضہ کرنے میں سبقت کی۔ نیز یہ شکار بھی ہیں اگر چہ یہ
شکار بغیر حیلہ وتدبیر کے پکڑا گیا ہے اور شکار اسی کا ہوتا ہے جو اُسے پکڑ لے۔ انڈا
(اگر چہ شکار نہیں ہے لیکن اس) کا حکم بھی اسی طرح ہے کیونکہ انڈا شکار کی اصل ہے
(اسی سے شکار پیدا ہوتا ہے) اسی بناء پر جو شخص احرام میں ہو وہ انڈا توڑے یا اُبالے
(پکائے) تو اس پر جزاء واجب ہوتی ہے (معلوم ہوا کہ انڈا بھی شکار کے حکم میں
ہے)۔ صاحبِ زمین (اگر اس نے پہلے قبضہ نہیں کیا ان کا اس لئے مالک نہیں ہوگا کہ
اس) نے خاص اِس کام کے لئے زمین کو تیار نہیں کیا۔ تو یہ اس کے مشابہ ہوگیا کہ جال
کو سکھانے کے لئے بچھا دینا (یعنی اگر کسی نے جال زمین پر سکھانے کے لئے بچھایا
اور اس میں کوئی شکار آکر پھنس گیا تو یہ شکار اس کا ہوگا جو اسے پہلے لے لے، خاص
جال والے کے لئے متعین نہیں ہوگا) اور جیسے شکار کسی کے گھر کے احاطہ میں خود داخل
ہو جائے (تو جو بھی اس کو پکڑ لے اس کا ہو جائے گا) یا جیسے بتاشے یا سکے لٹائے جائیں
اور کسی کے کپڑوں یا رومال پر گریں تو (صرف اس کے کپڑے یا رومال پر گرنے سے)

اس کے نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اسے پکڑ نہ لے یا اس کے لئے تیار نہ ہو (اگر پکڑ لئے اور قبضہ کرلیا یا پہلے سے تیار تھا مثلاً رومال یا جھولی اسی لئے پھیلائی تو اسی کے ہوجائیں گے)۔ اگر شہد کی مکھی کسی کی زمین میں (شہد کا چھتا بنا کر اس میں) شہد جمع کردے تو اس کا حکم مختلف ہے (کہ وہ شہد بغیر کسی عمل کے صاحب زمین کا ہوجائے گا کوئی دوسرا شخص نہیں لے سکتا) کیونکہ شہد زمین کے حاصل وثمرات میں سے شمار ہوتا ہے، تو شہد اس کی زمین کا تابع ہوا اور صاحب زمین اس شہد کا مالک ہوجائے گا جیسے وہ درخت جو اس کی زمین پر خود اُگ گیا (تو یہ اس کا مالک ہوجائے گا) اور جیسے پانی کے بہاؤ سے اس کی زمین میں جمع ہونے والی مٹی (تو یہ شخص اسی مٹی کا بغیر کسی عمل کے مالک ہوجائے گا)۔

ختم شد

☆☆☆

قل فللہ الحجۃ البالغۃ

بس حجت پوری اللہ ہی کی رہی

ادلۂ کاملہ

یعنی

غیر مقلدوں کے دس سوالات
اور ان کے تحقیقی جوابات

تالیف

امام عزیز شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہ

تسہیل: مولانا سعید احمد پالنپوری محدث دارالعلوم دیوبند
ترتیب: مولانا محمد امین پالنپوری استاذ دارالعلوم دیوبند

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ کراچی